

انتخاب
حقائق الوساطة
فی
”معرفت حضرت محمد وآل محمد“
(بزبان حضرت محمد وآل محمد۔ مستند کتابوں سے ماخوذ)

تحقيق
حجۃ الاسلام علامہ بشیر انصاری

اتخاب تحقیق
مفسر قرآن ڈاکٹر محمد حسن رضوی

ناشر

اکیڈمی آف قرآنک اسٹڈیز اینڈ اسلامک ریسرچ

انتخاب
حقائق الوساطة
في
”معرفت حضرت محمد وآل محمد“،
(بزبان حضرت محمد وآل محمد - مستند کتابوں سے مأخوذه)

تحقيق
ججۃ الاسلام علامہ محمد بشیر النصاری

انتخاب و تلخیص
منیر القرآن ڈاکٹر محمد حسن رضوی

ناشر

اکیڈمی آف قرآنک استیڈیز اینڈ اسلامک ریسروچ

اشاعت اول

مئی / 2013ء

جلد حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب :	حقائق الوسانط (یعنی معرفت محمد آل محمد)
تحفیظ :	جگہ الاسلام علامہ محمد بشیر انصاری
اتخاب و تحریص :	مطہر قرآن و اکابر حسن رضوی
کپیبوڈز ایک پورٹائل:	راحت جیسی، احمد گرفخ (021-36364924)
ناشر :	اکیڈمی آف قرآنک اسٹیڈیز ایجنسی اسلامک دریافت
تعداد اشاعت :	500
بیج :	-/-250 روپے (محلد) -/-200 روپے (غیر محلد)

ملنے کا ہے

احمد استیشنرز و بک سیلرز

اشاکٹ و جزل آرڈر سلیلائز
718/20، فیڈرل بی ایریا، کراچی
فون: 021-36364924
Email:ams_17_83@hotmail.com

فہرست مضمایں

عنوانات:

□	مقدمہ (ڈاکٹر حسن رضوی)	۹
□	حضرت محمد وآل محمد وسانط ہیں	۱۱
□	نبی و امام کے لئے روحانیت و بشریت جزو لائینک ہیں	۱۳
□	حضرت محمد وآل محمد اول مخلوق اور معلم کائنات ہیں	۱۴
□	حضرت محمد وآل محمد بر عالم ہیں	۱۵
□	مناظرین و مدافعین کی شان میں حدیث رسول	۱۶
□	حضرت امیر المؤمنین کا ارشاد مبارک	۱۷
□	حضرت خاتون قیامت کا ارشاد	۱۸
□	حضرت امام حسن کا ارشاد	۱۹
□	حضرت امام حسین کا ارشاد	۲۱
□	حضرت امام زین العابدین کا ارشاد	۲۲
□	حضرت امام محمد باقر کا ارشاد	۲۳
□	حضرت امام جعفر صادق کا ارشاد	۲۴
□	حضرت امام موکی کاظم کا ارشاد	۲۵
□	حضرت امام رضا کا ارشاد	۲۶
□	علم و معرفت عظیمہ خدا ہے	۲۷
□	محمد وآل محمد کا تصور و توحید	۲۸

اتاب حقائق الوسانط
عن مفت حمد وآل محمد

۲۹	تسبیح کلام	<input type="checkbox"/>
۳۰	خطبہ حضرت امام رضا باب توحید	<input type="checkbox"/>
۳۲	حضرت امام رضا کا ارشاد	<input type="checkbox"/>
۳۵	معرفت امام بکلام امام	<input type="checkbox"/>
۳۷	ناصیحت کی ایک اور شناخت علم غیب کا ناقابل انکار ثبوت	<input type="checkbox"/>
۴۰	مسئلہ غیب کا آخری فیصلہ	<input type="checkbox"/>
۴۲	ارشاد امیر المؤمنین محمد وآل محمد جد اگانہ نوع ہیں	<input type="checkbox"/>
۴۴	ولی اللہ کی طرف رجوع کرنا نجات کا ضامن ہے	<input type="checkbox"/>
۴۵	انکار علم غیب انکار قرآن و سنت ہے	<input type="checkbox"/>
۴۶	آئندہ طاہرین کی کائنات پر حکمرانی اور علم غیب	<input type="checkbox"/>
۴۹	محمد وآل محمد اور خلق خدا میں فصل	<input type="checkbox"/>
۵۰	محمد وآل محمد وجہ اللہ ہیں	<input type="checkbox"/>
۵۱	اہلیت کو نہ پہچانا ہی جہالت ہے	<input type="checkbox"/>
۵۲	کیا غیر خدا کو خالق کہنا صحیح ہے	<input type="checkbox"/>
۵۳	حدیث کے مقابلہ میں قیاس شیطانی قیاس ہے	<input type="checkbox"/>
۵۵	احسن الائین کے صحیح معنی	<input type="checkbox"/>
۵۸	محمد وآل محمد جامع کمالات انبیاء ہیں	<input type="checkbox"/>
۵۹	اہلیت کی فضیلت کو چھپا تاب سے برقیل ہے	<input type="checkbox"/>
۶۰	کیا غیر خدا کو رازق کہنا صحیح ہے؟	<input type="checkbox"/>
۶۱	محمد وآل محمد ایتاء واغناء وفضل کے مالک ہیں	<input type="checkbox"/>
۶۲	تمام دنیا اہلیت کی ملکیت ہے	<input type="checkbox"/>
۶۳	رائے اور قیاس کی ممانعت	<input type="checkbox"/>
۶۴	دینی امور میں رائے کا دخل نہیں	<input type="checkbox"/>
۶۵	شیعہ، عدو اور غانی کی شناخت	<input type="checkbox"/>

كتاب حقائق الوسائل

عن مفتى محمد آل محمد

۶۳	فَرْمَانٌ حَضِيرَتْ صَاحِبُ الزَّمَانَ	□
۶۷	اَسَمَّةَ خَدَا اَسَمَّةَ مَخْلُوقِينَ مِنْ فَرْقَ	□
۶۸	مُحْنَ الْاسْمَاءِ الْحُسْنَى اُورْ غَلُو	□
۶۹	عَظِيمَتْ حَضِيرَتْ اِبْو طَالِبٍ	□
۷۱	مُحَمَّدُ وَآلُ مُحَمَّدٍ كَوْئَيْ لَوْ شِيدَهْ نَبِيِّنَ	□
۷۳	تَفْسِيرُ اَمَامِ مُبِينِ بِكَلَامِ مَعْصُومِيَّنَ	□
۷۴	تَوْقِيقُ مَبَارِكِ حَضِيرَتْ صَاحِبِ الْاَمْرِ	□
۷۶	اَنْبِيَاءُ وَآئِمَّهُ مِنْ كَمَالِ ذَاتِي عَطِيَّهِ خَدَا هَيْ	□
۷۶	كَانَاتْ تَابِعَ فَرْمَانَ جَحْتِ اللَّهِ هَيْ	□
۷۸	اَمْوَارِ تَحْلِيقِ وَتَكْوِينِ پَرِاقْدَارِ حَاصِلَ هَيْ	□
۸۰	بَشَرِيَّتْ كَسَاتِهِ وَجِي دِلِيلِ ذَاتِي هَيْ	□
۸۱	حَدِيثُ حَضِيرَتْ اَوْلَى الْعَابِدِيَّنَ	□
۸۲	حَضِيرَتْ اَمَامِ جَعْفَرِ صَادِقٍ	□
۸۳	حَضِيرَتْ اَمَامِ رَضاً كَارِشَادَ	□
۸۵	حَدِيثُ حَضِيرَتْ اَمَامِ مُحَمَّدِ باَقِرٍ	□
۸۶	مُولَفُ صَاحِبِ كَوْاستِمَدِ اَدَوْ اَسْتِقَاشَهِ درِگَا وَمَعْصُومِيَّنَ مِنْ كَرْنَا چَاهِيَّهِ —	□
۸۷	يَا عَلِيٌّ اَدْرِكْنِي كَاشِبُوتِ بَيْنَ	□
۸۸	تَقْرِيفُ فِي الدُّنْيَا كَيْ حَدِيثُ مَعْصُومَ	□
۸۹	مُحَمَّدُ وَآلُ مُحَمَّدٍ كَوْاخْتِيَارِ وَعَطَامِنْجِ حَاصِلَ هَيْ	□
۹۳	مُولَفُ صَاحِبِ كَاقْرَارِ تَقْرِيفِ بَلْبِيَّتِ بَعْدَ الْمَوْتِ	□
۹۵	حَضِيرَتْ مُحَمَّدُ وَآلُ مُحَمَّدٍ قَلْبُ عَالَمِ هَيْ	□
۹۷	جَدَ اَگَانَهُ نَوْعَ كَاقْبَرِي اَقْرَارَ	□
۹۸	حَضِيرَاتْ مُحَمَّدُ وَآلُ مُحَمَّدٍ كَيْ خَلْقَتْ جَسَانِي	□
۱۰۱	نَوْعُ بَشَرِيَّهِ حَقِيقَتِ جَنْسِ اَنْبِيَاءُ وَآئِمَّهُ هَيْ	□

اہل حقائق الوسائط نے مفت محمد امیر شریعتی

- | | | |
|-----|---|--------------------------|
| ۱۰۲ | بھیت معلم مائنکہ و معلم بشر فصل میز ایک ہے | <input type="checkbox"/> |
| ۱۰۳ | نبی و امام کی عادت امت کے لئے خرق عادت | <input type="checkbox"/> |
| ۱۰۵ | ولایت اہلبیت ولایت خدا ہے | <input type="checkbox"/> |
| ۱۰۶ | غضب و رضائے اہلبیت غصب و رضائے خدا ہے | <input type="checkbox"/> |
| ۱۰۷ | حضرت امام رضا کا ارشاد حق بنیاد | <input type="checkbox"/> |
| ۱۰۹ | معجزات کا تعلق امورِ تکوین و تخلیق سے وابستہ ہے | <input type="checkbox"/> |
| ۱۱۰ | خرق عادت کے طریقے | <input type="checkbox"/> |
| ۱۱۱ | انبیاء و آئمہ کے معجزات دلیل ربوبیت نہیں ہیں | <input type="checkbox"/> |
| ۱۱۲ | مظلومیت و آئمہ باعث حفاظتِ توحید ہے | <input type="checkbox"/> |
| ۱۱۳ | دلیل الوہیت کامل بالذات ہونا ہے | <input type="checkbox"/> |
| ۱۱۵ | امیر شام نے ماغنی بہ اللہ کو منوع قرار دیا تھا | <input type="checkbox"/> |
| ۱۱۶ | شیعوں سے آئمہ طاہرین کی توقعات | <input type="checkbox"/> |
| ۱۱۷ | تبیغ حدیث امامت فرض ہے | <input type="checkbox"/> |
| ۱۱۸ | الفاظ قرآن کا مقصد لغت سے حل نہیں ہو سکتا | <input type="checkbox"/> |
| ۱۱۹ | حضرت امام باقر اور حسن بصریؑ کی گفتگو | <input type="checkbox"/> |
| ۱۲۱ | بیوت اللہ و ابواب اللہ کا مطلب | <input type="checkbox"/> |
| ۱۲۲ | تاویل قرآن و احکام دین کے بارے میں قیاس عاجز ہے | <input type="checkbox"/> |
| ۱۲۳ | صراطِ مستقیم کا الہی مقصد | <input type="checkbox"/> |
| ۱۲۵ | زیارتِ محمد و آل محمد زیارت خدا ہے | <input type="checkbox"/> |
| ۱۲۸ | نجی اللہ پر ظلم خدا پر ظلم ہے | <input type="checkbox"/> |
| ۱۳۰ | تفسیر اول والا مر بکلامِ معصومین | <input type="checkbox"/> |
| ۱۳۲ | تفسیر انا از زنانی لیلۃ القدر | <input type="checkbox"/> |
| ۱۳۳ | انسان فطری طور پر محتاج استمداد ہے | <input type="checkbox"/> |
| ۱۳۶ | امداد و استمداد شرک نہیں | <input type="checkbox"/> |

الْكِتابُ حَقَانِقُ الْوَسَائِطِ بَنِي مَدْعَةٍ مُحَمَّدٌ وَآلُهُ هُمْ

- | | | |
|-----|--|--------------------------|
| ۱۳۸ | ایاک نستین کی تفسیر | <input type="checkbox"/> |
| ۱۳۹ | اللہ کی طرف سے ہیں مشکل کشاء علی | <input type="checkbox"/> |
| ۱۴۰ | علیٰ ناصِرِ کل انبیاء سر اوجہ را | <input type="checkbox"/> |
| ۱۴۱ | اللہ کی طرف سے ہیں مشکل کشاء علی | <input type="checkbox"/> |
| ۱۴۲ | نادلیٰ کے برکات | <input type="checkbox"/> |
| ۱۴۳ | فرشتوں کی طرح جنات بھی خادم ہیں | <input type="checkbox"/> |
| ۱۴۴ | ایک مخالفۃ کا ازالہ | <input type="checkbox"/> |
| ۱۴۵ | ثبت فضائل و مراتب اہلبیت کے لئے خبر واحد کافی ہے | <input type="checkbox"/> |
| ۱۴۶ | حضرت امیرؑ کی نصرت خلیفہ ثانی | <input type="checkbox"/> |
| ۱۴۷ | احیاء موتی و اماتت احیاء | <input type="checkbox"/> |
| ۱۴۸ | باب جنت پر کلمہ مکتبہ | <input type="checkbox"/> |
| ۱۴۹ | حقیقت مغلوق اول کا ادراک صعب و مستصعب ہے | <input type="checkbox"/> |
| ۱۵۰ | قائمین وحدت نوع کی نئی منطق | <input type="checkbox"/> |
| ۱۵۱ | تشابہات کتاب سنت جاہلوں کے لئے مشابہات ہیں | <input type="checkbox"/> |
| ۱۵۲ | ثبت نوایں حضرات معصومینؑ کا حلوفیہ بیان | <input type="checkbox"/> |
| ۱۵۳ | منکرِ نور معارین میں داخل ہے | <input type="checkbox"/> |
| ۱۵۴ | معرفت صحیہ علوم اہلبیت پر موجود ہے | <input type="checkbox"/> |
| ۱۵۵ | مناظرہ اقوال معصومین کے ذریعے کرنا چاہیے | <input type="checkbox"/> |
| ۱۵۶ | حافظت دین کا انتظام | <input type="checkbox"/> |
| ۱۵۷ | امورِ دین میں قیاس و تجھیں کی وجہ | <input type="checkbox"/> |
| ۱۵۸ | علماء محدثین کی بے مثال خدمت | <input type="checkbox"/> |
| ۱۵۹ | احادیث مذکور کا نتیجہ | <input type="checkbox"/> |
| ۱۶۰ | حدیث مفضل کا خلاصہ | <input type="checkbox"/> |
| ۱۶۱ | حصول معرفتِ خدامیں معصومینؑ سے استغنا ممکن نہیں | <input type="checkbox"/> |

اتقاب حقائق الوسانط۔ بنی سونت محمد، آل محمد

- توحید باری عز اسمہ کے باب میں تفکر کی دو پیشیں ۱۷۸
- معرفتِ خدا کا ذریعہ مخلوقات ہی ہو سکتے ہیں ۱۷۹
- معرفتِ خدا کا مطلب اس کے مساوا سے امتیاز ہے ۱۷۹
- مخلوقات اپنے تخلیقی کمال اور حکمت و مصلحت کے عالم سے بلند و پست ہیں ۱۸۰
- افضل معرفت افضل مخلوق سے ظاہر ہوگی ۱۸۰
- معرفت خدا کے ناقص امتیاز، ناقص مدد بر کا اثر ہے ۱۸۱
- خود ساختہ وسائل کو ذریعہ تقریب خدا قرار دینا شرک ہے ۱۸۱
- اسماء حُسنی محمد و آل محمد ہیں ۱۸۲
- الہبیت سے منحر کرنے کی معاندانہ ہم جب شیاطین کی دلیل ہے ۱۸۵

مقدمہ

مشہور و معروف خطیب اور ذاکرِ اہلبیت حضرت علامہ محمد بشیر النصاریؒ فاتح نیکلا کی کتاب 'حقائق الوسائل' حضرت محمد وآل محمدؐ کی معرفت کے موضوع پر بہترین کتاب مانی گئی ہے۔

- (۱) کیونکہ یہ کتاب طویل مناظرانہ بحثوں کی وجہ سے 640 صفحات پر مشتمل ہے، اس لئے عام آدمی اس کتاب سے استفادہ نہیں کر سکتا۔ لہذا میں نے اس کتاب میں سے مناظرے کی طویل بحثوں کو نکال کر کتاب کا خلاصہ (انتخاب) صرف 192 صفحات میں مکمل کر دیا ہے۔
- (۲) علاوہ ازیں یہ اہم کتاب بازار میں تقریباً نایاب ہے۔

- (۳) اصل کتاب چونکہ بہت ہی چھوٹے حروف میں چھپی ہے اور چونکہ اس کا پڑھنا سخت مشکل تھا۔ اس لئے منتخب متن کو جلی حروف میں تبدیل کر دیا ہے تاکہ پڑھنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔ اب یہ کتاب اصل کتاب 'حقائق الوسائل' کا خوبصورت انتخاب (خلاصہ) اور نچوڑ ہے، جو صرف تحقیقی مواد پر مشتمل ہے۔ جو آئندہ اہلبیت کی مستند احادیث اور ان کے مستند حوالوں پر مبنی ہے۔

اس کتاب کو پڑھنے سے:

- (۱) غالیوں اور مقصرین کی واضح رو رہوجاتی ہے۔
- (۲) حضرات محمد وآل محمدؐ، آئندہ اہلبیت کے صحیح مقام و مرتبہ کی معرفت خود ان کے مستند ارشادات کے ذریعہ ہوجاتی ہے۔
- (۳) امامت کبریٰ، ولایت کبریٰ، جنت خدا بنت و امامت کی معرفت کے ساتھ ساتھ بہت سی متعلقہ قرآن کی آیات کی تفسیر سمجھ میں آجائی ہے۔

(ڈاکٹر حسن رضوی)

اما بعد يغريق تفسير محمد بشير بن امام على انصاری مرحوم (ساکن نیکسلا پاکستان) تقریباً چالیس سال سے حمایتِ اہلبیت و دفاعِ مخالفین کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

ہمارے مذہبی اجتماعات میں سرکار محمد و آل محمد کے مراتب عالیہ و کمالاتِ سامیہ کا تعارف قرآن و حدیث اور ولائلِ عقلیہ کے ذریعہ کرایا جاتا ہے جس سے موالیانِ اہلبیتِ عصمت و طہارت کا حلقہٗ عقیدت یوماً فیوماً وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔ کیونکہ ان ذواتِ مقدسہ میں ایسے خصوصی کمالات میں جانب اللہ و دلیعت ہوئے ہیں جو دوسرے رہنماؤں میں نہیں ہیں۔ اس لئے فطری طور پر ان حضرات کی بارگاہِ اقدس میں انسانوں کی گرد نیں جھک جاتی ہیں۔

کیونکہ کمال ایک ایسا فطری جوہر ہے جس کے سامنے عقول اراء روزگار کا سرتسلیم خم کرنا تقاضائے فطرتِ الہی ہے۔

حضرات محمد و آل محمد و سانطہ میں

ہر صحیح العقل انسان کو یہ معلوم ہے کہ خداوندِ عالم بذاتِ خود ہمارے ساتھ مصاحت نہیں کرتا اور نہ ہمیں تعلیم دینے کے لئے ہمارے پاس براہِ راست آتا ہے اور نہ دو بد و ہم سے گفتگو فرماتا ہے۔ کیونکہ یہ تمام طریقے اس کی شانِ احادیث و یکتاں کے لئے محال ہیں:

‘سبحانه و تعالیٰ عما يصفون’

لہذا ہر صحیح الدماغ انسان یہ فیصلہ بھی کرتا ہے کہ وہ اپنے نقش و عجز اور مادیت و جہالت کی انتہائی پستی میں ہے۔ لہذا وہ خود براہِ راست خدائے متعال کی بارگاہِ عظمت و جلالات میں حاضری دے کر فیوض و برکات اور اوامر و نواہی حاصل نہیں کر سکتا۔

لہذا ہمارے اور ذاتِ احادیث کے درمیان و سانطہ (واسطوں) کی ضرورت ہے۔ ان ہی کو جنتۃ اللہ یعنی نبی یا امام کہتے ہیں۔ جناب علامہ مجتبیؒ نے اسی فلسفہ کو بائیں عبارت واضح فرمایا ہے۔

فاحب واقتضى حکمة البالغة ان یعرف خلقه بالتوحید و
یخصوصه به و لم یکن ذلک ممکنا الا بارسال الرسل لما قد
تمهد من کمالعلوہ و نهایة سموہ و انحطاط درجة المکلفین
و جهل و عجزهم فلذ اجل بینه و بین خلقه سفراء یفیض
الیهم من جهة کمالهم و یفیضوا على الخلق من جهة
بشریتهم و مجالستهم لهم۔ (بحار الانوار، جلد ۵، ص ۱۱)

خداوند عالم نے اپنی حکمت بالغہ کے تقاضے کے مطابق پسند فرمایا کہ اپنی مخلوقات کو
معرفت توحید کرائے اور یہ اس کی خصوصی شانِ توحید کو سمجھیں۔ اس مقصد کا حصول رسولوں
کے بغیر ممکن نہ تھا کیونکہ بالتحقیق ثابت ہے کہ وہ کمال بلندی و رفتہ کا مالک ہے جبکہ مکلفین
اپنے جہل و عجز کی انتہائی پستی میں ہیں۔ لہذا اس نے اپنے اور اپنی خلق کے درمیان ایسے
سفراء پیدا کئے جن کو ان کے کمال کی وجہ سے خود فیضیاب کرے اور وہ بشریت اور ہم جنس
ہونے کی حیثیت سے مخلوقات پر فیض کریں۔ اس بیان حق ترجمان سے معلوم ہوا کہ:
یہ سفراء یعنی وسانط (واسطے) یعنی نجح اللہ یعنی نبی و امام و وجوہ کے حامل ہوتے ہیں۔ ایک
جبکہ آتعلق ذات احادیث (خداوند عالم) سے ہوتا ہے اور دوسرے جبکہ آتعلق مخلوقات کے ساتھ۔
ہمارے ساتھ بشریت میں مشارکت رکھتے ہیں تاکہ ہم مانوس رہیں اور زیادہ سے
زیادہ استفادہ کر سکیں۔ یہ جنبہ بشری درحقیقت خداۓ قدوس کے احکام ہمارے پاس پہنچنے کا
وسیلہ ہے۔ بشریت کی وجہ سے ہمیں احکامِ خدا پہنچاتے ہیں۔

یعنی خداوند عالم اپنی مخلوق تک بذات خود نہیں پہنچانا چاہتا تھا اس لئے اس نے نبی و امام
کو جنبہ بشریت عطا فرمایا کہ ہمارے پاس بھیجا اور ان حضرات کے اقوال و افعال کو اپنی طرف
منسوب فرمایا تاکہ بندگانِ خدا ان ذوات مقدسة کی اطاعت یہ سمجھ کر بجالا میں کہ وہ خدا ہی کی
اطاعت کر رہے ہیں۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے:-

مَنْ يُطِعِ الرَّوْسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ۔ (القرآن)

”جو شخص خدا کے سفير کی اطاعت کرے گا اس نے بالتحقیق خدا ہی کی اطاعت کی۔“

لہذا جنبہ بشریت کے لحاظ سے نبی و امام خدا کے فیوضات و احکام اس کے بندوں تک

پہنچانے میں وسیلہ خدا ہیں یعنی خدا نے اپنے بجائے ان کو بھیجا ہے۔

نبوت خرام احمد تا صفات

ولایت رجوع صفت شوئے ذات (بیدل)

دوسرے جنبہ ان حضرات کا روحانی ہے۔ اور وہ اس لئے ہے کہ ہم بذات خود خدا تک پہنچ کر اس کی بارگاہ و عز و جلال سے ہدایت کے فیوض و برکات اور اواامر و نواہی حاصل نہیں کر سکتے کیونکہ ہماری ماڈیت و بشریت مانع ہے کہ ہم براہ راست ذات اقدس سے علم و ہدایت کو اخذ کر سکیں جیسا کہ مشاہدہ ہے کہ ہم نے براہ راست کوئی امر و نہیں خدا سے نہیں لیا ہے۔

ان حضرات کا جنبہ روحانی ہمارے لئے خداوند عالم سے فیوض و برکات اور اواامر و نواہی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ اسی جنبہ کی وجہ سے مخلوقات کے لئے اس کی بارگاہ سے فیوض و برکات اور اواامر و نواہی کے احکامات حاصل کرنے میں وسیلہ مخلوقات ہیں۔ لہذا یہ ذوات مقدسه وسیلہ خدا ہیں۔ فیوض و احکامِ الہی کے پہنچانے میں اور وسیلہ خلق ہیں فیوض و احکام حاصل کرنے میں۔ یعنی خدا نے ان حضرات کو اپنا وسیلہ بنایا ہے اپنے احکام پہنچانے کے لئے اور ہم نے ان کو اپنا وسیلہ بنایا ہے خدا سے احکام حاصل کرنے کے لئے۔ یہ دونوں حیثیتیں ان کی ذاتی ہیں یعنی عارضی اور وقتوی نہیں ہیں۔ جس طرح نوع بشر کے لئے وسیلہ خدا ہونے میں بشریت لازمی ہے اسی طرح خدا سے ہمارے لئے وسیلہ بن کر فیوض و احکام حاصل کرنے میں روحانیت لازمی ہے ورنہ ہمارے لئے وسیلہ نہیں قرار پاسکتے۔

بنی و امام کے لئے رُوحانیت و بشریت جزو لایفک ہیں

ان دونوں جنبوں میں سے کسی ایک جنبہ کی جدائی یعنی کمی سے حقیقت وسیلہ کا معدوم ہوتا اور مقصد وسیلہ کا فوت ہوتا لازم آتے گا، اور اس صورت میں یا نوع بشر سے تعلق قطع ہو جائے گا یا ذاتِ احادیث سے۔

یعنی جنبہ بشریت اگر جدا ہو گیا تو ہمارے ساتھ مصاہبت و مفاہمت و مکالمت نہیں کر سکتے۔ اور اگر جنبہ روحانی جدا ہو گیا تو ہماری طرح خدا سے براہ راست اخذ فیوض و احکام حاصل نہیں کر سکتے۔ اس لئے ان دونوں جنبوں کو عارضی و قوتی سمجھنا قطعاً باطل ہے۔ کیونکہ خالق مخلوق کے

درمیان ایک لمحے کے لئے بھی تعلق قطع نہیں ہو سکتا۔

اس مقصد کو حضرت صادقؑ آل محمدؐ نے یوں بیان فرمایا ہے۔

الحجۃ قبل الخلق و مع الخلق و بعد الخلق

‘یعنی جنت خدا یعنی وسیلہ اسکی خلق سے پہلے موجود ہے اور اس کے ساتھ بھی ہے اور بعد بھی۔

حضرت محمد و آل محمد اول مخلوق اور معلم کائنات ہیں

قال ابو جعفرؑ فنحن اول خلق الله و اول خلق عبد الله و نحن سبب خلق الخلق و سبب تسبیهم و عبادتهم من الملائكة والادميين.

(بخار الانوار)

مفصل حدیث اس کتاب میں پیش ہو گی۔

”حضرت امام محمد باقرؑ نے فرمایا ہم اول مخلوق ہیں اور سب سے اول ہم نے عبادت خدا کی ہے۔ اور ہم سبب پیدائش مخلوقات ہیں اور ہم ہی تمام مخلوقات کی تسبیح و عبادت کا سبب ہیں۔ ہم نے ملائکہ کو بھی تسبیح و عبادت کی تعلیم دی ہے اور اولادِ آدم کو بھی۔ یعنی تمام اقسامِ عوالم کو عبادت و تسبیح ہم نے سکھائی ہے۔“

اسی طرح حضرت امام جعفر الصادقؑ نے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ ہم نے تمام اقسامِ ملائکہ کو تعلیم تسبیح و عبادت دی ہے۔ احادیث کثیرہ اس مضمون پر مشتمل زیر تفسیر آیہ ’اَنَا النَّحْنُ الْمَسْبُحُونُ‘ منقول ہیں جو تفصیلی طور پر اس کتاب میں درج کی جائیں گی۔

لبذا یہ ذوات مقدسه خداۓ قدوس اور جملہ عالمین کے درمیان وسیلہ ہیں اور یہی علت غائی ممکنات اور علت بقاء کائنات ہیں یعنی ان کی وجہ سے خدا نے تمام مخلوقات کو پیدا کیا ہے۔ چونکہ عالم مختلف یعنی عالم لا ہوت و عالم ملکوت و عالم ناسوت و عالم جبروت کے لئے وسیلہ خدا ہیں اس لئے ان حضرات کے لئے مناسباتِ عوالم کی وجہ سے اولیت کے تعبیرات جدا جدا ہیں۔

بھی اول ما خلق الله نوری فرمایا یعنی سب سے اول میر انور مخلوق ہوا۔ اور بھی

اول مَا خلق اللہ روحی فرما یا یعنی سب سے پہلے میری روح خلق ہوئی۔ تعبیرات بخطاط مناسبت جدا جد ایں مگر مخلوق اول بالتحقین نورِ محمد و آل محمد ہی ہے جو لاشے سے خلق ہوا ہے۔ اور اسی لئے اول ہے اور تمام اشیاء کے وجود کی علت ہے، اور اس کے بعد تمام اشیاء کائنات شئے سے شئے بنی ہیں۔

حضرات محمد وآل محمد بر عوالم ہیں

یہی اول مخلوق، حجت اللہ، قبل الخلق و مع الخلق و بعد الخلق ہے، اور یہی روح عالم ہے اور تمام عالم مثل جسد ہے۔ چنانچہ۔
جناب علامہ کاشانی تحریر فرماتے ہیں:-

الحجۃ بمنزلة روح العالم والعالم جسده فکما ان الروح
انما يدبّر الجسد ويتصرّف فيه بما يكون له القوی
الروحانية والجسمانية كذلك الحجۃ يدبّر العالم و
يتصرّف فيه باذن الله بواسطة الاسماء الالھیه التي اودعها
فيه و علمها اياده و رکبها في فطرته فانها منه بمنزلة القوی من
الروح ولھذا تखرب الدار الدنيا بانتقال الحجۃ عنها كما ان
الجسد یُلی و یُفْنی بمفارقة الروح منه.

”حجۃ اللہ (نبی یا ایام) بمنزلہ روح عالم ہے اور عالم اس کے لئے بمنزلہ جسم ہے۔ پس جس طرح روح اپنے جسم کی تدبیر کرتی ہے اور اس پر متصرف ہے اور اپنی روحانی اور جسمانی قوتوں کے ذریعہ، اسی طرح حجۃ اللہ بھی مدبر و متصرف عالم ہے اور یہ تصرف اس کو باذن خدا حاصل ہے۔ اور یہ ان اسمائے الہی کے ذریعہ تصرف کرتا ہے جو خداوند عالم نے اس میں ودیعت فرمادیئے ہیں اور ان کا علم عطا فرمادیا ہے اور اس کی خلقت کے اجزاء بنا دیئے ہیں۔ یہ اسماء الہی جو بخطاط علم اس کے لئے ذاتی اور جزو ترکیب ہیں بمنزلہ قوی ہیں یعنی جس طرح روح کے لئے قوتیں ہیں اسی طرح اسماء الہی اس کے لئے قوتیں ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ دنیا فنا ہو جائے گی جب کہ حجۃ خدا دنیا سے جدا ہو جائے گی، جس طرح روح کی مفارقت سے جسم فنا ہو جاتا ہے۔

اسی مقصد کو حضرت امام جعفر الصادقؑ نے یوں بیان فرمایا ہے:-

قال الصادقؑ نحن والله الا سماء الحسنی لا يقبل الله من العباد عملا الا بمعرفتنا و ذلك لا نهم عليهم وسائل معرفة ذاته و وسائل ظهور صفاتہ سبحانہ.

حضرت امام جعفر الصادقؑ نے فرمایا ہم ہی خدا کے اسمائے حسنی ہیں خداوند عالم کسی بندہ کا عمل ہماری معرفت کے بغیر قبول نہیں کرے گا۔ اس کلام کا مقصد یہ ہے کہ یہی حضرات ذات خدا کے ویلے ہیں اور یہی حضرات ظہور صفات خدا کے وسائل (واسطے) ہیں۔ ان ہی کے ذریعہ صفات خدا کا ظہور ہوتا ہے۔ یعنی وسیلہ معرفت ذات بھی ہیں اور ذریعہ ظہور صفات بھی۔

ان ذات مقدسہ کے مدبر عالم ہونے کا ثبوت حضرت علامہ مجلسیؒ نے حدیث امام جعفر الصادقؑ اور اس کی تحریر فرمایا ہے۔ چنانچہ مرآۃ العقول، جلد اول، ص ۳۷۲ میں ہے۔

عن عبد الله بن سنان عن أبي عبد الله قال سمعته يقول اللهم
صل على محمد صفيك و خليلك ونجيك المدير لا مرک.

هذا یدل على ان له مدخلاتی تدبیرا مورالعالم و ان الملائكة
الموكلین بذلك ماموريں بامرہ.

یعنی امام جعفر الصادقؑ نے اپنے جدہ امجد پر صلوٰۃ میں یہ الفاظ فرمائے کہ یا اللہ رحمت نازل کر اپنے برگزیدہ محمدؐ پر جو تیرے امر کے مدبر ہیں۔ یہ لفظ مدبر اس امر کی دلیل ہے کہ آنحضرتؐ کو امور عالم کی تدبیر میں عملی دخل حاصل ہے کیونکہ وہ ملائکہ جن کی نوکری اور خدمت امور خلق کو انجام دینا ہے وہ سب آپ کے تابع ہیں اور آپ کے حکم کی تعییل کرتے ہیں، لہذا مدبر عالم ہیں۔

مناظرین و مدافعین کی شان میں حدیث رسولؐ

عن رسول الله انه قال اشد من يتم اليتيم الذي انقطع عن امه و ابيه يتم يتيم انقطع عن امامه ولا يقدر على الوصول اليه ولا يدرى كيف حكمه فيما ابتلى به من شرائع دينه الا فمن

کان من شیعتنا عالماً بعلومنا و هذَا الجاھل بشریعتنا
المنقطع عن مشاهدتنا یتیم فی حضرة الافمن هداه وارشدہ
و علمہ شریعتنا کان معنا فی الرفیع الا علی۔ (احجاج، ج ۲)

جتاب رسالتما بُنے ارشاد فرمایا کہ وہ یتیم جو اپنے والدین کی تربیت سے محروم ہو
گیا اس کی تیمی اہم نہیں ہے جتنی تیمی اس یتیم کی ہے جو اپنے امام کے فیوض و برکات سے
محروم ہے اور اپنے امام تک پہنچنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ جسے یہ علم نہیں کہ میں جن شرعی چیزیں کا
مکلف ہوں ان کے بارے میں میرے امام کا فیصلہ کیا ہے؟ یہ بھی یتیم آل محمد ہے۔ آگاہ رہو!
جو شخص ہمارے شیعوں میں سے ہمارے علوم کا عالم ہے یہ ہمارا یتیم اس کی گود میں ہے جو اس
کو ہمارا راستہ دکھائے گا اور ہمارا مرتبہ بتائے گا اور ہماری شریعت سمجھائے گا، وہ ہمارے بلند
درجہ میں ہمارے ساتھ ہو گا۔ (احجاج طبری، ج ۲)

حضرت امیر المؤمنینؑ کا ارشاد مبارک

قال علی ابن ابی طالبؑ من کان من شیعتنا عالماً بشریعتنا
فاخرج ضعفاء شیعتنا من ظلمة جهلهم الی نور العلم الذى
حبونا به جاء يوم القيمة علی راسه تاج من نور يضئى
لجميع اهل العروضات و حلة لا يقوم لا قل سلک فيها الدنيا
بحذا فيرها ثم ينادي منا دیاعباد الله هذَا عالم من تلامذة
بعض علماء آل محمدؐ فمن اخرجه في الدنيا من حيرة جهله
فلیتشبث بنور ليخرجه من حيرة ظلمة هذه العروضات الى نزه الجنان
فيخرج كل من کان علمه في الدنيا خيراً و فتح عن قلبه من
الجهل قفلا او اوضح له عن شبته۔ (احجاج طبری، ج ۲)

حضرت علی ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص ہمارے شیعوں میں سے ہماری شریعت کا عالم
ہو اور ہمارے کم علم شیعوں کو جہالت کی تاریکی سے نکال کر ہمارے عطا کردہ علم کے نور تک
لے جائے تو وہ روز قیامت اس سے شان آئے گا کہ اس کے سر پر ایک ایسا نوری تاج ہو گا

جو تمام اہلِ محشر کو روشن کر دے گا۔ اور ایک ایسا خالہ اُس کے اوپر ہو گا کہ اس کے چھوٹے سے چھوٹے دھاگے کا مقابلہ تمام سرمایہ دنیا نہیں کر سکتا۔ پھر ایک منادی ندا کرے گا کہ اے بندگانِ خدا! یہ وہ عالم ہے کہ جو علماً نے آئلِ محمدؐ کے شاگردوں میں سے ہے۔ لہذا جس شخص کو بھی اس عالم نے جہالت کی حیرانی سے نکلا ہے وہ اس کے نور کے ساتھ لپٹ جائے تاکہ یہ تاریکیِ محشر کی حیرانی سے اس کو نکالے اور جنتِ طیبہ تک پہنچائے۔ اس منادی کی آواز پر وہ لوگ جن کو اس عالم نے نیکی کی تعلیم دی، اور وہ لوگ جن کے قفلِ جہالت اس عالم نے کھولے تھے، اور وہ لوگ جن کے شکوہ و شبہات کو اس عالم نے رفع کیا تھا، ان سب کو یہ عالمِ جنت میں لے جائے گا۔

(احجاج طبری، ص ۲)

قالَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ طَالِبٍ مِنْ قَوْمٍ مُّسْكِنِينَ فِي دِينِهِ ضَعِيفًا فِي
مَعْرِفَتِهِ عَلَى نَاصِبِ مُخَالَفٍ فَافْحَمَهُ لِقَنَهُ اللَّهُ يَوْمَ يَدْلِي فِي
قَبْرِهِ أَنْ يَقُولَ اللَّهُ رَبِّيْ وَ مُحَمَّدًا نَبِيْ وَ عَلَى وَلِيْ وَ الْكَعْبَةِ قَبْلَتِي
وَ الْقُرْآنُ هَجْتِيْ وَ عَدْتِيْ وَ الْمُؤْمِنُونَ أَخْوَانِيْ فَيَقُولُ اللَّهُ أَدْلِيتُ
بِالْحَجَّةِ قَوْجَبْتُ لَكَ أَعْلَى درجات الجنة فعند ذالك
يتحول عليه قبره انزه رياض الجنة.

(احجاج طبری، ص ۲)

حضرت علیٰ ابن ابی طالبؑ نے فرمایا کہ جو شخص ہمارے اس شیعہ کو جو باپنے دینی امور میں محتاج ہے اور معرفت میں کمزور ہے، ہمارے مخالف کے مقابلہ میں اس کو علمی اور دینی امداد پہنچا کر ہمارے مخالف کا منہ بند کرے، تو اس کو قبر میں اُتارے جانے کے دن خود خدا یہ تلقین کرے گا کہ کبھو خدا میرا رب ہے، محمد میرے نبی ہیں، علیٰ میرے ولی ہیں، کعبہ میرا قبلہ ہے، قرآن میری روحانی مسرت اور میرا زادراہ ہے اور مومنین میرے بھائی ہیں۔ اس کے بعد خدا فرمائے گا کہ تو نے میرے کم علم بندہ کی دلیل وجہت کے ذریعہ دکی تھی اس لئے جنت کے علی درجات تیرے لئے واجب ہیں۔ پس فوراً اسکی قبر بہترین باغاتِ جنت کی شکل میں بدل جائے گی۔

حضرت خاتونِ قیامت کا ارشاد

قالَتْ فَاطِمَةُ وَ قَدْ اخْتَصَمَ الْيَهَا امْرَأَتَنَ فَتَنَازَعَتْ فِي شُيُّ منْ

امرالدین احدهما معاندة والآخری مؤمنة ففتحت على المُؤمنة حجتها فاستظهرت على المعاندة ففرحت فرحاً شدیداً افقالت فاطمة ان فرح الملائكة باستظهارك عليها اشد من فرحك و ان حزن الشیطون و مردته بجزنها عنك اشد من حزنها و ان الله عزوجل قال للملائكة اوجبو الفاطمة بما فتحت على هذه المسکينة الاسيرة من الجنان الف الف ضعف مما كنت اعددت لها واجعلوا بهذه سنة في كل من يفتح على اسیر مسکین فیغلب معانداً مثل الف الف ما كان له معد امن الجنان.

(احتیاج طبری، ج ۲)

”جناب سیدہ بی بی فاطمہ“ نے فرمایا کہ دو عورتیں میرے پاس ایک دینی مسئلہ میں مناظرہ کرتی ہوئی آئیں۔ ایک ان میں ہماری مخالف تھی اور دوسری مومنہ۔ میں نے مومنہ کی مدد کی اور اس کو ثبوت اور دلیل بتادی جس کی وجہ سے وہ مخالف پر غالب آگئی اور وہ بہت خوش اور مسرور ہوئی۔ جناب سیدہ نے فرمایا کہ تیری اس فتح پر تجھ سے زیادہ ملائکہ خوش ہو رہے ہیں، اور شیطان اور اس کا شکر اس معاندہ کے حزن سے بھی زیادہ محبوں ہو رہا ہے۔ اور خدا نے فرشتوں کو حکم دیا ہے کہ اس کم علم گرفتار شدہ عورت کو فاطمہ نے مناظرہ میں کامیاب کرایا ہے اس کے بدلہ میں ہم نے فاطمہ کے لئے جو درجات جنت مہیا کئے ہوئے تھے ان میں ہزار درہزار اضافہ کر دو۔ اور یہ ہماری سنت قرار دے دو کہ جو شخص گرفتار شدہ کم علم کی مناظرہ میں مدد کر کے مخالف کو شکست دے گا اس کے لئے بھی جنت میں جو کچھ ہم نے مہیا کیا ہے اس میں ہزار درہزار درجہ اضافہ کیا جائے گا۔

(احتیاج طبری، ج ۲)

حضرت امام حسنؑ کا ارشاد

قال الحسن بن علی بن ابی طالب و قد حمل اليه رجل هدية فقال له ايما احب اليك ان ارد عليك بدلها عشرين ضعفاً عشرين ضعفاً عشرين ضعفاً يعني عشرين الف درهم او افتح

لک ببابا من العلم تکہر فلا ناصبی فی قریتک تنفذ به
 ضعفاء اهل قریتک ان احسنت الاختیار جمعت لک
 الامرين وان اسات الاختیار خیر تک لنا خذایهمما شئت
 فقال يا بن رسول الله فتوابي في قهرى لذلك الناصب و
 استنقاذى لا ولنک الضعفاء من يده قدره عشرون الف
 درهم قال بل اکثر من الدنيا عشرين الف الف مرة قال يا بن
 رسول الله فكيف اختيار الا دون بل اختيار الا فضل الكلمة
 التي اقهر بها عدو الله واذوده عن اولیائه فقال الحسن بن
 علي قد احسنت الاختیار و علمه الكلمة واعطاه عشرين
 الف درهم فذهب فافهم الرجل فاتصل خبره به فقال له
 اذا حضره يا عبد الله مارئج احد مثل ربحك و واكتسب
 احد من الاوداء ما اكتسبت ، اكتسبت مؤدة الله او لا مؤدة
 محمد و على ثانيا و مؤدة الطيبين من الهمما ثالثا و مودة
 الملائكة المقربين رابعا و مودة اخوانك المؤمنين خامسا
 واكتسبت بعده كل مومن و كافر ما هو افضل من الدنيا الف
 مرة فهنيأ لك هنيأ .
 (احتاج طرسی، ص ۲)

حضرت امام حسن نے فرمایا جبکہ حضرت کی خدمت میں ایک شخص کچھ ہدیہ لے کر
 حاضر ہوا تھا کہ اے شخص اگر میں تیرے اس ہدیہ کا میں گنا، میں گنا، میں گنا بدل تجھے واپس
 کر دوں یعنی میں ہزار درهم تجھے دے دوں تو کیا یہ زیادہ پسند ہے یا اس کے بجائے تیرے
 لئے علم کا ایک ایسا باب واضح کر دوں کہ تو اس کے ذریعہ اپنی بستی کے فلاں ناصبی پر غالب آ
 جائے اور اپنی بستی کے کم علم لوگوں کو اسکے ذریعہ اس ناصبی کے پھنسنے سے نکالے۔ اگر تو
 نے اچھی چیز پسند کی تو میں تجھے دونوں چیزیں دے دوں گا، اور اگر پست چیز پسند کی تو تجھے
 اختیار دیتا ہوں کہ ان دونوں میں سے ایک چیز اپنی خواہش کے مطابق چن لے۔ اس نے
 عرض کی یا بن رسول اللہ۔ کیا میراثواب اس ناصبی پر غلبہ حاصل کرنے اور کم علم لوگوں کو اس

ناصی کے پھندے سے نکالنے کا صرف بیس ہزار درہم کی برابر ہے۔ حضرت نے فرمائیں بلکہ اس کا ثواب اس دنیا کے مقابلہ میں بھی زیادہ ہے۔ اس نے عرض کی یا بن رسول اللہ پھر میں افضل کے مقابلہ میں پست چیز کو کس طرح پسند کر سکتا ہوں۔ مجھے آپ وہ بات بتا دیجے جس کے ذریعہ میں دشمن خدا پر غالب رہوں اور خدا کے بندوں کو چھڑانے کے لئے اس دشمن کا دفاع کروں حضرت نے فرمایا اے شخص تو نے اچھی چیز پسند کی ہے۔ پھر حضرت نے اس کو وہ علمی بات سکھائی اور بیس ہزار درہم بھی عطا فرمائے۔ پس وہ شخص چلا گیا۔ اس نے ناصی سے مقابلہ کیا اور اس کا منہ بند کر دیا۔ حضرت کو جب اس واقعہ کی خبر ملی اور وہ شخص حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت نے فرمایا کہ بندہ خدا تو نے جو نفع حاصل کیا ہے اس جیسا نفع کسی کو نہیں ملا اور ہمارے دوستوں میں سے کسی کو یہ موقع نصیب نہیں ہوا جو تجھ کو حاصل ہو گیا۔ اذل تو نے خدا کی محبت حاصل کی۔ ثانیاً محمد علی کی محبت حاصل کی۔ ثالثاً ان حضرات کی اولاد کی محبت حاصل کی۔ رابعاً ملائکہ مقریبین کی محبت حاصل کی اور خامساً اپنے برادرانِ ایمانی کی محبت حاصل کی۔ تو نے مومن و کافر کی تعداد کے مطابق اس دنیا سے ہزرہار درجہ افضل مرتبہ حاصل کر لیا۔ پس تجھے مبارک ہو اور پھر مبارک ہو۔

حضرت امام حسینؑ کا ارشاد

قال الحسين بن عليٰ فضل كافل يتيم الٰ محمد المنقطع عن
مواليه الناشر فى رتبة الجهل يخرجه من جهله و يوضح له
ما اشتبه عليه عليٰ فضل كافل يتيم يطعمه و يستعينه كفضل
الشمس علىٰ السبها.
(احجاج طبری، ج ۲)

حضرت امام حسینؑ نے فرمایا ہے کہ جو شخص آل محمدؐ کے اس شیعہ کی خبر گیری کرے جو درحقیقت اپنے آقاوں سے جدائی کی وجہ سے یتیم ہے اور جہالت میں پڑا ہوا ہے اس کو جہالت سے نکالے اور جو اس کے دل پر شک و شبہ ہے اس کو نکال کر مسئلہ کو واضح کرے، تو اس کی فضیلت اس یتیم کی خبر گیری کے مقابلہ میں جس کو کھانے سے سیر و سیراب کیا جائے

مشل آفتاب کے ہے ستاروں کے مقابلہ میں۔
(احتجاج طبری، ص ۲)

قال الحسين بن عليٰ من كفل لنا يتيمًا قطعه عنا مختبا باستارنا فواسياه
من علومنا التي سقطت اليه حتى ارشده و هداه قال قال الله عزوجل
ايهما العبد الکريم المواسى لا خيه انا اولى بالکرم منك اجعلو
يا ملائكتى في الجنان بعد دكل حرف علمه الف الف قصر و
صَمُوا إلَيْهَا مَا يُلِيقُ بِهَا مِنْ سَائِرِ النَّعِيمِ.
(احتجاج طبری، ص ۲)

حضرت امام حسین نے فرمایا ہے کہ جو شخص ہمارے اس شیعہ کی جو ہم سے جدا تی کی وجہ سے ہمارا یتیم ہے اور ہم امتحانِ خداوندی کی وجہ سے اس سے پوشیدہ ہیں، ہمدردی کر کے ہمارے علوم میں سے جو کچھ اس کو حاصل ہو چکے ہیں، کچھ علم دے گا اور اس کو صحیح راستہ بتائے گا اور اس کو حق دکھائے گا تو خدا اس سے یوں فرمائے گا میرے سخنی بندے! اپنے بھائی سے ہمدردی کرنے والے بندے! میں تجھ سے زیادہ سخاوت کا مالک ہوں۔ اے ملائکہ اس بندہ نے یتیم علم کو تعییم دی ہے اس کے ایک ایک حرف کے بدالے جنت میں ہزار ہزار قصر و محل اس کے لئے مقرر کر دو اور جو نعمتیں ان محلاتِ جنت کے لئے موزوں ہیں ان کا اضافہ کر دو۔
(احتجاج طبری، ص ۲)

حضرت امام زین العابدینؑ کا ارشاد

قال علي ابن الحسين ان اهل زمان غيبة القائلين با مامته
والمنتظرین بظهوره افضل اهل كل زمان لأن الله تعالى
ذكره اعطاهم من العقول والا فهام والمعرفة ما صارت به
الغيبة عندهم بمنزلة المشاهدة وجعلهم في ذالك
الزمان بمنزلة المجاهدين بين يدي رسول الله بالسيف
أولئك هم المخلصون حقا و شيعتنا حقاً والدعاة إلى دين
الله سرًا وجهرًا.
(احتجاج طبری، ص ۱۶۳)

حضرت امام زین العابدینؑ نے فرمایا کہ جو ہمارے زمانہ نسبت کے شیعہ ہیں اور عقیدہ

امامت پر قائم ہیں اور امام کے ظہور کے منتظر ہیں وہ ہر زمانے والوں سے افضل ہیں۔ کیونکہ خدا و ند عالم نے ان کو ایسی عقل اور ایسا فہم اور ایسی معرفت عطا فرمائی ہے کہ جس کی وجہ سے غیبت بمنزلہ مشاہدہ ہو گئی ہے اور ان کو خدا نے ان مجاهدین کا درجہ عطا کیا ہے جو رسول اللہ کے ساتھ شامل ہو کر مجاهدین کہلاتے تھے۔ یہی ہمارے مخلص دوست اور برحق شیعہ ہیں اور یہی ہیں جو دینِ خدا کی دعوت دیتے ہیں۔ علائی طور پر بھی اور چھپ چھپ کر بھی۔ (احجاج طبری، ج ۱۶۲)

حضرت امام محمد باقرؑ کا ارشاد

قالَ مُحَمَّدُ بْنُ عَلَى الْبَاقِرِ عَالَمٍ كَمَنْ مَعَهُ شَمْعَةً تَضَيِّنِي فَكُلْ
مِنَ الْبَصَرِ شَمِعْتَهُ دُعَالَهُ بِخَيْرٍ كَذَلِكَ الْعَالَمُ مَعَهُ شَمِعْتَهُ
تَزَينَ ظُلْمَةَ الْجَهَلِ وَالْحِيرَةَ فَكُلْ مِنْ أَضَائَتْ لَهُ فَخَرَجَ بِهَا مِنْ
حِيرَةَ اُونِجَابِهَا مِنْ جَهَلٍ فَهُوَ مِنْ عَتْقَانِهِ مِنَ النَّارِ وَ اللَّهُ يَعْوِظُهُ
عَنْ ذَالِكَ بِكُلِّ شِعْرٍ لِمَنْ عَنْقَهُ مَا هُوَ أَفْضَلُ لَهُ مِنَ الصَّدَقَةِ
بِمَائَةِ الْفِ قَنْطَارٍ عَلَى الْوِجْهِ الَّذِي أَمْرَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ بِهِ بِلْ تِلْكَ
الصَّدَقَةِ وَبِالْأَلْ عَلَى صَاحِبِهَا لَكُنْ يَعْتَبِهَا اللَّهُ مَا هُوَ أَفْضَلُ مِنْ مَاءَ
الْفِ رَكْعَةٍ يَصْلِيْهَا مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ الْكَعْبَةَ۔ (احجاج طبری، ج ۳)

حضرت امام محمد باقرؑ نے فرمایا ہے کہ عالم مثل اس شخص کے ہے کہ جس کے پاس شمع روشن ہوتی ہے اور اس کی روشنی سے جو لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں وہ اس کے لئے دعاۓ خیر کرتے ہیں۔ اسی طرح عالم کے پاس ایک ایسی شمع روشن ہے جس سے جہالت و حیرت کی تاریکی دور ہوتی ہے۔ پس جس شخص کو یہ شمع علم فائدہ پہنچائے گی اور وہ اس کی وجہ سے حیرت اور جہالت سے نجات پائے گا تو وہ شخص اس عالم کے ان آزاد کردہ لوگوں میں سے ہو گا جو جہنم سے آزاد کئے گئے، اور خدا و ند عالم اس عالم کو اس کے آزاد کردہ لوگوں کے ایک ایک بال کے مقابلہ میں ایک ایک لاکھ سونے کے تھیلے جو خدا کے حکم کے مطابق خیرات کے جائیں، اس سے افضل ثواب دے گا۔ بلکہ مال تو صاحبِ مال کے لئے و بال بن جاتا ہے مگر خدا اس کو ایک ایک بال کے مقابلہ میں اسے ایک لاکھ رکعت کے ثواب سے زیادہ عطا کرے گا جو کعبہ میں پڑھی جائیں۔ (احجاج طبری، ج ۳)

حضرت امام جعفر الصادقؑ کا ارشاد

قال جعفر بن محمد الصادقؑ علماء شيعتنا مرا بطنون في الشعر
الذى يلى ابليس وو عفاريته يمنعون عن الخروج على
ضعفاء شيعتنا و عن ان يتسلط عليهم ابليس و شيعته
والنواصب الا فمن انتصب لذلك من شيعتنا كان افضل ممن
جاها داروم والترك الخزر الف الف مرة لانه يدفع عن
اديان محبينا و ذلك يدفع عن ابدائهم. (احجاج طرسی، ص ۲)

”حضرت امام جعفر الصادقؑ نے فرمایا ہے کہ علمائے شیعہ ایسی سرحدوں پر مورچے^{لگائے} ہوئے ہیں جہاں ابليس اور اس کے طاقت و لشکر مقابلہ میں کھڑے ہیں۔ یہ ہمارے
علمائے شیعہ اس لشکر شیطان کو کم علم شیعوں پر حملہ کرنے سے روکتے ہیں اور ابليس اور اس کے
ہمزاوں اور ہمارے دشمن ناصبیوں کا دفاع کرتے ہیں۔ یاد رکھو جو شخص یہ خدمت انجام دے
گا اور ہمارے دشمنوں کے دفاع پر کمر بستہ رہے گا وہ مجاہدین روم و ترک و خزر سے دس لاکھ
درجہ افضل ہے کیونکہ یہ شخص ہمارے شیعوں کے دین کی حفاظت کے لئے دفاع کرتا ہے اور
وہ لوگوں کے بدن کو بچانے کے لئے دفاع کرتے ہیں۔“ (احجاج طرسی، ص ۲)

حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کا ارشاد

قال موسیٰ بن جعفرؑ فقيه واحد ينقذ يتيما من آيتا منا
المتقطعين عما و عن مشاهدتنا بتعليم ما هو محتاج اليه
اشد على ابليس من الف عابد لأن العابد همه ذات نفسه
فقط وهذا اهمه مع ذات نفسه و ذوات عباد الله و امانه
لينقذهم من يد ابليس و مروته فلذاك هو افضل
عند الله من الف عابد و الف الف عابده. (احجاج طرسی، ص ۲)

”حضرت امام موسیٰ کاظمؑ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہمارے دین کا جانے والا ایک ایسا شخص
جو ہمارے ان شیعہ قیمتوں میں سے جو تم سے جدا ہیں اور ہماری زیارت سے محروم ہیں، صرف
ایک قیمتوں کی دینی ضرورت کو پورا کرے گا تو وہ ابليس پر ہزار عابدوں سے زیادہ وزنی ہے۔ کیونکہ

عبد کی محنت صرف اپنی ذات کو فائدہ پہنچانے کے لئے ہوتی ہے۔ اور اس عالم کی محنت اپنی ذات کے علاوہ خدا کے بندوں اور اس کی کنیزوں کو بھی فائدہ پہنچانے کے لئے ہوتی ہے۔ عالم کا مقصد ان مردوں اور عورتوں کو بلیس اور اس کے لشکر کے پھندے سے نکالنا ہے۔ اسی لئے یہ عالم خدا کے نزدیک ہزار عابدوں اور ہزار درہزار عابدہ عورتوں سے افضل ہے۔” (احجاج طبری، ج ۲)

حضرت امام رضاؑ کا ارشاد

قال علی ابن موسی الرضاؑ يقال للعابدين القيمة نعم
الرجل كنت همتک ذات نفسك و كفية مؤنتك فادخل
الجنة الا ان الفقيه من افاض على الناس خيره وانفذهم من
اعدائهم و وفر عليهم نعم جنان الله تعالى و حصل لهم
رضوان الله تعالى و يقال للفقيه يا ايها الكاف لا يتام آل
محمد الهادي لضعفاء محبتهم و موالיהם قف حتى تشع
لكل من اخذ عنك او تعلم منك فيقف فيدخل الجنة معه
فياما فياما وفيما ماحتى قال عشراتهم الذين اخذوا عنده علومه
واخذوا عنمن اخذوا عنده و عنمن اخذ عنمن اخذ عنه الى
يوم القيمة فانظرواكم فرق بين المترسلتين۔ (احجاج طبری، ج ۲)

”حضرت امام رضاؑ نے ارشاد فرمایا ہے کہ عابد کے لئے روزِ قیامت کہا جائے گا کہ تم بہترین مرد ہو کر تم نے اپنے کو سنوارا، اور اپنی دینی ضرورت کو پورا کیا۔ لہذا آج جنت میں داخل ہو جاؤ۔ مگر ہمارے علوم کا جانے والا اس شان کا ہے کہ اس نے لوگوں کو اپنے فیض علم سے سیراب کیا ہے اور دشمنانِ اہلیت کے پھندوں سے بچایا اور نعماتِ جنت کو شیعوں کے لئے وافر کر دیا ہے اور خدا کی خوشنودی کا حصول کر دیا ہے۔“

اس علومِ اہلیت کے جانے والے کے لئے آواز آئے گی کہ اے یتیمان آل محمد (دُوراز امام) شیعوں کی خبر گیری کرنے والے اور اہلیت کے دوستوں اور موالیوں کو حق و صداقت کا سبق دینے والے عالم! میدانِ محشر میں اس جگہ رُک جا، ذرا انہر جا، اور ان موئین کی

شفاعت کر جنہوں نے تجھ سے حق یا علم حاصل کیا ہے۔ پس وہ کھڑا ہو جائے گا اور اپنے ساتھ جنت میں بڑے بڑے گروہوں کو داخل کرے گا۔ حضرت نے یہ کلمات دس مرتبہ فرمائے یعنی 'بڑے بڑے گروہ' اور یہ وہ مونین ہیں کہ جنہوں نے اُس سے علومِ اہلیت حاصل کئے ہیں، اور وہ مونین جنہوں نے ان حاصل کرنے والوں سے حاصل کئے، اور وہ مونین جنہوں نے ان تیسرے سے حاصل کئے، اور اسی طرح وہ مونین جنہوں نے ان چوتھے حاصل کرنے والوں سے حاصل کئے۔ یہاں تک کہ قیامت تک یکے بعد دیگرے جنہوں نے علومِ اہلیت حاصل کئے ان سب کو وہ عالمِ جنت میں لے جائے گا۔ پس اے لوگو! دیکھو، عالم اور عابد کے مرتبہ میں کتنا فرق ہے۔
(احجاج طبری، ج ۲)

علم و معرفت عطا یہ خدا ہے

قرآن و ارشاداتِ مخصوصین سے ثابت ہے کہ علم کتابوں سے حاصل نہیں ہوتا اور نہ کثرتِ تعلیم و تعلم اس کا سبب ہے۔ بلکہ یہ ایک نور ہے جو خدا کی طرف سے عطا ہوتا ہے، اور وہ جس کے دل میں چاہتا ہے خود داخل کر دیتا ہے۔

بڑے بڑے رازی و غزالی گزر گئے جن کے دل میں ولایت کی روشنی ایک مردِ موسمن کے مقابلہ میں نہایت ہی نظر آتی ہے۔ اور مردِ موسمن کی زبان کٹ جانے اور پھانسی پر لٹک جانے کے باوجود اس کا ایمان کم نہیں ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب خدا کی طرف سے نورِ معرفت عطا ہوتا ہے تو موسمن کا دل صاف و شفاف ہو جاتا ہے، اور تاریکی کے پردے ہٹ جاتے ہیں، اور جس قدر ایمان بڑھتا جاتا ہے اتنے ہی پردے ہٹتے جاتے ہیں۔
چنانچہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:-

الله ولی الذين امنوا يخرجهم من الظلمات الى النور.

"یعنی اللہ مونین کا ولی (سرپرست) ہے۔ ان کو تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے جاتا ہے۔"

لہذا کتابیں لاد لینے سے ایمان حاصل نہیں ہوتا۔ اس کے لئے تزکیہ نفس اور ریاضت کی ضرورت ہے۔ اور یہ علم و معرفت، عشق و محبت سے پیدا ہوتا ہے۔ اسی لئے علمِ حقیقی نے فنون

اور علوم میں فرق بتایا ہے۔ کتابوں سے فنون مل سکتے ہیں، مگر علومِ حقیقی مُحَمَّد وآل مُحَمَّد سے لوگانے سے ہی ملیں گے، اور جو لوگ ان ذاتی مقدسے کے لئے اپنا جیسا بشر اور اپنی نوع اور اپنی جنس و فصل کے معتقد ہو چکے ہیں، وہاں فن ہی فن نظر آئے گا، علم و معرفت سے دور کا بھی لگاؤ نہ ہو گا۔

محمد و آل محمد کا تصور تو توحید

ہم نے خدا کی معرفت بطریق برہان اپنی حاصل کی ہے۔ یعنی ہم نے اثر کو دیکھ کر مؤثر کو پہچانا ہے اور مصنوع کے ذریعہ صانع کی شناخت کی ہے، اور مخلوق کے مشاہدہ سے خالق کی معرفت حاصل کی ہے اور معلول کو دیکھ کر علت کو پہچانا ہے۔ ہم نے ارض و سماء، شمس و قمر، بحر و برد دیکھے اور ان کے ذریعہ سے ان کے خالق کی معرفت حاصل کی ہے۔ مگر اس کا کیا ثبوت ہے کہ ان کا خالق بلا واسطہ و بلا ذریعہ یعنی براہ راست خدا ہے جبکہ یہ ممکن ہے کہ اس ذاتِ قدیر نے اولاً ایک ایسی ہستی کو پیدا کر دیا ہو کہ وہ دیگر مخلوقات کے خلق کا ذریعہ قرار پائی ہو۔ کیونکہ کلام معصومین بلکہ قرآن مجید میں غیر خدا کی طرف خلق و رزق و امانت و احیاء کی نسبت ثابت ہے جیسا کہ آئندہ بیان ہو گا۔

لہذا ہمارا تصور تو توحید معلول کے ذریعہ علت کا تصور ہے۔ مخلوق کے ذریعہ خالق کا تصور ہے۔ اثر کے ذریعہ مؤثر کا تصور ہے۔ مگر محمد وآل محمد کی خلقت اولیٰ پر نظر کرتے ہوئے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ان کا تصور تو توحید و معرفت کسی غیر خدا کے ذریعہ نہیں ہے۔ کیونکہ جو بھی اول مخلوق ہو گا اس سے پیشتر کوئی دوسرا مخلوق نہ ہو گا جس کے ذریعہ مخلوق اول اپنے خالق کا تصور حاصل کرے۔ نہ زمین، نہ آسمان، نہ جنت، نہ دوزخ، نہ عرش، نہ فرش، نہ شمس و قمر، نہ بحر و برد، نہ عالم علوی نہ عالم سفلی، نہ عالمِ ملکوت، نہ عالمِ لا ہوت، نہ عالمِ ناسوت کوئی عالم نہیں ہے۔ صرف ایک خالق ہے اور یہ پہلا مخلوق ہے۔ پھر اس اول مخلوق نے کس ذریعہ سے خدا کو پہچانا، اور اس کے لئے دلیل معرفت خدا کیا چیز تھی جبکہ اس کے سوا کوئی غیر خدا نہیں ہے۔

جواب امیر المؤمنین کے ارشاد کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ حضرت کا ارشاد ہے:

یا من دل علیٰ ذاته بذاته‘

”یعنی اے وہ ہستی جس نے اپنی ذات کی رہنمائی کی اپنی ہی ذات کے ذریعہ۔“

اور ارشادات معصومین میں یہ تخصیص بھی ثابت ہے کہ خدا کی معرفت صرف ہمارے ہی ذریعہ سے ہوئی ہے جیسا کہ کلام حضرات معصومین میں ہے:

‘بِنَا عُرِفَ اللَّهُ’

”یعنی ہمارے ہی ذریعہ سے خدا کی معرفت ہوئی ہے۔“

یعنی تمام کائنات کی معرفت کا سلسلہ ہماری ذات تک منتہی ہوتا ہے اور ہماری معرفت بلا وسیله غیر ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں آیہ ’اَنَا النَّحْنُ الْمَسْبُحُونَ وَ اَنَا لَنْحِنَ الصَّافُونَ‘ ہمارے مقصد کی دلیل واضح ہے۔ اب جس مومن کا ایمان اس درجہ پر فائز ہو کہ اس کے بار کو ایک مولوی پرلا دیا جائے جو محمد و آل محمد کو اپنی نوع سمجھتا ہو اور ان کے لئے بھی غیر خدا کو ذریعہ معرفت سمجھتا ہو، اور خلقت اولیہ نوریہ کا منکر ہو یا اس کو فنا سمجھتا ہو، اور صرف بشری شکل میں دیکھ رہا ہو، اور اپنی نوع کے افراد سمجھ کر ایمان لایا ہو۔ تو ایسے ملائیں طاقت برداشت نہیں ہے۔ وہ گھبرا اٹھنے کا اور گرد و پیش پر نظر کر کے شرک و کفر کے نعرے لگانے گا۔ کیونکہ اس بے چارے کی نظر صرف عالم اجسام پر ہے۔

عالم انوار اور عالم ارواح کا تصور اس کی عقلی پرواہ سے بالاتر ہے۔ وہ ہیا کل بشریہ کو دیکھتا ہے مگر ارواح طیبہ سے غافل ہے۔ اس کو یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ محمد و آل محمد صرف ہیکل بشریہ کا نام نہیں ہے اور وہ بے چارہ آدم کی پیدائش سے پیشتر کی خلقت کا عالم ہی نہیں رہا ہے۔

اس کو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ بشری شکل میں ان ذوات مقدسه کو صرف ہماری ہدایت کی غرض سے مبسوٹ کیا گیا ہے تاکہ ہم مانوس ہو سکیں اور فیوض و برکات حاصل کر سکیں۔ اگر خدا فرشتہ کو بھی بھیجتا تو اسی شکل بشری میں اسی صورت و ہیکل میں بھیجتا۔ لیکن جن انوار طیبہ اور ارواح قدیسیہ کے ذریعہ یہ حضرات مبداء فیض سے یعنی ذات و اجب الوجود سے خود فیوض و برکات حاصل کرتے ہیں اس پر غور کرنے سے اس کی نظر قاصر ہے۔ وہ ایک جنبہ کو دیکھتا ہے اور دوسرے کو نہیں دیکھتا جن کے مجموعہ کے بعد ان کی نوع جدا گانہ ہے۔

اور اس کو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ ان کی ولادت اور اجسام طاہرہ کے انتظامات جدا گانہ ہیں۔ اور ان اجسام کے لئے مواد بھی جدا گانہ ہیں جن سے ان کے اجسام کی بنیاد پڑی ہے۔

جیسا کہ ان ذواتِ قدیسہ کے ارشادات سے ثابت ہے۔

درحقیقت نہ تو مفترض نے کلامِ معصومین ہی کو سمجھا ہے اور نہ نوع کے معنی ہی کو جانا ہے۔ کلامِ معصوم صعب و مستصعب ہے بذاته مشکل ہے اور اس کا سمجھنا بھی مشکل ہے۔ ہر شخص اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اس کی نظر فرزندِ عبداللہ اور پسرِ آمنہ پر ہے مگر خلقتِ نورانی کو نظر انداز کرچکا ہے۔ جو آدم کی پیدائش کا سبب ہے۔

اس شخص سے کوئی پوچھئے کہ جب غرض خلقتِ محمد وآل محمد ہی جدا گانہ ہے تو پھر تیری اور ان حضرات کی نوع کس طرح سو فیصد ایک ہی ہو سکتی ہے؟ تو پیدا ہوا ہے معرفتِ خدا حاصل کرنے اور طریقِ عبادت سیکھنے کے لئے۔ اور وہ پیدا ہوئے ہیں معرفتِ خدا کا درس دینے اور عبادت کھانے کے لئے۔ تجھ میں ہدایت لینے کی قابلیت وی گئی ہے اور ان حضرات کو ہدایت دینے کی صلاحیت عطا ہوئی ہے۔ تو اپنی غرض خلقت کے مطابق پیدا کیا گیا ہے اور وہ اپنی غرض خلقت کے مطابق۔ اگر دونوں کی غرض خلقت ایک ہے تو پھر خدا سے شکوہ کیوں نہیں کرتا کہ اس نے تجھے نبی کیوں نہ بنایا، یا الامامت کا درجہ کیوں نہیں دیا۔ جبکہ تیری اور ان کی نوع سو فیصد ایک ہے، تجھ پر کیوں ظلم کیا گیا کہ تجھے درجہ نبوت و امامت سے محروم کر دیا گیا۔ کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ خدا نے تجھے اور محمد وآل محمد کو یہاں پیدا کیا پھر تجربہ حاصل کر کے ان کو نبی اور تجھے امت، ان کو امام اور تجھے ماموم بنادیا۔

یا وہ ذات احادیث پیدائش سے پہلے غرض خلقت کی عالم ہے اور اسی کے مطابق بنایا ہے جو نبی ہے وہ پیدائش ہی میں نبی ہے۔ جو امام ہے وہ پیدائش ہی میں امام ہے اور اظہار نبوت و امامت مطابقِ مصلحت وقت و ماحول ہوتا ہے۔ کیا تو بھی بشرطِ العدوہ یا بشرطِ الامامت پیدا کیا گیا ہے؟ اگر ایسا نہیں ہے اور ہرگز نہیں ہے تو پھر محمد وآل محمد کو اپنی نوع میں کیوں داخل کرتا ہے۔

معیجہ کلام

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ ذات و صفاتِ خدا کی حد بندی حال ہے اور ہر شخص اپنی عقل کے مطابق اس کی معرفت رکھتا ہے اور وہ اس لئے موجود ہے کہ اپنے تصورِ توحید میں کسی

کو شریک نہیں کرتا ہے اور نہ اس جیسا کسی کو قرار دیتا ہے۔ الہذا وہ کفروشک سے محفوظ ہے۔
مگر یہ تصور تو حید اس کی عقل کی حد ہے، ذات و صفات خدا کی حد نہیں ہے۔

محمد و آل محمدؐ کے تمام کمالات عطیہ خدا ہیں، اور زائد بر ذات ہیں۔ خدا نے سب سے پہلے ان کا وجود نوری خلق کیا اور ان ہی کو اپنے تمام کمالات کا مظہر بنایا تا کہ یہ ذوات مقدسہ خدا کے کمالاتِ ذاتیہ کی معرفت کا ذریعہ قرار پائیں اور ان ہی کے ذریعہ معرفتِ خدا حاصل ہو۔ خدا کے علم کا اظہار ان کے علم کے ذریعہ اور خدا کی قدرت کا اظہار ان کی قدرت کے ذریعہ ہو، اور خدا کے صفات، فعل کی معرفت ان کے افعال کے ذریعہ نمایاں ہو۔

یعنی ان حضرات کے کمالات کے ذریعہ خدا کے کمالات کی عظمت کا علم ہو سکے۔ اور یہ حضرات اپنے کمالات ظاہر کر کے اپنی عبدیت اور اپنی احتیاج الی اللہ اور اپنا فقر الی اللہ دکھا کر شانِ مبعود کی جلالت و عظمت کا تصور کرائیں۔ جو مومن اس ایمانی درجہ پر فائز ہو گا، وہ مومن برجی موسمن ہو گا اور جو ملائیے موسمن کے لئے کفروشک کے شہر کا اظہار کرے وہ کفروشک کی حدود سے جاہل اور درجاتِ ایمان سے غافل ہے۔ (اقتباس از پفلٹ معرفت محمد و آل محمدؐ)

خطبہ حضرت امام رضا در باب توحید

حضرت امام رضاؑ نے یہ خطبہ توحید اس وقت ارشاد فرمایا ہے جب مامون آپؑ کو ولی عہد بنانا چاہتا تھا، اور اس وقت اس کے اعزاء اور قرباء مختلفت کر رہے تھے اور (معاذ اللہ) حضرت میں عدم قابلیت کا اظہار کر رہے تھے تو آپؑ کو مامون نے بلوایا۔ آپؑ تشریف لائے اور آپؑ کے رشتہ داروں نے حضرت سے کہا کہ ہم چاہتے ہیں آپؑ منبر پر تشریف لے جائیے اور خدا کی ایسی معرفت بیان کیجئے کہ جس کے ذریعہ ہم اس کی عبادت کریں۔ حضرت نے بالائے منبر تشریف لے جا کر کچھ توقف فرمایا کہ سرخمیدہ ہو کر پھر سر بلند فرمایا کہ حمد و شانے الہی اور درود الہی اور درود وسلام کے بعد ارشاد فرمایا:

”اول بندگی خدا اس کی معرفت ہے اور اصل معرفتِ خدا توحید ہے، اور کمال توحید نہیں صفاتِ خدا ہے۔ کیونکہ عقل گواہ ہے کہ ہر صفت و موصوف مخلوق ہے اور ہر مخلوق گواہ ہے کہ اس کا کوئی خالق ہے جو نہ موصوف ہے نہ صفت اور ہر صفت و موصوف گواہ ہیں کہ ان میں

بماہی تعلق یعنی ہمنشینی ہے اور یہ ہمنشینی گواہ ہے کہ یہ دونوں حادث ہیں اور حدوث گواہ ہے کہ ان میں دو قدامت نہیں ہے کہ جس کے لئے حدوث محال ہے۔ پس جس شخص نے بذریعہ شبیہ خدا کو پہچانا اور درحقیقت اس نے خدا کو پہچانا ہی نہیں ہے اس جس نے اس کے لئے ماہیت قرار دی ہے اُس نے خدا کو یکتانا ہی نہیں ہے۔ اور جس نے اُس کی مثال دی ہے وہ خدا کی حقیقت تک پہنچا ہی نہیں ہے۔ اور جس نے اُس کی حد و نہایت قرار دی ہے اس نے خدا کی تصدیق ہی نہیں کی ہے، اور جس نے اس کے لئے مکان قرار دیا ہے اس نے خدا کی بلندی و برتری کو قبول ہی نہیں کیا ہے، اور جس نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے اس نے خدا کی بے نیازی کو سمجھا ہی نہیں ہے۔ (اگر صد کے بجائے قصد ہے تو یہ معنی ہوں گے کہ جس نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے اس نے خدا کا قصد وارادہ ہی نہیں کیا ہے۔) اور جو خدا کی شبیہ مانتا ہے اس نے خدا کو اپنا مقصود ہی نہیں بنایا، اور جس نے اس میں کوئی نقص مانا ہے تو اس نے خدا کے سامنے سر ہی نہیں جھکایا ہے اور جس نے اپنے وہم و خیال میں اس کو محدود کر لیا ہے اس نے خدا کا ارادہ ہی نہیں کیا ہے۔

ہروہ چیز جو اپنے وجود سے پہچانی جائے وہ مصنوع خدا ہے، اور جو چیز بھی نفسِ خود قائم نہ ہو وہ معلوم ہے (اور خدا اس کی علت ہے) خدا کی صفتون سے اس کے وجود پر استدلال کیا جاتا ہے، اور اس کی معرفت کا اعتقاد عقول کے ذریعہ ہوتا ہے، اور فطرت خالص کے ذریعہ اس کے وجود کی دلیل ثابت ہوتی ہے۔ خداوند عالم کا مخلوقات کو پیدا کرنا ہی ایک جا ب ہے اس کے اور ان کے درمیان میں کہ یہ اس کو عقل و وہم میں نہیں پاسکتے اور اس کا ان کو جدا جد اپیدا کرنا ہی دلیل ہے کہ وہ ان سے جدا ہے اور خدا کا ان کو ابتداء پیدا کرنا ہی دلیل ہے کہ اس کے لئے ابتداء نہیں ہے۔ کیونکہ ہروہ شے جس کی ابتداء کی گئی ہو وہ اس بات سے عاجز ہے کہ وہ کسی دوسرے کی ابتداء کرے لہذا اس کے لئے ابتداء نہیں ہے۔ اور اشیاء کو آلات کار عطا کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی ذات کے لئے آلات نہیں ہیں۔ کیونکہ آلات گواہ ہیں کہ صاحب مادہ آلات کا محتاج ہے۔ خدا کے اسماء مخصوص اس کی تعبیر و بیان ہیں (یعنی ان کے ذریعہ اس کو پکارا جاتا ہے) اور اس کے افعال مخصوص تفہیم ہیں (یعنی ان کے ذریعہ سمجھا جاتا ہے) اور اس کی ذات خود ایک حقیقت ہے۔ اور اس کی کہنہ درحقیقت اس کی جدائی ہے اپنے

ملحقات سے۔ (یعنی اس کے اور اس کی مخلوق کے درمیان فرق ہونا ہی کہنا ہے نہ کہ کوئی ماہیت ہے) اور اس کا سب سے مغارہ ہونا یعنی غیر ہونا یہ ہے کہ اس کے سوا ہر چیز کی حد بندی ہے اور اس کی حد بندی نہیں ہے۔ اس لئے وہ سب کا غیر ہے اور یا یہ معنی ہیں کہ ہر چیز جو اس کی غیر ہے وہ اپنی حد بندی کی وجہ سے غیر خدا ہے یعنی حد بندی ہی غیریت کی دلیل ہے۔ پس جو شخص اس کے لئے وصف مقرر کرے وہ جاہل ذات ہے اور جو شخص اس کی مثال دے اس نے حد سے تجاوز کیا اور خدا پر جفا کی ہے اور جو شخص اس کی کہنا کی جستجو کرے اس نے خطا کی ہے اور جو شخص یہ کہے کہ وہ کس طرح کا ہے تو اس نے اس کے لئے مانند قرار دیا ہے اور جو شخص یہ کہے کہ کیوں کر ہے تو وہ اس کے لئے علت و سبب کا قائل ہو گیا ہے اور جس نے یہ کہا کہ 'کب' تو اس نے اس کے لئے وقت مقرر کر دیا ہے اور جس نے یہ کہا کہ 'کس میں' تو اس نے اس کے لئے ظرف مقرر کر دیا ہے اور جس نے یہ کہا کہ 'کب تک' تو اس نے اس کی انتہا مقرر کر دی ہے یعنی زمانہ مقرر کر دیا ہے اور جس نے کہا کہ 'کہاں تک' تو اس نے مسافت مکانی مقرر کر دی ہے اور جس نے مسافت مقرر کر دی اس نے اس کی ذات میں طول و عرض مقرر کر دیا اور جس نے طول و عرض مقرر کر دیا اس نے خدا کے اجزاء تسلیم کر لئے اور جس نے اس کو صاحبِ اجزاء قرار دے دیا تو اس نے کسی وصف کے ساتھ محدود کر دیا اور جس نے وصف کے ساتھ تحدید کر دی اس نے خدا میں شرک قرار دے دیا۔ (اور اب وہ مشرک ہو گیا) خداوند عالم مخلوق کے تغیر سے خود متغیر نہیں ہوتا اور نہ کسی محدود ہر چیز کی حد بندی سے وہ محدود ہوتا ہے وہ احمد ہے مگر نہ بااعتبار عدد۔ وہ ظاہر ہے نہ بااعتبار نزدیکی، وہ جلوہ کناء ہے مگر نہ اس اعتبار سے کہ اس کو دیکھ سکیں۔ وہ باطن ہے مگر نہ بااعتبار دوری و پوشیدگی۔ وہ جدا ہے نہ بااعتبار مسافت، وہ قریب ہے نہ بااعتبار صحبت، وہ لطیف ہے نہ اس اعتبار سے کہ وہ جسم نازک رکھتا ہے، وہ موجود ہے مگر نہ اس اعتبار سے کہ پہلے معدوم تھا، وہ فاعل ہے مگر نہ بے اختیار، وہ تقدیر مقرر کرنے والا ہے ہر چیز کی مگر فکر و نظر کی مدد سے نہیں، وہ مذہب کرنے والا ہے ہر چیز کی مگر حرکات کے ذریعہ نہیں، وہ مرید ہے مگر اس اعتبار سے نہیں کہ قصد کرے، وہ مشیت والا ہے مگر نہ بااعتبار عزم، وہ مدرک ہے یعنی ہر چیز کا ادراک رکھتا ہے مگر نہ بااعتبار جسم کے، وہ سمیع ہے مگر نہ بااعتبار آکہ سماعت کے، وہ بصیر ہے مگر نہ بذریعہ عضو کے، اوقات

اس کے ہم صحبت نہیں اور مکانات اس کے لئے ظرف نہیں۔ اس کو اونچھے نہیں آتی، اس کو صفات محدود نہیں کر سکتے، آلات اس کو فائدہ نہیں پہنچاتے، اس کا ہوت ادوات سے پہلے ہے اور اس کا وجود عدم سے سابق ہے اور اس کے لئے ابتدائیں ہے۔ بلکہ ازیت ہے۔ جن چیزوں کو اس نے آکہ شعور دے کر پیدا کیا ہے یا اس امر کی دلیل ہے کہ اس کی طرف آکہ جواہر کی نسبت نہیں دے سکتے اور اس نے جواہر کو پیدا کیا ہے یا اس امر کی دلیل ہے کہ اس کی طرف جواہر کی نسبت نہیں دے سکتے اور اس کا اشیاء میں ایک دوسرے کی ضد پیدا کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ اس کے لئے کوئی ضد نہیں ہے اور اس کا اشیاء میں ہم نہیں پیدا کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ اس کا کوئی ہم نہیں نہیں ہے۔ اس نے نور کو ظلمت کی ضد بنایا، اور آشکار کو مسکم کی ضد بنایا۔ سخت اور خشک کو نرم اور تر کی ضد بنایا اور سردی کو گرمی کی ضد بنایا۔ وہ اشیاء متضادہ میں تالیف کرتا ہے اور اشیاء متقارنہ میں تفریق کرتا ہے۔ اس کا تفریق اشیاء کرنا دلیل ہے کہ ان اشیاء کا کوئی مفرق ہے اور اس کا اشیاء میں جمع و تالیف کرنا دلیل ہے کہ اس کا کوئی مؤلف ہے۔ خداوند عالم کا فرمان ہے کہ ہم نے ہر شے کا جوڑا پیدا کیا ہے تاکہ تم لوگ یاد رکھو۔ اس نے قبل اور بعد میں فرق کیا ہے۔ کچھ مخلوقات پیشتر ہیں اور کچھ پس تر ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے لئے نہ قبل ہے اور نہ بعد، اور اس نے اشیاء میں طبیعتیں پیدا کر کے بتا دیا ہے کہ پیدا کرنے والے میں طبیعت نہیں ہے۔

حضرت امام رضاؑ کا ارشاد

ان الامامة اجل قدر او اعظم شانا و اعلا مکانا و امنع جانا و ابعد غورا

من ان يبلغها الناس بعقولهم و ينالوها بارائهم.

امامت از روئے قدر و منزلت بہت اجل وارفع ہے اور از روئے شان بہت عظیم ہے اور بجاذب محل و مقام بہت بلند ہے۔ اور اپنی طرف غیر کے آنے سے مانع ہے اور اس کا مفہوم بہت گہرا ہے۔ لوگوں کی عقلیں اس تک نہیں پہنچ سکتیں اور ان کی رائیں اس کو نہیں پاسکتیں۔
(اصول الشریعہ، ص ۲۳۶)

امام اپنے زمانہ میں واحد و یگانہ ہوتا ہے۔ کوئی فضل و کمال میں اس کے نزدیک بھی

نہیں ہوتا اور نہ کوئی عالم اسکے مقابلے کا ہوتا ہے نہ اس کا بدل پایا جاتا ہے، نہ اس کا مشل و نظیر۔ وہ بغیر اکتساب اور بغیر طلب کے خدا سے ہر قسم کی فضیلت سے مخصوص ہوتا ہے۔ ہر اختصاص اس کے لئے خدا کی طرف سے ہوتا ہے۔ پس کون ہے کہ معرفت نامہ امام حاصل کر سکے یا امام بنانا اس کے اختیار میں ہو۔ ہائے ہائے لوگوں کی عقولیں گمراہ ہو گئی ہیں اور فہم اور اک سرگشته و پریشان ہیں اور عقول حیران اور آنکھیں اور اک سے قاصر ہیں اور عظیم المرتب لوگ اس امر میں حقیر ثابت ہوئے اور حکماء حیران ہو گئے۔ عقول پر جہالت کا پردہ پڑ گیا اور شعراء تحک کر رہ گئے اور اہلِ ادب عاجز آگئے اور صاحبانِ بلاغت عاجز آئے۔ امام کی کسی ایک صفت کو بیان نہ کر سکے۔ انہوں نے اپنے عجز کا اقرار کیا اور اپنی کوتاہی کے قائل ہوئے۔ پس جب امام کے ایک وصف کا یہ حال ہے تو اس کے تمام صفات کو کس کی طاقت ہے کہ بیان کر سکے اور ان کے حقوق پر روشنی ڈالے یا اس امر امامت کے متعلق کچھ سمجھ سکے۔ یا کوئی ایسا آدمی پایا جاسکے کہ وہ امروں میں اس سے بے پروا کر دے۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے درآنحالیکہ امام کا مرتبہ ثریاستارہ سے بھی بڑا ہے۔ پکڑنے والا اس کو کیسے پکڑ سکتا ہے اور وصف بیان کرنے والے اس کا وصف کیونکر بیان کر سکتے ہیں۔ ایسی صورت میں امام سازی میں بندوں کا اختیار کیا اور عقلاؤں کی رسائی اس بارے میں کہاں اور امامت جیسی چیز اور کونسی ہے؟ (اصول الشریعہ، ص ۲۲۰)

الامام كالشمس الطالعة المجللة بنورها للعالم وهي في

الافق بحيث لا تنا لها الايدي والا بصار.

”امام چڑھتا سورج ہے جو اپنی روشنی سے عالم کو جگانگا دیتا ہے اور وہ ایک ایسے بلند مقام پر ہے کہ لوگوں کے ہاتھ اور ان کی نگاہیں وہاں تک پہنچ نہیں سکتیں۔“ (اصول الشریعہ، ص ۲۲۸)

مفزع العباد في الداهية الناد الإمام أمين في خلقه و حجته

على عباده و خليفته في بلاده.

”اور بندوں کا فریدارس ہے مصائب و آلام میں۔ امام خدا کا امین ہے اس کی مخلوق میں اور اس کی حجت ہے اور اس کے بندوں پر خدا کا خلیفہ ہے شہروں میں۔“ (اصول الشریعہ، ص ۲۲۹)

ان الانبياء والأئمة صلوات الله عليهم يوفقهم الله و يوتيهم

من مخزون علمہ و حکمتہ مالا یوتیہ غیرہم فیکون علمہم
فوق علم اہل الزمان.

”انبیاء و آئمہ موفق من اللہ ہوتے ہیں اور علم و حکمت الہیہ کے خزانہ سے وہ چیز ان کو دی جاتی ہے جو ان کے غیر کو نہیں دی جاتی۔ پس ان کا علم تمام اہل زمانہ کے علم سے زیادہ ہوتا ہے۔“
(اصول شریعہ، ص ۲۲۲)

وَإِنَّ الْعَبْدَ إِذَا اخْتَارَ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ لَا مُورٌ عِبَادَةً شَرَحَ صَدْرَهِ
لِذَكْرِ وَأَدْعَ قَلْبَهِ يَنْبَغِي الْحُكْمُ وَالْهَمَّ الْعِلْمُ فَلَمْ يَعِ
بَعْدَهُ بِجَوابٍ وَلَا يَحِيرُ فِيهِ عَنِ الصَّوبِ.

”جب خدا کسی بندہ کو اپنے بندوں کے امور کی اصلاح کے لئے منتخب کر لیتا ہے تو اس کام کے لئے اس کے سینے کو کشادہ کر دیتا ہے اور حکمت کے چشمے اس کے قلب میں ودیعت رکھتا ہے اور علم کا الہام کرتا ہے۔ پس وہ کسی سوال کے جواب میں عاجز نہیں ہوتا اور نہ وہ راوی صواب میں حیران ہوتا ہے۔“
(اصول الشریعہ، ص ۲۲۳)

اس ارشاد رضوی میں امام کو بندوں کا فریاد درس فرمایا ہے لہذا ہم ان کے حضور میں اپنی فریاد میں پیش کریں، اور نصرت و مدد حاصل کریں۔ نیز امام کسی سوال کے جواب میں عاجز نہیں ہوتا۔ اس کے قلب میں تخلیقی علم و حکمت ہے اور الہام بھی ہوتا رہتا ہے لہذا کسی فرشتہ کا محتاج نہیں ہے۔ روح القدس اگر فرشتہ ہے تو اس کا محتاج نہیں ہے بلکہ وہ فرشتوں کا معلم ہے۔

معرفت امام بکلام امام

حضرت علی بن موسی الرضا کے ارشادِ حق بنیادِ کوہم نے مؤلف صاحب کی کتاب سے پیش کیا ہے۔ اب حضرت علی ابن ابی طالب کے کلام سے شانِ امام پیش کرتے ہیں اور یہ اقتباس حضرت علامہ مجلسیؒ کی کتاب ”بحار الانوار“، جلد ۷، صفحات ۳۰۶، ۳۰۸، ۳۱۰ سے نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ حضرت امیر المؤمنین نے طارق بن شہاب سے فرمایا: اے طارق!:

امام کلمہ اللہ ہے، جنت اللہ ہے، نور اللہ ہے، حجاب اللہ ہے، آیت اللہ ہے، خدا اس کو خود منتخب کرتا ہے، اور خدا اس کی ذات میں وہ کمال پیدا کر دیتا ہے جو خدا چاہتا ہے اور اسی کمال کی وجہ سے اس کی اطاعت اور اس کی ولایت تمام خلوقات پر واجب و لازم کر دیتا ہے پس وہ خدا کا ولی ہوتا ہے اس کے آسانوں اور زمین میں اور اسی کمال کی وجہ سے خدا نے اپنے تمام بندوں سے اس کی ذات کو تسلیم کرنے کا عہد لیا ہے۔ پس جو شخص اس سے آگے بڑھے گا تو وہ خدائے صاحب عرش کا منکر ہو جائے گا۔ امام جو چاہتا ہے کر لیتا ہے اور جب اللہ چاہتا ہے تو وہ چاہتا ہے اور اس کے بازو پر یہ آیت تحریر کر دیتا ہے:-

وَتَمَتْ كَلْمَةُ رَبِّكَ صَدْقَةً وَعَدْلًا.

پس وہی صدق اور عدل ہوتا ہے اور اس کے لئے ایک عمود نور زمین سے آسمان تک قائم کر دیا جاتا ہے اور وہ اسی نور میں تمام بندگاں خدا کے اعمال دیکھتا ہے امام بندوں کا فریادرس ہے مصیبتوں میں اور خدا کی طرف سے تمام خلائق پر غالب ہے اور خدا کا امین ہے تمام خلائق پر اور ان کے بندوں پر جست ہے۔ عیوب سے پاک ہے اور غیوب پر مطلع ہے۔ امام اپنے زمانہ کا واحد دیکھتا ہے اور خدا کا خلیفہ ہے اس کے امر و نبی میں اور اس کا مثل نہیں پایا جاتا اور اس کا کوئی بدل نہیں ہے۔ پس کون ہے جو ہماری حقیقی معرفت حاصل کر سکے یا ہمارے درجہ کو سمجھ سکے اور ہمارے مقام کا اور اک کر سکے۔ سمجھ بوجھ کی طاقتیں حیران ہیں عقلیں سرگردان ہیں، فہم و ادراک سرگردان ہیں، بلند ہستیاں حیران ہیں، علماء قاصر ہیں، شعراء تھک چکے ہیں، بلغاں گنگ ہیں، خطیبوں کی زبانیں لکھت کر رہی ہیں، فصحاء اپنے عجز کے معترف ہیں۔ تمام اہل زمین و اہل آسمان تھیارڈال چکے ہیں کہ ایک شان بھی امام کی بیان کر سکیں۔ بھلا کس طرح پیچانا جاسکتا ہے اور وصف کیا جاسکتا ہے اور معلوم کیا جاسکتا ہے اور سمجھا جاسکتا ہے اور پایا جاسکتا ہے اور حاصل کیا جاسکتا ہے وہ (امام) جو جلال کبریا کی شعاع ہے اور ارض و سماء کا شرف ہے۔ مقامِ آلِ محمد بہت بلند ہے وصف کرنے والوں کے وصف سے اور نعمت کرنے والوں کی نعمت سے اور وہ بہت بلند ہیں اس بات سے کہ ان کا قیاس عالمین میں سے کسی سے کیا جاسکے اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ وہ خدا کے بلند کلمہ اور روشن اسم ہیں۔ بھلا کوئی کس طرح ایسی ہستی کا انتخاب کر سکتا ہے اور کہاں عقولوں میں طاقت ہے کہ

اس کو سمجھ سکیں۔ امام ایسا عالم ہے جو کسی چیز کا جاہل نہیں ہوتا۔

ناصیبیت کی ایک اور شناخت علم غیب کا ناقابل انکار ثبوت

ہم پہلے آئندہ طاہرین کے وہ ارشادات پیش کرتے ہیں جن سے علوم الہیہ پر ان کے اقتدار کا پتہ لگتا ہے۔

(۱) قال امير المؤمنين و عرف الخلق اقتدارهم على علم الغيب بقوله عالم الغيب فلا يظهر على غيبه احدا لا من ارتضى من رسول.

(اصفیاء طبری، ص ۱۲۷)

”حضرت امیر المؤمنین نے فرمایا ہے کہ خدا نے اپنی مخلوقات کو اپنے اولیاء اور اپنے سفراء و اصفیاء کی اس صفت کے ساتھ معز فی کرائی ہے کہ ان حضرات کو علم غیب پر اقتدار حاصل ہے جو خدا کا اعطا ہے۔ ارشاد قرآنی سے ثابت ہے کہ خدا عالم الغیب ہے وہ اپنا غیب کسی پر ظاہر نہیں کرتا مگر اپنے رسول میں سے جن کو پسند کرتا ہے اُسے علم غیب عطا کر دیتا ہے۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خدا کے اولیاء علم غیب پر اقتدار رکھتے ہیں اور حضرت نے اس کے ثبوت میں قرآن کریم سے استدلال فرمایا ہے۔

اگر موالیان اہلبیت طاہرین علم غیب کا عقیدہ رکھتے ہیں تو وہ قرآن و حدیث معصوم سے ثابت ہے۔ لہذا محمد و آل محمدؑ کو عالم الغیب تسلیم کرنا اعتقد حق ہے جس سے مؤلف صاحب محروم ہیں۔ کیونکہ وہ ان حضرات کو اپنی نوع سمجھتے ہیں اور خود علم غیب نہیں رکھتے۔ اس لئے ان حضرات کے لئے بھی انکار کرتے ہیں تاکہ ایک نوع کا زعم باطل صحیح ہو جائے۔

سورہ جن میں ارشادِ خدا ہے:-

عالِم الغیب فلا يظهر على غیبہ احدا إلا من ارتضی من رسول
فانہ یسلک من بین یدیه و من خلقہ رَصَدًا لیَعْلَمَ آنَّ قدَ أَبْلَغُوا
رسالات ربِّهم و احاطَ بِمَا لَدِیهِمْ و احصَى کل شنی عَذَّداً.

”خداوند عالم الغیب ہے اور وہ اپنے علم کو کسی پر ظاہر نہیں کرتا مگر رسولوں میں سے جس

کو پسند کرے اس کو علم غیب عطا کر دیتا ہے۔ پس اس کو سلک علم میں پروردیتا ہے کہ اس کے پیش پیش علم ہوتا ہے اور اس کے پیچھے رصد علم پروردیتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات بخوبی پہنچا دیئے ہیں اور جس کو علم غیب عطا کیا ہے وہ تمام ان علوم پر حاوی ہو جاتا ہے جو رسول کے پاس تھے اور ہر ایک شے کے شمار پر بھی حاوی ہو جاتا ہے۔“

اس آیت کی تفسیر میں حضرت امام محمد الباقرؑ کا یہ ارشاد ہے:-

(۲) عن جعفر بن محمد عن أبيه عليهم السلام عالم الغيب
 فلا يظهر علىٰ غيبه أحداً إلا من ارتضى من رسول يعني عليا
 المرتضى من الرسول وهو منه قال الله فانه يسلكه من بين
 يديه ومن خلفه رصدا قال في قلبه العلم ومن خلفه الرصد
 بعلمه علمه بزقه العلم زقاو يعلمه الله العلم الهاما ،
 والرصد التعليم من النبي ليعلم النبي ان قد بلغور سالات
 ربهم واحاطبما لدى الرسول من الرسول العلم واحصى كل
 شئي عددا واما كان او يكون منذيوم خلق الله ادم الى ان تقوم
 الساعة من فتنة او زلتته او خسف او قذف او امة هلكت فيما
 مضى او يهلك فيما باقى وكم امام جائز او عادل يعرف
 باسمه ونسبة و من يموت موتا او يقتل قتلا وكم من امام
 مخدول لا يضره خذلان من خذله وكم من امام منصور لا
 ينفعه نصر من نصره .
 (تفسیر البرہان، جلد ۲، ج ۱۱۵۳)

”حضرت فرماتے ہیں کہ اس سے مراد علی بن ابی طالبؑ ہیں کہ جن کو خدا نے پسند کیا ہے اور وہ اس لئے مرتضی ہیں کہ وہ رسولؐ سے ہیں (جیسا کہ حدیث میں ہے کہ علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں) اور خدا نے ان کے دل میں علم پروردیا ہے اور اس کے بعد رسولؐ نے بھی ان کو علم بھر دیا ہے جو بھرا دینے کا حق ہے (جیسے پرندہ اپنے بچہ کو بھرا تا ہے) خدا کی طرف سے بھی علم بطور الہام حاصل ہے، اور رسولؐ نے بھی ان کو تمام علوم دے دیئے ہیں۔ پیش سے مراد خدا کا عطا کردہ علم اور پیچھے رصد سے مراد رسولؐ کا عطا کردہ علم ہے تاکہ معلوم

ہو کہ انہوں نے بخوبی اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیتے ہیں اور جو علوم رسول کریمؐ اور دیگر انبیاء کو حاصل تھے وہ تکمیل طور پر اپنے احاطہ میں لے لئے ہیں اور ہر ایک شے کا احصاء کر لیا ہے، یعنی ما کان اور ما یکون کا علم حاصل ہے یعنی آدمؐ کی پیدائش سے لے کر تا قیامت تمام علوم حاصل ہیں۔ یعنی کیا کیا فتنے ہوں گے، کیا کیا زلزلے آئیں گے، کیا کیا گہن لگیں گے، کیا کیا عذاب کی چیزیں نازل ہوں گی، کتنی امتیں زمانہ گزشتہ میں ہلاک ہوئیں، کتنی آئندہ ہوں گی، کتنے پیشواظالم یا عادل ہوں گے معد نام و نسب ان کا علم حاصل ہے اور کون اپنی موت سے مرے گا، کون قتل کیا جائے گا، کتنے رہنمای چھوڑ دیتے جائیں گے کہ ان کو چھوڑ دیتے جانے سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا (بلکہ چھوڑنے والے کا نقصان ہو گا) اور کتنے رہنماؤں کی مدد کی جائے گی کہ ان کی امداد سے ان رہنماؤں کو فائدہ نہیں ہے (بلکہ مددگاروں کو فائدہ نہیں پہنچے گا۔)

یہ تفسیر قرآن بربان امام ہے۔ لہذا اس کے مقابلہ میں کسی بھی عالم کا قول قبول نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ امام سے بہتر قرآن کو کوئی عالم نہیں سمجھ سکتا۔ بلکہ وہ اپنی قیاس آرائی کرے گا، کیونکہ نہ اس کو وجی ہوتی ہے اور نہ الہام۔ لہذا اس کے قول کو امام کے مقابلہ میں ہرگز قبول نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کا قول مردود ہو گا۔

اس تفسیر معصوم میں تمام علوم کا ذکر ہے اور کچھ تفصیل بھی بتا دی گئی ہے۔ جس سے ثابت ہے کہ آئندہ ظاہرین کے لئے علوم شریعت ہی کا علم نہیں ہوتا ہے، بلکہ یہ حضرات من جانب اللہ تمام ان علوم پر حاوی ہیں جو ممکن الوجود کے لئے ممکن ہیں۔ ہاں ان کا مقابلہ خدا کے علوم سے ہرگز نہیں کیا جاسکتا، اور نہ خدا کی طرح ان کو عالم بالذات کہا جاسکتا ہے۔ مگر یہ یقیناً ہمارے مقابلہ میں عالم الغیب ہیں اور اگر ان ذوات مقدسہ کو ہم عالم الغیب تسلیم نہ کریں تو ہم نے ان کی امامت کا انکار کر دیا بلکہ قرآن کا انکار کیا۔

(۳) عن الرضا فيها فرسoul الله مرتضى و نحن ورثة
ذالك الرسول الذي الطلعة الله على ما يشاء من غيبة فعلمنا
ما كان وما يكون الى يوم القيمة فانه يسلك من بين يديه
بين يدي المرتضى ومن خلفه رصدا۔

”حضرت امام رضاؑ نے فرمایا ہے کہ خدا جس کو پسند فرمائیتا ہے اس کو علم غیب عطا کر دیتا ہے اور چونکہ رسول اللہ کے پسندیدہ ہیں لہذا ان کو علم غیب عطا کیا گیا ہے، اور ہم ان کے وارث ہیں۔ لہذا ہم بھی علم غیب رکھتے ہیں۔ رسول خدا کو خدا نے اپنے علم غیب سے جو چاہتا تھا عطا کر دیا ہے۔ پس ہم عالم ہیں روز قیامت تک کے ماکان و مایکون کے کیونکہ خدا جس کو پسند کر لیتا ہے اس کے آگے اور پیچھے بھی رصد علم پر ودیتا ہے۔“

مسئلہ علم غیب کا آخری فیصلہ

(۲) عالم الغیب فلا یظہر علیٰ غیہ احدا الا من ارتضی من رسول :۔
 علی ابن جعفرؑ و اما قوله عالم الغیب فان الله عزوجل عالم بما
 غاب من خلقه فيما يقدر من شئ و يقضيه في علمه قبل ان يخلقه
 و قبل ان يقضيه الى الملائكة فذالك يا حمران علم موقوف عنده
 اليه فيه المشية فيقضي اذا ارادوا بيدوله فيه فلا يمضيه واما
 العلم الذي يقدر الله عزوجل و يقضي و يمضيه فهو العلم
 الذي انتهی الى رسول الله ثم الینا۔ (کافی، ص ۱۵۷)

”حضرت امام محمد باقرؑ نے آئی مذکورہ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ خداوند عالم نے جو یہ فرمایا ہے کہ وہ عالم ہے غیب کا۔ اس غیب سے مراد وہ غیب ہے جو اسکی مخلوقات سے پوشیدہ اور ان کے لئے غیب ہے خدا اس کو جانتا ہے اور اس غیب کا مطلب یہ ہے کہ خداوند عالم جب بھی کسی شے کو پیدا کرتا ہے تو اس کے پیدا کرنے سے پہلے اس کی تحقیق کا فیصلہ اپنے علم میں کرتا ہے کہ اس کو کس معیار و مقدار پر پیدا کرتا ہے اور اس قضا و قدر کا علم صرف اسی کو ہوتا ہے، فرشتوں کو بھی اس کا علم نہیں ہوتا۔ یہ علم وہ ہے جو خدا کے لئے مخصوص اور اسی کی ذات میں منحصر ہے۔ قطعاً اور یقیناً بس وہی ان مقدرات کو جانتا ہے اور اس میں جو بھی اس کی مشیت ہوتی ہے وہ خود ہی اس کو جانتا ہے اور اس فیصلہ کا اجراء بھی اس کے ارادہ سے ہوتا ہے۔ جو فیصلہ چاہے جاری کرے اور حسب علم بالمحکمت چاہے جاری نہ کرے۔ یہ ہے وہ علم غیب جو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ لیکن جب خدا اس فیصلہ کو نافذ کرتا ہے اور مطابق قضا و قدر تحقیق

کرتا ہے اور علم سے نکل کر وجود خارجی یعنی عالمِ واقع میں جاری ہوتا ہے تو ان تمام فیصلوں کا علم اپنے رسول کو عطا کر دیتا ہے اور ان کے بعد ہمیں عطا کر دیتا ہے اور اس کے تمام فیصلے خلاق سے پوشیدہ اور ان کے لئے غیب ہوتے ہیں۔ مگر اس غیب کو اس کا رسول اور ہم اہلبیت جانتے ہیں۔“

(۵) وَمَا مَا كَانَ مِنَ الْخُطَابِ بِالْأَنْفَرَادِ مَرَةٌ وَبِالْجَمْعِ مَرَةٌ
مِنْ صَفَةِ الْبَارِيِّ جَلَ ذِكْرَهُ، فَإِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَسْمَهُ
عَلَىٰ مَا وُصِّفَ بِهِ نَفْسَهُ بِالْأَنْفَارِ وَالْوَاحِدَيْنِ هُوَ النُّورُ الْأَزْلِيُّ
الْقَدِيمُ الَّذِي لَيْسَ كَمُثْلِهِ شَيْءٌ لَا يَتَغَيِّرُ وَيَحْكُمُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ وَلَا
مَعْقُبٌ لِحَكْمِهِ وَلَا رَادٌ لِقَضَائِهِ وَلَا مَا خَلَقَ زَادَ فِي مُلْكِهِ وَعَزَّهُ
وَلَا نَقْصٌ مِنْهُ مَا لَا يَخْلُقُهُ وَإِنَّمَا ارَادَ بِالْخَلْقِ اظْهَارَ قُدرَتِهِ
وَابْدَاءَ سُلْطَانَهُ وَنَبِيَّنَ بِرَاهِينَ حِكْمَتِهِ فَخَلَقَ مَا شَاءَ كَمَا شَاءَ
وَاجْرَى فَعْلَ بَعْضِ الْأَشْيَاءِ عَلَىٰ أَيْدِيِّ مَنْ اصْطَفَاهُ مِنْ أَمْنَائِهِ وَ
كَانَ فَعْلُهُمْ فَعْلَهُ وَأَمْرُهُمْ أَمْرَهُ۔ (احتجاج طبری، ص ۱۲۶)

”حضرت امیر المؤمنین کا ارشاد ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنا ذکر کبھی واحد کے صیغہ سے کیا ہے (یعنی میں) اور کبھی جمع کے صیغہ سے (یعنی ہم) جب اللہ تعالیٰ اپنی وحدانیت اور اپنی انفرادیت کا ذکر کرتا ہے اور واحد کے صیغہ سے اپنی معرفی کرتا ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ایک ایسا نور قدیم ازلی ہے کہ جس کے مثل کوئی چیز نہیں ہے۔ وہ متغیر نہیں ہوتا اور جو چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے۔ اس کے فیصلوں کو نہ کوئی روک سکتا ہے اور نہ کوئی روک سکتا ہے اور اس نے جو کچھ پیدا کیا ہے اس سے نہ اس کے اقتدار میں کوئی اضافہ ہوتا ہے اور نہ اس کی عزت میں زیادتی ہوتی ہے اور خلق کو نہ پیدا کرنے سے کوئی کمی اس کی ذات میں ہوتی ہے۔ اس نے تو دنیا کو اپنی قدرت کے اظہار اور اپنی سلطنت و قوت کے اعلان اور اپنی حکمت کے دلائل کے ایضاح کے لئے پیدا کیا ہے اور جو چاہا اور جس طرح چاہا پیدا کیا ہے۔ اس نے امور تخلیق کے بعض فیصلوں کا اجراء اپنے منتخب اور مصطفیٰ حضرت محمد وآل محمد اپنے امناء کے ہاتھوں سے کیا ہے۔ یہ وہ حضرات ہیں کہ جن کا

فعل خدا کا فعل ہے اور جن کا امر خدا کا امر ہے۔“

حضرت مولاؐ کا نات افضل الیات والصلوات کے ارشاد حق بنیاد سے واضح ہو گیا کہ خدا نے امورِ تخلیق کے کاموں کے لئے ان کو چین لیا ہے اور چونکہ ان کا فعل خدا کا فعل ہے اس لئے خدا نے صیغہ جمع سے اپنی ذات واحد و یکتا کو موصوف کیا ہے۔ یعنی جہاں ‘ہم’ کے لفظ سے اپنی معرفی کرتا ہے وہاں ان حضرات سے کام لیتا ہے اور ان کے فعل کو اپنا فعل بتا کر اپنی توحید کو برقرار رکھتا ہے کیونکہ ان حضرات کی تخلیق اور ان حضرات کا اصطفاء اسی کی قدرت کاملہ کا کر شدہ ہے۔

مؤلف صاحب یہ نہ کہیں کہ بعض افعال کی تدبیر ان کے حوالہ کی ہے۔ کل امورِ تخلیق و تکوین ان کے حوالہ نہیں کئے گئے ہیں کیونکہ کل کا خالق و مالک صرف خدا ہے اور خود ان کا بھی خالق خدا ہے۔ اسی مقصد کو میرے مولاؐ مشکل کشانے نے آیاتِ قرآنی کی تفسیر بیان کرتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا ہے:-

(ارشاد حضرت امیر المؤمنین 'محمد وآل محمد' جدا گانہ نوع ہیں)

وقوله وهو الذى في السماء الله وفي الأرض الله و قوله وهو
معكم اينما كتم و قوله ما يكون من نجوى ثلاثة الا هور
ابعهم فانما اراد بذلك استيلا امنائه بالقدرة التي ركبتها
فيهم على جميع خلقه و ان فعله فعلهم فانهم عنى ما اقول
لك فاني اريدك في الشرح لا تلتج في صدرك و صدر من
لعله بعد اليوم ليشك في مثل ما شكلت فيه فلا يجد مجيما
عما يستل منه.
(احتجاج طبری، ص ۱۲۶)

حضرت سید المودین امیر المؤمنین نے قرآن مجید کی تین آیتوں کی تفسیر بیان فرمائی ہے۔
پہلی آیت: کہ وہ خدا وہ ہے کہ آسمان میں بھی موجود ہے اور زمین میں بھی موجود ہے۔
دوسری آیت: کہ وہ خدا وہ ہے جو تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں بھی ہو۔
تیسرا آیت: کہ جب بھی تین آدمی مل کر سرگوشی کرتے ہیں تو وہ وہاں چوتھا ہوتا ہے۔

”حضرت نے فرمایا کہ اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ تم خدا کیلئے جگہ اور مکان مقرر کر دو بلکہ اس کی مراد یہ ہے کہ اس نے اپنے امور کے لئے اپنے امین پیدا کئے ہیں اور ان کی تخلیق میں ایک ایسی قدرت پیدا کر دی ہے جس کو ان کی ترکیب تخلیقی کا جزو و قرار دے دیا ہے کہ جس کے ذریعہ وہ تمام کائنات پر غالب ہیں اور یقیناً خدا کا فعل ان کا فعل ہے۔ پس اے سائل میری بات کو اچھی طرح سمجھ۔ کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ یہ مطلب تیرے دل میں اچھی طرح بخدا دوں اور لوگوں کے دلوں میں بھی بخدا دوں جو آج کے بعد تیری طرح وہ بھی شک کریں گے اور انہیں پھر کوئی جواب بتانے والا نہ ملے گا جس سے یہ مسائل حل کرائیں۔“

سبحان اللہ! میرے مولا میرے مشکل کشاء میرے حاجت روانے کیسی وضاحت سے فرمادیا کہ خدائے واحد دیکھتا نے اپنے امورِ محمد و آل محمد کے ذریعہ جاری کئے ہیں اور ان کو اسی غرض کے لئے خود پیدا کیا ہے۔ جیسا کہ امام جعفر الصادقؑ نے فرمایا ہے کہ:-

”ہمیں خدا نے بذاتِ خود پیدا کیا ہے کسی غیر کو ذریعہ یا آلہ نہیں بنایا ہے۔“

(بحار الانوار، جلد ۷، ص ۲۹۹)

کیونکہ اول مخلوق ہیں اور لاش سے سے پیدا کئے گئے ہیں۔ لہذا بذاتِ خود ان کا خالق ہے اور بغیر آله یا ذریعہ کے خالق ہے۔ کیونکہ اول مخلوق ہیں جبکہ نہ کوئی آله ہے نہ ذریعہ۔ حضرت امیر المؤمنین نے یہ بھی واضح فرمادیا کہ ہماری ترکیب تخلیقی میں ایک قدرت یعنی ایسا کمال ذاتی پیدا کر دیا ہے کہ جس کے ذریعہ ہم تمام کائنات پر غالب و متولی ہیں۔ لہذا خدا کے لئے کل امورِ تخلیق و تکوین خصوص ہیں اور ان حضرات کے لئے بعض امورِ تخلیق و تکوین ثابت ہیں۔ مؤلف صاحب نوٹ کر لیں تاکہ کل اور بعض کے پھر میں پھنس جائیں۔ اب مؤلف صاحب کو اپنی اس رائے پر نظر ثانی کرنی چاہیے کہ یہ حضرات ان کی نوع کے افراد کاملہ ہیں، ہرگز ایسا نہیں ہے۔ بلکہ ان کی ترکیب ذات میں ایک جزو ایسا ہے کہ جو نوع انسان بلکہ کائنات کی کسی نوع میں بھی نہیں ہے جس کی وجہ سے یہ حضرات جدا گانہ نوع ہیں اور یہ وہی کمال ہے جس کے سمجھنے سے عقول عاجز ہیں۔ لہذا مؤلف صاحب کو اپنے اس اعتقاد سے توبہ کرنا ہی بہتر ہے ورنہ رِ قول امام کی سزا کے لئے تیار ہیں جو انہیں اچھی طرح معلوم ہے اور توبہ تنہانہ کریں بلکہ اپنے ہم مشرب نولہ کو بھی توبہ کے لئے مجبور کریں اور اپنے شکوہ و شبہات

اس کلامِ امام کے ذریعہ رفع کریں کیونکہ ان حضرات کے سوا پھر کوئی مشکل کشانہیں ملے گا۔
مولائے کائنات نے صاف صاف یہ بھی فرمادیا ہے کہ ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ
لوگ تین قسم کے ہو جائیں گے۔ اس وقت ولی اللہ کی طرف ہی رجوع کرنا ذریعہ نجات ہو گا۔

ولی اللہ کی طرف رجوع کرنا نجات کا ضامن ہے

کثرتِ مساجد و نمازِ جماعت سے دھوکہ نہ کھاؤ!

قال امیر المؤمنین ایها السائل لا تفترن بکثرة المساجد و
جماعۃ اقوام اجسادهم مجتمور و قلوبهم متفرقة فانما
الناس ثلث زاهد و راغب و صابر اهال زاهد فلا يفرح بالدنيا
اذاته ولا يحزن اذا فاقته و اما الصابر فيتمنا ها بقلبه فان
ادرک منها شيئاً صرف عنها نفسه بعلمه بسوء العاقبة و اما
الراغب فلا يبالي من حل اصابتها ام من حرام ثم قال يا امیر
المؤمنین فلا علامة المؤمن في ذالک الزمان قال ينظر الى
ولی الله في قوله والی عدو الله فيتبرأ منه۔ (احتجاج طبری، ص ۱۳۱)

”حضرت امیر المؤمنین سے ایک سائل نے دریافت کیا تھا کہ مولا مجھے ایسا عمل بتائیے
جو مجھے جہنم کی آگ سے بچائے۔ آپ نے فرمایا سن اور سمجھا اور یقین حاصل کر۔ دنیا تین قسم
کے حضرات کی وجہ سے قائم ہے۔ ایک وہ عالم جو حق کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے، اور دوسرا
وہ دلتنہد جو بخل نہیں کرتا، تیسرا وہ فقیر جو صبر کرتا ہے پس جب عالم علم کو چھپائے گا، دولت مند
بخل کرنے لگے گا، فقیر صبر چھوڑ دے گا تو بلا کرت اور عذاب ہے، اور دنیا اس وقت ایمان چھوڑ
کر کفر کی طرف پلتے کے قریب ہو جائے گی۔“

اے سائل مسجدوں کی کثرت اور قوموں کی جماعت سے دھوکہ نہ کھانا۔ ان کے جسم ایک جگہ
جمع ہیں مگر ان کے دل جدا ہاں ہیں۔ کیونکہ تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ زاہد۔ صابر۔ راغب۔
(۱) زاہدوہ ہے جس کو دنیا مل جائے تو خوش نہیں ہوتا اور چلی جائے تو رنج نہیں کرتا۔
(۲) صابر وہ ہے کہ دنیا کی تمنا تو دل میں ہوتی ہے مگر جب کچھ مل جاتی ہے تو یہ سمجھ کر

اس سے منہ پھیر لیتا ہے کہ اس کا انجام خراب ہو گا۔

(۳) راغب وہ ہے کہ وہ دنیا حاصل کرنے پر شلا ہوا ہے اور اس کو حلال و حرام کی پرواہ نہیں ہوتی۔ سائل نے عرض کی کہ مولا ایسے زمانہ میں مومن کی علامت کیا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ مومن کی علامت یہ ہے کہ ولی اللہ کی طرف نظر جمائے رکھے اور اس سے محبت اور اس کے دشمن سے نفرت کرتا رہے۔

یعنی ایسے زمانہ میں مسجدیں اور جماعتیں اور ان کی ریل پیل مومنین کی شناخت کا ذریعہ نہیں ہو گی۔ کیونکہ ان کے جسم تو ایک جگہ نظر آئیں گے مگر ان کے دلوں میں جدائی ہو گی اور خدا جانے کیا کیا خیالات ہوں گے۔ لہذا اس زمانہ میں ولی اللہ ہی کی طرف نظر اور رجوع کرنا اور اس سے محبت یعنی تولا اور دشمن سے نفرت یعنی تبراہی علامت مومن ہو گی۔

انکارِ علم غیب انکارِ قرآن و سنت ہے

ہم پھر علمِ غیب کے متعلق اپنی بحث کا رُخ موزٹے ہیں۔

(۶) ولا رطب ولا یا بس الافی کتاب مبین کی تفسیر میں امام جعفر الصادق ارشاد فرماتے ہیں:-

قال ابو عبد الله، ما قول الناس في اولى العزم و صاحبكم امير المؤمنين ، قال قلت ما يقدمون على اولى العزم احدا قال فقال ابو عبد الله. ان الله تبارك و تعالى، قال لموسى و كعبا له في الالواح من كل شئي موعظة ولم يقل كل شئي موعظة ولم يقل كل شئي وعظة. وقال لعيسى و لبين لكم بعض الذى تختلفون فيه ولم يقل كل شئي و قال لصاحبكم امير المؤمنين قل كفى بالله شهيدا بيني وبينكم و من عنده علم الكتاب و قال عزوجل ولا رطب ولا یا بس الافی کتاب مبین و علم هذا الكتاب عنده۔ (احتجاج طرسی، ۱۹۲)

قرآن مجید کی دو آیتوں کی تفسیر حضرت امام جعفر الصادق نے بیان فرمائی ہے:-

”حضرت نے فرمایا کہ لوگ کیا کہتے ہیں اولو العزم پیغمبروں اور تمہارے مولا امیر المؤمنین کے بارے میں۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے عرض کیا بن رسول اللہ اولو العزم پیغمبروں پر کسی کو فضیلت نہیں دیتے۔ آپ نے فرمایا کہ خداوند عالم نے حضرت موسیٰ کے بارے میں فرمایا ہے کہ ہم نے موسیٰ کے لئے ہر چیز میں سے کچھ حصہ ان کے الواح میں لکھ دیا تھا مگر یہ نہیں فرمایا کہ کل چیزوں کا علم ان کو عطا کیا تھا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ کے لئے فرمایا کہ خدا نے بعض اختلافی چیزوں کا علم ان کو دیا۔ مگر کل چیزوں کا علم نہیں دیا اور تمہارے مولا امیر المؤمنین کے لئے فرمایا کہ کہہ دے اے رسولؐ کہ میری گواہی کے لئے میرے اور تمہارے درمیان ایک خدا کافی ہے اور دوسرا وہ کہ جس کو کل کتاب کا علم حاصل ہے اور خدا نے اس کتاب میں ہر خشک و تر کا علم جمع کر دیا اور اس کتاب کا علم تمہارے مولا کے پاس موجود ہے۔“

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ان کو کل کائنات کا علم حاصل ہے۔ للہ امّا لف صاحب اپنے اعتقاد میں تبدیلی کریں اور اپنے اس اجتہاد پر نظر ثانی فرمائیں کہ آئمہ طاہرین کو شریعت کا علم ہی مکمل طور پر حاصل تھا اور بس۔ لیکن اس آیت سے تو کائنات کا علم ثابت ہوتا ہے، اور قرآن اور حدیث معصوم کے مقابلہ میں کسی عالم کا قول قابل قبول نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ لوگ قاصرین و عاجزین ہیں جیسا کہ علامہ مجلسی نے فرمایا ہے۔

آئمہ طاہرین کی کائنات پر حکمرانی اور علم غیب

(۸) وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ۔
اس آیت کی تفسیر میں حضرت امام موسیٰ الكاظمؑ کا ارشاد آنکھیں کھول کر ملاحظہ فرمائیے:-

قال امام موسیٰ الكاظمؑ ما بعث اللہ نبیا الا و محمدًا اعلم منه
قال قلت ان عیسیٰ بن مریم کان يحيی الموتی باذن اللہ قال
صدقت و کان سلیمان بن داؤد یفهم منطق الطیرو کان
رسوْلُ اللّٰهِ بقدر علیٰ هذه المنازل قال فقال ان سلیمان بن
داؤد قال للهُدُّهِ حِينَ فَقَدْهُ وَ شَكْ فِي امْرِهِ فَقَالَ مَالِي لا

امری الهد هدام کان من الغائبین حین فقدہ و غضب علیہ
 فقال لا عذیہ عذابا شدیدا ولا ذبحتہ اولیا سنی بسلطان مبین
 و انما غضب لانہ کان یدلہ علی الماء فھذا و هو طاهر
 قداعطی مالم یعط سلیمان و کانت الريح والنمل والجن و
 الانس والشیاطین والمردة له طائین و لم یکن یعرف الماء
 تحت الهواء و کان الطیر یعرفه و ان اللہ یقول فی کتابہ ولو
 ان قرآن سیرت بہ الجبال او قطعت بہ الارض او کلم بہ
 الموتی و قد و رثنا نحن هذا القرآن الذی فیہ ما تسری بہ
 الجبال و تقطع بہ البلدان و یحیی بہ الموتی و نحن نعرف
 الماء تحت الهواء ان فی کتاب اللہ لا یات ما یراد بہا امرا لا
 ان یاذن اللہ بہ مع ما قد یاذن اللہ مما کتبه الماضون و جعله
 اللہ لనافی ام الكتاب ان اللہ یقول وما من خائبة فی السمااء
 والارض الا فیکتاب مبین. ثم قال ثم اورثنا الكتاب الذی
 اصطفینا من عبادنا فنحن الدين اصطفانا اللہ عزوجل و اورثنا
 هذا الذی فیہ تبیان کل شئی. (تفیر البرہان، ج ۲۶، ص ۷۶)

”ایک سائل کے جواب میں حضرت امام موی کاظمؑ نے فرمایا کہ جتنے نبی خدا نے
 مبعوث فرمائے ہیں ان سب سے جناب رسول اللہ علیم میں افضل و اعلیٰ ہیں۔ راوی کہتا ہے
 میں نے عرض کی کہ حضرت عیسیٰ خدا کے اذن سے مردے زندہ کرتے تھے۔ حضور نے فرمایا
 بے شک درست ہے اور سلیمان بن داؤد پرندوں کی زبانیں سمجھتے تھے، کیا رسول اللہ کو بھی یہ
 مراتب حاصل تھے؟ حضرت نے فرمایا کہ سلیمان بن داؤد نے کہا کہ ہدہ نظر نہیں آرہا ہے،
 کیا کہیں غالب ہو گیا ہے؟ اور اس پر غصب ناک ہوئے اور فرمایا کہ میں اس کو سزا دوں گا یا
 اس کو ذبح کر دوں گا۔ یا پھر وہ میرے سامنے کوئی مکمل ثبوت پیش کرے کہ کیوں غالب ہوا
 ہے اور یہ غصب اس لئے تھا کہ وہ پانی کی نشاندہی کرتا تھا۔ (کیونکہ خدا نے اس کی نظر میں یہ
 طاقت عطا کی تھی) یہ تو نبی تھے اور وہ پرندہ تھا۔ اس کو خدا نے وہ طاقت نظر عطا کی تھی جو

سلیمان کو عطا نہیں ہوئی تھی۔ (اور یہ جنات شیاطین سرکش تک تھے۔ مگر انہیں یہ طاقت حاصل نہیں تھی جو پرندہ کو عطا ہوئی تھی کہ وہ پانی کوزیر ہوا پہچان لیتا تھا جس کو سلیمان نہیں پہچانتے تھے۔ اور بالتحقیق خداوند عالم اپنی کتاب میں ارشاد فرماتا ہے کہ اگر اس قرآن کے ذریعہ پہاڑوں کو چلا دیا جائے، یا زمین کی مسافت (آنفانا) طے کر لی جائے یا مردوں سے باتیں کر لی جائیں تو یہ کمال قرآن میں موجود ہے، اور ہم اس قرآن کے بالتحقیق وارث ہیں کہ جس کے ذریعہ سے پہاڑ چلائے جاسکتے ہیں، اور شہروں کی آمد و رفت (چشم زدن میں) کی جاسکتی ہے اور مردے زندہ کے جاسکتے ہیں، اور ہم زیر ہوا پانی کو بھی جانتے ہیں اور اللہ کی کتاب میں ایسی آیات موجود ہیں کہ جس کام کا بھی ارادہ کیا جائے وہ باذن خدا ہو جاتا ہے، اور ایسے کام باذن خدا بھی ہو چکے ہیں جن کو گزشتہ حضرات ضبط تحریر میں لا چکے ہیں، اور وہ سب کام خدا نے ہمیں اس اُم الکتاب میں عطا کر دیے ہیں۔ بالتحقیق خدا فرماتا ہے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں انتہائی غیب ہے وہ سب اس قرآن نہیں میں موجود ہے۔ پھر اس نے یہ بھی فرمادیا ہے کہ ہم نے اس کتاب کا وارث اپنے بندوں کو بنا دیا ہے جن کو ہم نے منتخب کر لیا ہے۔ وہ خدا کے منتخب بندے ہم ہیں۔ ہمیں خدا نے مصطفیٰ یعنی برگزیدہ بنایا ہے اور ہمیں ایسی کتاب کا وارث بنایا ہے کہ جس میں کل شئی کی وضاحت موجود ہے۔“

امام موسیٰ الکاظمؑ نے قرآن مجید کی تین آیتیں ارشاد فرماتا کہ ان کی تفسیر فرمادی ہے۔ پہلی آیت سے آپ نے استدلال فرمایا ہے کہ چونکہ ہم قرآن کے وارث ہیں اور قرآن کے ذریعہ ہم پہاڑ بھی چلا سکتے ہیں اور دور و دور از مسافت بھی چشم زدن میں طے کر لی جاتی ہے، اور مردوں کو زندہ کر کے ان سے باتیں بھی کی جاسکتی ہیں اور حضرت عیسیٰ سے زیادہ احیاء موتی کی قدرت حاصل ہے بلکہ قرآن میں ایسے اسماء موجود ہیں کہ جن کے ذریعہ جو کام بھی لیا جائے وہ باذن خدا ہو جاتا ہے۔ تو اب ان حضرات کے اقتدار میں امور تخلیقیہ کا انکار کرنے والے مکنیر قرآن و سنت قرار پائیں گے۔ لہذا مؤلف صاحب کو حضرات محمد وآل محمدؑ کا اقتدار امور تخلیقیہ میں تسلیم کر لینا چاہیے جس طرح ہم ان کے اقتدار پر ایمان لائے ہیں اور نصرت و مدد حاصل کرتے ہیں۔

محمد وآل محمد اور خلقِ خدا میں فصل

الا ترى أنتَ قَالَ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانِ وَيَقِنٍ وَجْهُ رَبِّكَ
ذُو الْجَلَالِ وَالْأَكْرَامِ فَفَصَلَ بَيْنَ خَلْقِهِ وَوَجْهِهِ.

”یعنی تم نہیں دیکھتے ہو کہ خدا نے فرمایا ہے تمام وہ لوگ جو زمین پر بنے والے ہیں فنا ہو جائیں گے مگر تمہارے صاحبِ الجلال والا کرام رب کا وجہ باقی رہ جائے گا۔ یعنی فنا نہ ہو گا پس خداوند عالم نے فصل اور جدائی کر دی ہے اپنی خلق اور اپنے وجہ میں۔ یعنی خلقِ خدا جدائی ہے اور وجہ اللہ جدا ہیں۔“

خدا نے تو اپنی خلق اور وجہ اللہ یعنی محمد وآل محمد میں فصل اور جدائی قرار دی ہے جس کی وجہ سے محمد وآل محمد اور دیگر مخلوق میں ممیز ثابت ہے۔ اگر یہ بھی اسی نوع کے افراد ہوتے تو تمام اہل زمین کے ساتھ مخصوصاً مؤلف کے ساتھ ان کو بھی فنا ہو جانا چاہیے تھا۔ مگر ان میں ایک ایسا کمال ذاتی ہے کہ جس کی وجہ سے یہ حضرات فنا سے متاثر نہیں ہو سکتے۔ اب رہی یہ بات کہ وجہ اللہ سے یہی حضرات مراد ہیں؟ تو اس کے لئے اس قدر احادیث کثیرہ موجود ہیں کہ جن کا انکار کسی مؤلف کے لئے ممکن ہی نہیں ہے۔

محمد وآل محمد وجہ اللہ ہیں!

حضرت امام زین العابدین اور حضرت امام جعفر الصادقؑ کا ارشاد ہے کہ
نحن وجہ اللہ ہیں وَجْهُ اللَّهِ ہُوَ (تفیر صافی)

حضرت امام رضاؑ نے فرمایا ہے کہ:

”جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے وجہ یعنی چہرہ مانتا ہے کہ جیسے لوگوں کے چہرے ہیں، تو وہ کافر ہے۔ اس کے لئے وجہ اللہ انبیاء و رسول اور آئمہ طاہرین ہی ہیں۔ یہی وہ حضرات ہیں کہ جن کے ذریعہ سے خدا کی طرف توجہ کی جاتی ہے اور ان ہی کے ذریعہ دین خدا اور معرفت کا حصول ہوتا ہے۔ خدا نے فرمایا ہے کہ سب اہل ارض فنا ہو جائیں گے اور خدا نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ”کُلَّ شَنَى هَالَّكَ الْأَوْجَهُ“، ہر شے ہلاک ہو گی مگر وجہ اللہ ہلاک نہیں ہو گا۔“ (تفیر البرہان، جلد ۲، ص ۸۰۰)

اہلیت کونہ پچاننا، ہی جہالت ہے

”جتاب امام محمد الباقر نے فرمایا ہے کہ ہم وجہ اللہ ہیں، ہم عین اللہ ہیں، ہم یہ اللہ ہیں۔ جو ہمیں جانتا ہے وہ عارف ہے جو نہیں جانتا وہ جاہل ہے۔“ (تفسیر البرہان، جلد ۲، ص ۸۰۰)

اور امام جعفر الصادق نے فرمایا ہے کہ ہم عین اللہ ہیں، ہم انسان اللہ، ہم یہ اللہ، ہم وجہ اللہ، ہم باب اللہ، ہم خزان اللہ ہیں۔ زمین میں بھی اور آسمان میں بھی۔ ہماری عبادت سے خدا کی عبادت کاظمیہ ہوا ہے اور ہمارے ہی ذریعہ اس کی معرفت و عبادت ہوئی۔ اگر ہم نہ ہوتے تو اس کی عبادت نہ ہوتی اور ہم ہی والیاں امرِ خدا ہیں اور ہم ہی جنتِ اللہ ہیں۔ (تفسیر البرہان، جلد ۲، ص ۸۰۱)

اب تومؤلف صاحبِ محمد و آلِ محمدؑ کی نوع کا کچھ لحاظ فرمائیں گے اور اپنی نوع میں داخل کر کے اپنی طرف ان حضرات کوفا کے گھاث نہیں اُتاریں گے، اور عالم و جاہل میں فرق کتابوں سے نہیں معرفتِ اہلیت سے کریں گے۔ دراصل یہ لوگ غالیوں کی مذمت و تکفیر کی روایات سے خوف زدہ ہو گئے ہیں اور اپنے اجتہاد کے ذریعہ عمل بر احتیاط کو اپنے لئے پسند کیا ہے کیونکہ ان میں قوتِ ایمان اور طاقتِ تحمل نہیں ہے کہ آئمہٗ طاہرینؑ کے کمالات برداشت کر سکیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے تصورِ توحیدِ محدود کر لیا ہے۔ حالانکہ کمالاتِ آئمہٗ خداداد ہیں اور خدا کی عظمت و جلالت کی واضح دلیل ہیں۔ کیونکہ جب اس کے عباد میں یہ کمال ہے تو ان کا معبد و کس قدر راجل وارفع ہو گا اور ان کی جلالت جس قدر بلند ہو گی اس قدر جلالتِ توحید بلند ہو گی۔ مگر غالیوں کے قلوب کمزور تھے۔ وہ اس لئے گمراہ ہو گئے کہ انہوں نے خدا اپنے خیال میں بس اتنا ہی سمجھا تھا جتنے آئمہٗ طاہرینؑ ہیں۔ یعنی خدا کا تصور و اتیاز اتنا محدود اور پست تجویز کر لیا کہ آئمہٗ طاہرینؑ کے مراتب کو شرک سمجھنے لگے۔ اسی لئے امام رضاؑ نے فرمایا ہے:-

فنظروا الی عبد قد اختصه اللہ بقدره لیسین بها فضله عنده و

اثرہ بکرامته لیوجب بہا حجته، علی خلقہ۔ (احتجاج، ص ۲۲۳)

”یہ غالی لوگ اس لئے دھوکا کھا گئے کہ انہوں نے ایک ایسا عبد دیکھا کہ جس کو خداوند عالم نے ایک ایسی قدرت عطا کی ہے کہ جس کے ذریعہ اپنی بارگاہ میں اسکی فضیلت کا اظہار کرے اور اس کو اپنی کرامت سے اس لئے نوازا ہے کہ اس کے ذریعہ اپنی مخلوق پر اپنی جنت

قام کرے۔ مگر غالیوں نے اس کو نہ سمجھا کہ خدا وہ ہے جس نے انہیں قدرت عطا کی ہے اور کرامت بخشی ہے۔ وہ اس قدرت و کرامت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ خدا کہہ دیا۔ حالانکہ قدرت و اقتدار حاصل ہونے کے باوجود بھی یہ حضرات اپنے معبود کے سامنے اپنی عاجزی کا اظہار کر رہے ہیں، اپنے سجدوں سے اس کی عظمت و جلالت بتا رہے ہیں۔“

کیا غیر خدا کو خالق کہنا صحیح ہے

اس نصیحت کے بعد مضمون سابق یعنی خلقت اولیٰ کے متعلق ہم ایک ضروری تنبیہ کرنا چاہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ لاشے سے شے پیدا کرنا مخصوص خدا کی صفت ہے اس میں کوئی مخلوق شامل نہیں ہو سکتا اور اس معنی سے خدا کے سوا کسی کو خالق نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن لفظ خلق جس طرح لاشے سے شے پیدا کرنے والے کے لئے استعمال ہوتا ہے اسی طرح شے سے شے بنانے والے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ جس طرح حضرت عیسیٰ کے لئے استعمال ہوا ہے۔
بقول حضرت عیسیٰ:-

انی اخلق من الطین کہیثة الطیر.

”میں تمہارے سامنے مٹی سے پرندہ کی شکل خلق کرتا ہوں اور خدا نے حضرت عیسیٰ کی تصدیق فرمائی ہے۔ وَاذ تخلق من الطین.“

”یعنی اے عیسیٰ جب تم مٹی سے پرندہ خلق کرتے تھے، اس سے صاف ثابت ہے کہ لفظ خلق حضرت عیسیٰ کے لئے قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے جس کا انکار کوئی اندازہ جاں عنید ہی کر سکتا ہے اور آپ اپنی کتاب اصول الشریعہ کے ص ۲۸ پر خود قلمراز ہیں ملاحظہ فرمائیے:- ”جو لوگ علوم عربیہ سے معمولی سی واقفیت بھی رکھتے ہیں کہ التبادر علامۃ الحقيقة، کسی لفظ کو سن کر کسی معنی کا متبادر الی الذین ہونا (جلدی) ذہن میں آنا) اس کے حقیقی معنی کی قطعی دلیل ہوا کرتا ہے (معالم الاصول اور کفایہ وغیرہ کتب اصول ملاحظہ ہوں)۔ (اصول الشریعہ، ص ۲۸) اب آپ خود ہی فرمائیے کہ لفظ خالق سن کر آپ کے ذہن میں جلدی کیا معنی آتے ہیں بس وہی معنی اس کے حقیقی معنی ہوں گے یعنی ایجاد کرنے والا اور یہی معنی درست بھی ہیں۔

کیونکہ حضرت عیسیٰ نے مٹی سے پرندہ ایجاد کیا ہے۔ لہذا خالق کے معنی 'ایجاد کرنے والا' حقیقی معنی ہیں۔ اب اس کو جگہ جگہ 'مجاز' اور 'من باب المجاز' کہئے گا۔ کیونکہ بندوں کے لئے لفظ خالق الافعال موجود ہے۔ یعنی بندے اپنے افعال کے خالق یعنی موجود ہیں۔ اور اگر یہ معنی آپ نے تسلیم نہیں کئے۔

اور بندوں کو 'مجاز' اور 'من باب المجاز' کہا تو آپ کو مجرہ کا یہ اعتقاد رکھنا پڑے گا (کہ ہمارے افعال کا حقیقی خالق خدا ہے اور ہم مجازی خالق ہیں) لہذا پھر بندوں کے افعال معاذ اللہ خدا کے سرخوبی پر گے اور بندوں کو ان کے افعال میں مجبور قرار دو گے۔ ایسا عقیدہ رکھنے والے کا تو ذیجہ بھی حرام ہے، گواہی بھی مردود ہے، زکوٰۃ دینا بھی حرام ہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا بھی باطل ہے۔ جیسا کہ آئندہ آئے گا۔

اب آپ فرمائیے کہ بندوں کے افعال کا خالق کون ہے اگر درحقیقت اپنے افعال کے موجود یہی بندے ہیں تو پھر بندے خود اپنے افعال کے خالق ہیں۔ ورنہ جس معنی سے مجرہ کہتے ہیں کہ خدا ہی خالق کل شی ہے آپ بھی ان ہی کے ساتھ شامل ہو کر ان کی نواع کے افراد کاملہ ہوں گے اور شرعی فتوؤں کی زد میں آئیں گے، اور آپ کی اقتداء میں نماز جائز نہ ہوگی۔ اور اگر اس کی رو علامہ مسلمین نے قرآن کی اس آیت سے کی ہے کہ خدا 'أَخْسَنُ الْخَالِقِينَ' ہے۔ یعنی غیر خدا بھی خالق ہیں اور خدا ان سب سے احسن و افضل ہے۔ تو پھر آپ کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ غیر خدا کے لئے لفظ خالق کا استعمال صحیح و درست ہے اور حقیقی معنی میں ہے نہ کہ 'من باب المجاز'۔ فرمائیے مجرہ بننا پسند کرتے ہیں یا مسلمانہ اجتہاد والے لفظ 'من باب المجاز' سے توبہ کر کے 'من باب الحقيقة' کا مسلک اختیار کرتے ہیں۔

حدیث کے مقابلہ میں قیاس شیطانی قیاس ہے

مؤلف صاحب کے اجتہاد نے ایک نیاراستہ بھی تجویز کر لیا ہے جو احسن الفوائد کے ص ۳۲۳ پر درج ہے کہ خالق سے مراد صانع ہے اور آپ نے مثالیں بھی تحریر فرمائی ہیں۔ چنانچہ ہم مفصل عبارت پیش کرتے ہیں ملاحظہ کیجئے۔

”خلق بمعنى صنع بھی آیا ہے۔ بنابریں ممکن ہے کہ مفہوم آیت اللہ اعلم یہ ہو: واللہ احسن الصانعین۔“

یعنی اگرچہ صانع (بنانے والے) بہت ہیں۔ کوئی خداد ہے، کوئی بخار ہے، کوئی دباغ و صباغ ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ان میں سے بعض اپنی اپنی صنعت میں بہت ماہر ہوتے ہیں۔ مگر خلاق عالم ان سب صانعین میں سے بہتر صانع ہے۔

مؤلف صاحب نے اپنے پیش کردہ معیار معنی حقيقی ’التبادر علامہ الحقيقة‘، یعنی جلدی جو ذہن میں معنی آئے وہ حقيقی معنی ہوتے ہیں۔ کولات مار کر ایک نئی قیاس اجتہادی رائے پیش کی ہے۔ یعنی خالقین کے معنی ’صانعین‘ ہیں اور خدا ’احسن الصانعین‘ ہے، اور مثال یہ دی ہے خداد، بخار، دباغ، صباغ، یعنی لوہار، بڑھنی، موچی اور دھوپی صانع ہیں۔ اور بہت بڑے بڑے ماہر ہوتے ہیں مگر خدا ان سب صانعین میں بہترین صانع ہے۔

مؤلف صاحب کا اجتہاد یہ ہوا کہ خدا بہترین لوہار اور بہترین بڑھنی اور بہترین موچی اور بہترین دھوپی ہے۔ لہذا مؤلف صاحب کو یہ تمام کام خدا سے کرانے چاہئیں کیونکہ ہر انسان قابل کارگیر اور ماہر صنعت تلاش کرتا ہے۔ (العياذ بالله العظيم) خدا ایسے اعتقاد پر լعنت کرے۔

یہ بھی ذرا غور کیجئے کہ قرآن میں جب حضرت عیینی کے لئے اخلاق اور تخلیق کے کلمات استعمال ہوئے ہیں تو کیا انہوں نے لوہار، موچی کا کام کیا تھا کہ وہ لفظ خلق کے مصدق قرار پائے۔ یہ انتہائے ناصبیت ہے کہ خدا کو معاذ اللہ ان کا فرانہ کلمات سے یاد کرنا منظور ہے۔ مگر محمد وآل محمد کو خالق نہیں کہہ سکتے۔ ناصبیت مردہ باد۔

یہ تو آپ کا اجتہاد بے بنیاد تھا مگر ہم موالیاں اہلیت طاہریں کی جلائے قلوب کے لئے اس آیت کے صحیح معنی وارثان قرآن حضرات آئمہ معصومین کی تفسیر سے پیش کرتے ہیں۔

احسن الائقین کے صحیح معنی

عن الرضا انه سهل اغیر الخالق الجليل خالق قال ان الله

كتاب حقائق الوسائط - بن موزع محمد الهمج

تبارك وتعالى قال تبارك الله احسن الخالقين وقدر
اخبران في عباده خالقين وغير خالقين منهم عيسى بن مریم
خلق من الطین کہینہ الطیر باذن اللہ والسامری خلق لهم
عجلًا جسد الله خوار۔ (تفییر صافی، ص ۲۲۳)

”حضرت امام رضاؑ سے پوچھا گیا کہ یا بن رسول اللہ خالق جلیل کے سوا کوئی خالق ہو سکتا ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ خداوند عالم نے خود فرمایا ہے کہ وہ احسن الخالقین ہے یعنی خالقوں میں وہ بہتر خالق ہے۔ بالحقیقت اس نے خود خبر دی ہے کہ اس کے بندوں میں خالقین بھی ہیں اور غیر خالقین بھی، اور خالقین میں سے عیسیٰ بن مریم بھی ہیں جنہوں نے باذن خدا مٹی سے پرندہ کی شکل خلق کی تھی اور سامری نے بنی اسرائیل کے لئے ایک گائے خلق کی تھی۔ اس کا جسم بھی تھا اور آواز بھی۔“

اس حدیثِ رضوی نے مسئلہ کو بالکل صحیح کر دیا کہ اس آیت میں خالقین سے مراد نہ لوہار ہیں، نہ موجی بلکہ خالق اپنے اصلی معنی ”موجد“ میں استعمال ہوا ہے اور امام نے مثال بھی دے دی ہے کہ خدا نے حضرت عیسیٰ کو خالق فرمایا ہے۔ لہذا مؤلف صاحب کی قیاسی تاویل میں بالکل غلط و باطل ہیں، اور شیطانی قیاس کی غمازی کر رہی ہیں۔ بلکہ یہ تمام تاویل میں صرف اس لئے کی جا رہی ہیں کہ اہلیت طاہرین کو خالق نہ کہا جائے۔ ”برنا صیبت لعنت باد۔ مؤلف صاحب نے پھر ایک اور نیا پتیغیر ابدالا ہے کیونکہ حدیثِ رضوی پر نظر پڑ چکی تھی۔ لہذا فرماتے ہیں ملاحظہ ہوا حسن الفوائد، ص ۲۲۳۔“

”اسی آیت کے ذیل میں تفسیر صافی نیز اصول کافی وغیرہ میں بعض روایات آئندہ طاہرین سے مردی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مخلوقین پر بھی من باب المجاز، خالق کا اطلاق کیا گیا ہے۔ احادیث میں ان کی تعداد چار تک شمار کی گئی ہے۔ ایک حضرت عیسیٰ اور دوسرے اور تیسرے وہ فرشتے جو باذن خدا بطنِ مادر میں بچ کی تصور کشی کرتے ہیں چوتھا سامری جس نے گوسالہ بنایا تھا۔ بنابریں آیت اپنے ظاہری معنی پر رہے گی۔ لیکن پھر بھی آئندہ طاہرین کا اس سے خالق ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس امر کی لفی ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر یہ مخصوصین بھی خالق ہوتے تو جہاں ان مذکورہ بالا چار افراد کا احادیث میں ذکر کیا گیا تھا

وہاں یہ بھی مذکورہ ہوتا کہ ہم آنکہ اہلیت بھی خالق ہیں لیکن جب یہ اور دنیس تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خالق نہیں ہیں۔ اب محض قیاس آرائی سے کام نہیں لیا جا سکتا۔ فیان اول الناس من قاس ابلیس۔“

مؤلف صاحب نے پھر اپنی نیت ظاہر کر دی ہے کہ چاہے جس کو خالق کہہ لو مگر آئندہ اہلیت کو خالق نہیں کہہ سکتے۔ اس عبارت میں پہلے تو آپ یہ فرماتے ہیں کہ خالق کا لفظ ‘من باب المجالز’ ہے۔ ان کا یہ لفظ جگہ جگہ انکی کتاب میں آیا ہے۔ جہاں اہلیت کی فضیلت ثابت ہوتی ہے مگر یہ خود ان کا قیاس ہوتا ہے جو ان کے بقول اول من قاس ابلیس، ہے۔ کیونکہ پہلے انہوں نے خالقین کا لفظ بالکل بے معنی اور مہمل قرار دیا ہے۔ یعنی بالکل فرضی۔ چنانچہ خود لکھتے ہیں۔

”کہ جب صنعت کے ماہروں کا کمال ظاہر کرنا ہوتا ہے تو عرب کے دستور کے مطابق ایک فرضی جمع کا صیغہ لا کر اس ماہر کو حسن اور خیر کے لفظ سے تفصیل دے دیتے ہیں۔ جیسے احسن التاجرین، احسن التجارین، احسن الحدادین، خیر الخبازین، خیر البقالین یہ ضروری نہیں ہوتا کہ دوسرے صنعت کا رضور موجود ہیں۔“ (حسن الفوائد، ج ۳۲۳)

محمد و آل محمد جامعِ کمالاتِ انبیاء ہیں

مگر یہ فرمائیے کہ دیگر انبیاء میں جتنے کمالات ہیں وہ تمام کمالات ان ذوات مقدسہ میں موجود ہیں یا نہیں۔ اگر یہ حضرات ہر کمال اور ہر صفت میں تمام انبیاء سے افضل ہیں تو پھر حضرت عیسیٰ اگر خلق کر سکتے ہیں، مادرزاداند ہے کو بینا بنا سکتے ہیں، اور یہ بتا سکتے ہیں کہ تم نے کیا کھایا ہے، اور تمہارے گھر میں کیا کیا ذخیرہ ہے تو کیا یہ کمالات محمد و آل محمد میں نہیں ہیں؟ اگر نہیں ہیں تو ان حضرات کو تمام کائنات سے ہر کمال ذاتی میں کیوں افضل تسلیم کرتے ہو۔؟ اگر یہ کمالات موجود ہیں تو پھر ان ذوات مقدسہ کے لئے انکار کیوں ہے۔؟

لیجئے آپ کی اسلی کے لئے ایک حدیث امیر المؤمنین پیش کرتے ہیں:-

قال امیر المؤمنین والذى بعثه بالحق نبيا ما من اية كانت لا حد من الانبياء من لدن ادم الى ان انتهى الى محمد الا وقد

کان لمحمد مثلاً و افضل منها۔ (احجاج طبری، ج ۱۵)

”حضرت امیر المؤمنین فرماتے ہیں کہ اس ذات واحد و یکتا کی قسم کہ جس نے محمد عربی کو نبی مبعوث فرمایا ہے کہ جو مجذہ بھی کسی نبی کے لئے آدم سے لے کر آخر پرست تک ثابت ہے ویسے ہی تمام کے تمام مجذات بالیقین حضرت محمد مصطفیٰ کیلئے ثابت ہیں بلکہ ان سے بھی افضل۔“

اب آپ فرمائیے کہ آپ کو حضرت مولاؐ کائنات امیر المؤمنین کے حلفیہ بیان پر اعتبار ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو اپنے تمام قیاسات الہی قیاس تسلیم کر کے الہی تحفہ سے جان چھڑائیے اور ہماری طرح ایمان لے آئیے کہ محمد وآل محمد میں وہ تمام کمالات موجود ہیں جو تمام انبیاء میں جتنے جتنے تھے اور اگر میرے مولاؐ کے اس بیان حلقی پر اعتبار نہیں ہے تو پھر ہمیں ناصبی کے معنی بتائیے۔

نیز حضرت امیر المؤمنین نے ایک یہودی سے فضائلِ رسالت مآب بیان کرتے ہوئے فرمایا:-

ساذکِ الیوم من فضائل رسول اللہ ما یقر اللہ به عین
المومنین و یکون فیہ ازالۃ لشک الشاکین فی فضائل صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم انه کان اذا ذکر لنفسه فضیلۃ قال ولا
فخر وانا اذا ذکر لک فضائلہ غیر مز بالا نباء ولا منتقص لهم
ولکن شکراً اللہ عزوجل علی ما اعطی مُحَمَّدٌ مثلاً ما اعطاهم
ومزاده اللہ وما فضلہ علیهم۔ (احجاج طبری، ج ۱۰۲)

”حضرت امیر المؤمنین نے فرمایا کہ آج میں تیرے سامنے کچھ فضائلِ رسول اللہ بیان کرتا ہوں۔ آخر پرست جب کبھی اپنی فضیلت بیان فرماتے تھے تو فرماتے تھے کہ میں کوئی فخر نہیں کرتا ہوں اور آج میں بھی جو کچھ فضائل بیان کرتا ہوں اس سے میرا ارادہ نہیں ہے کہ معاذ اللہ ان بیان کی تو ہیں مقصود ہے یا ان میں کوئی نقص دکھانا مطلوب ہے۔ نہیں بلکہ خداۓ عزوجل کا شکر ادا کرنا پیش نظر ہے اس فضیلت پر کہ خداوند عالم نے جو کچھ تمام انبیاء کو عطا کیا ہے وہ تمام کمالات و مجذات آخر پرست کو عطا فرمادیے ہیں اور ان سے بھی زیادہ عطا فرمائے ہیں اور ان سب پر آخر پرست کو فضیلت دی ہے۔“

مؤلف صاحب کواب توجائے دم زدن نہیں ہے کہ ان احادیث کو نظر انداز کر سکیں۔ لہذا

تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ جتنے کمالات و فضائل دیگر ان بیان کو عطا کئے گئے وہ سب اور ان سے زیادہ آنحضرتؐ کو عطا ہوئے ہیں۔ احادیث کثیرہ متواترہ سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ تمام کمالات ان بیان کے وارث الہبیت ہیں۔ لہذا ہمارے تمام آئمہؐ میں حضرت عیینؑ سے زیادہ خلق کی قوت ہے۔ وہ تو مٹی ہی سے پرندے خلق کرتے تھے، یہ حضرات تو شیر قالین کو مجسم شیر بنایتے ہیں اور پھر اس کو اسی حالت پر بذریعہ امر اہلی و اپس شیر قالین یعنی تصویر بنادیتے ہیں۔ یعنی خلق کی بھی طاقت ہے اور امر کی بھی۔ اور یہ حضرات مظہر ہیں خدا کی صفت لہ الخلق والامرؐ کے یعنی خدا ہی کیلئے خلق ہے اور اسی کے لئے امر ہے۔ ان حضرات نے خدا کی اس صفت کی معرفت دنیا کو کرائی تاکہ خدا کی اس صفت پر ایمان لا یا جائے اور حضرت عیینؑ بن مریمؓ نے صرف قوت خلق کا مظاہرہ کیا تھا مگر امر کا اظہار نہیں کیا تھا۔ مگر ان حضرات نے خلق و امر دونوں کا مظاہرہ فرمایا ہے۔ اسی لئے صاحب الحلق حضرت عیینؑ ہمارے صاحب الامر حضرت جنت عجل اللہ فرجہؐ کی اقتداء میں نماز پڑھیں گے، جو متفق علیہ ہیں اسلامیں ہے۔ بلکہ محمدؐ وآلؐ محمدؐ نے احیاء مولیٰ وغیرہ تمام مجررات دکھلائے ہیں۔

چنانچہ امام رضاؐ کا ارشاد ہے:-

قال الرضا لقد اجتمع قريش الى رسول الله فسئلوا ان يحيى لهم مرتاهم فرحيه معهم على بن ابي طالب فقال له اذهب الى الجباتة فناد باسماء هو لا الرهط الذين يستلون عنهم يا على صوتک يا فلان ويافلان ويافلان يقول لكم رسول الله محمد قوموا اباذن الله عزو جل فقاموا اينقضون التراب عن رؤسهم فاقبلت قريش تستلهم عن امورهم ثم اخبروه ان محمد قد بعث نبيا فقالوا الوردنادر كناه فتومن به و لقد ابرء الاكمه والا برص والمجانين و كلمته البهائم والطير والجن والشياطين ولم نتخدده ربنا من دون الله عزو جل.

”حضرت امام رضاؐ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ جناب رسولؐ کی خدمت میں کچھ قریش جمع ہوئے اور آنحضرتؐ سے سوال کیا کہ ان کے مردوں کو زندہ کر دیں۔ پس آنحضرتؐ نے ان

کے ہمراہ علی ابن ابی طالبؑ کو روانہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اے علی قبرستان میں جاؤ اور ان مردوں کو آواز دو جن کو یہ لوگ زندہ کرانا چاہتے ہیں۔ اور باواز بلند ان کا نام لے کر پکارو اے فلاں اے فلاں تم کو رسول اللہ محمدؐ نے حکم دیا ہے کہ باذن خدا انہوں اور کھڑے ہو جاؤ۔ یہ کہنا تھا کہ وہ مردے انہوں کے ہوئے اور اپنے سروں سے مٹی جھاڑ کر قریش سے گفتگو کرنے لگے اور قریش نے ان کو بتایا کہ رسول محمدؐ مبعوث ہوا ہے تو انہوں نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ ان کی خدمت میں اگر پہنچ جائیں تو ان پر ایمان لا میں۔ حضرت امام رضاؑ نے فرمایا کہ اس کے علاوہ جناب رسولؐ خدا نے مادرزادوں کو بینا کیا ہے اور مبروس و مجنون کو بھی شفادی ہے اور ان سے چوپائیوں اور پرندوں نے بھی باتیں کی ہیں اور جنات و شیاطین نے بھی گفتگو کی ہے۔ مگر باوجود ان مججزات کے ہم نے رسولؐ خدا کو اپنارب خدا کے سوانحیں بتایا۔“

ناظرین کرام اس قسم کے بکثرت مججزات محمدؐ وآل محمدؐ کے موجود ہیں اور کتاب مدحہ العاجز میں بھی ہزار ہامججزات درج ہیں جس پر علمائے اعلام کا مکمل اعتماد ہے۔ اور بخار الانوار میں بھی بکثرت مججزات منقول ہیں جن کو حضرت علامہ مجلسیؒ جیسی ہستی نے معتمد و معتر باتفاق تحریر فرمایا جن کی روشنیں کی جاسکتی۔

اگر میں تمام انبیاءؐ کے کمالات و مججزات تحریر کروں تو عیحدہ ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔ اب آپ فرمائیے کہ ایسی کتاب کا نام احسن الفوائد غلط نام نہیں ہے؟

اہلیتؐ کی فضیلت کو چھپانا سب سے بڑا قتل ہے

قال علی بن الحسینؑ اعظم من هذا القتل ان يقتله قتلا لا ينجرو لا يحيى بعده ابدا قالوا اما هو؟ قال ان يضله عن نبوة محمدؐ و عن ولایة علی ابن ابی طالبؑ فهذا هو القتل الذي هو تحلید المقتول في نار جهنم خالدا مخلدا افجزاء هذا القتل مثل ذالك الخلو في نار جهنم. (حجاج طبری، ج ۱۶۲)

”حضرت امام زین العابدینؑ نے فرمایا ہے جو عام قتل ہوتے ہیں ان کا قصاص بھی ہے مگر ایک قتل ان سے بڑا ہے کہ جو بھی اس طرح قتل ہو جائے گا تو اس کی کوئی تلافی ہی نہیں ہے

اور نہ وہ کبھی زندگی پائے گا۔ لوگوں نے دریافت کیا مولا وہ کون سا قتل ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ وہ قتل یہ ہے کہ کسی کی نبوت محمد عربی کی شان سے گمراہ کر دیا جائے اور حضرت علی کی شان ولایت سے گمراہ کر دیا جائے۔ پس یہ وہ قتل ہے کہ مقتول بھی واصل جہنم ہو گا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے، اور قاتل کو بھی اسی طرح ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نار جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔“

اب ذرا مولف صاحب آنکھیں کھول کر اس حدیث مبارک کو پڑھیں اور بتائیں کہ جو حقوق ہلمیت کو تلف کرے گا اور لوگوں کو ان کی شان و فضیلت سے اور ان کی نبوت و ولایت کی معرفت سے گمراہ کرے گا تو وہ قاتل ہے، اور جس کو گمراہ کرے گا وہ مقتول ہے۔ یہ دونوں ہی خالدًا مخلداً ابداً فی نار جہنم ہوں گے اور ان کو کوئی تلافی نہیں ہے۔

لہذا اب اگر یہ لوگ چارا فردا کو تو خالق تسلیم کرتے ہیں اور محمد و آل محمد سے اس فضیلت کو جدا کرتے ہیں اور ان کی حق تلفی فرماتے ہیں تو ان لوگوں نے جن کو بھی اپنا ہم خیال بنالیا اور ان کی اس کتاب کو پڑھ کر ان کے ہمنوا ہو گئے وہ بے چارے تو مقتول ہو گئے! اور یہ قاتل قرار پائے۔ لہذا ان پر حدیث مذکور صادق آئے گی۔

اب ان کا کیا خیال ہے تو بے کارا دہ ہے یا نہیں؟ کیونکہ تلافی کی کوئی اور صورت ممکن نہیں ہے۔

کیا غیر خدا کو راز کہنا صحیح ہے

دلیکن رزق کے دوسرے لغوی معنی کسی کو کچھ بلا عوض دینا بھی ہیں۔ جیسے ہبہ، ہدیہ اور وصیت نیز عطیہ جاریہ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے رزق السلطان جنده بادشاہ نے اپنے لشکر کو رزق دیا۔

معلوم ہوا کہ لغوی اعتبار سے رزق کے معنی عطا کرتا ہیں۔ اس اعتبار سے غیر خدا کی طرف اس کی نسبت 'مجازاً' جائز ہے۔ اس کی تائید بعض آیاتِ قرآنیہ سے بھی ہوتی ہے ارشادِ قدرت ہے۔

وَاذَا خَضَرَ الْقَسْمَةُ اُولُو الْقَرْبَىٰ وَالْيَتَمُّ وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قُوْلًا مَعْرُوفًا۔ (پارہ ۲۷۔ سورہ نسا، ۱۳)

"جب ترکہ کی تقسیم کے وقت وہ قرابدار جن کا کوئی حصہ نہیں اور یتیم بچے اور محتاج لوگ آ جائیں تو انہیں بھی اس میں سے کچھ دے دو۔ اور ان سے اچھی طرح بات کرو۔" (ترجمہ قرآن)

اتاب حقائق الوسانطینی منت محمد علی محمد

یہاں اس آیت میں عام لوگوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ تقسیم و راثت کے وقت قرابداروں،
تیمیوں، مسکینوں کو کچھ رزق دیں ان کو عطا کریں۔ (اصول الشریعہ، ص ۱۱۶)

محمد وآل محمد ایتاء و اغناء و فضل کے مالک ہیں

اس کے بعد مؤلف صاحب نے ہمارے پہلی معرفت محمد وآل محمد پر تبصرہ فرمایا ہے اور
ہمارے بیان کو ساتواں شبہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ اصول الشریعہ، ص ۱۱۶ پر تحریر فرماتے ہیں:-
ساتواں شبہ اور اس کا جواب:- ارشاد و قدرت ہے:-

ولو انهم رضوا ما اتھم اللہ و رسوله و قالو احسبنا اللہ سیرتنا
اللہ من فضله و رسوله انا الی اللہ راغبون۔ (آل آیت)

”یعنی جو کچھ خدا نے اور اس کے رسول نے ان کو اپنے فضل و کرم سے عطا فرمایا ہے اگر
یہ اس پر راضی رہتے اور کہتے کہ خدا ہمارے لئے کافی ہے۔ ہمیں اللہ اور اس کا رسول دونوں
اپنے فضل و کرم سے عطا کریں گے۔ ہم یقیناً خدا کی طرف رغبت رکھتے ہیں۔ تو یہ اظہار ان
کے لئے ثبوت ایمان کی دلیل ہوتا۔“

ارشاد فرمایا:-

وَمَا نَقْمُوا إِلَّا اَنْ اَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ.

”اور ان لوگوں نے صرف اس وجہ سے مخالفت کی ہے کہ اللہ نے اور اس کے رسول نے
اپنے فضل و کرم سے ان کو مالدار بنایا ہے۔“ (پہلی فصل مذکور، ص ۱۲)

اس شبہ کے جواب میں ہمیں مزید خامہ فرسائی کی ضرورت نہیں ہے۔ سابقہ شبہ کے
جواب سے اس شبہ کا جواب باصواب معلوم ہو جاتا ہے کہ:
یہاں ایتاء و اغناء کی نسبت من باب المجاز، بالکل اسی طرح پیغمبر اسلام کی طرف
دی گئی ہے جس طرح ہر مالدار کو حکم دیا گیا ہے کہ:

وَإِنْتُمْ هُمْ مِنْ مَالِ اللَّهِ الَّذِي أَنْتُمْ كُمْ. (پارہ ۱۸۔ سورہ توبہ، ع ۱۰)

”مال سے غرباء و مساکین کو اسی طرح عطا کرو جس طرح اس نے تم کو عطا کیا ہے۔“
(اصول الشریعہ، ص ۱۱۶)

ہم نے اپنے پھلٹ 'معرفت محمد وآل محمد' میں ایک عنوان قائم کیا تھا:-
ایتاء واغناء و فضل:

اور اس عنوان کے تحت یہ عبارت مندرجہ ذیل تحریر کی تھی جس کو مؤلف صاحب نے چھوڑ دیا ہے اور استدلال کی کرتا ہے کہ درمیان سے عبارت لکھ دی ہے۔ یہ ان کی بد دیانتی اس لئے قابل معافی نہیں ہے کہ معاملہ فضیلت اہلیت کا ہے۔ ورنہ ذاتی معاملہ ہوتا تو ہم معاف کر دیتے۔ ہماری عبارت ملاحظہ فرمائیے:-

قرآن مجید میں کسی کو کچھ دینے اور عطا کرنے کی نسبت اور غنی کر دینے کی نسبت اور فضل و کرم کی نسبت غیر خدا کی طرف موجود ہے اور خدا نے اپنے ساتھ ساتھ ان افعال کی نسبت اپنے نبی کی طرف بھی دی ہے۔ اور مخصوصیت نے ان آیات کو مخالفین کے مقابلہ میں بطور ثبوت پیش کیا ہے۔

تمام دنیا اہلیت کی ملکیت ہے

"امام جعفر الصادقؑ نے فرمایا ہے کہ تمام دنیا امام کی ملکیت ہے جس طرح چاہے صرف کرے جس کو چاہے عطا کرے اور جس کو چاہے روک دے۔ اللہ کی طرف سے یہ اختیار دیا گیا ہے۔"

امام حسن عسکریؑ سے کسی نے دریافت کیا کہ کیا رسول خدا کو دنیا میں سے صرف خس ہی عطا ہوا ہے؟ تو امامؑ نے جواب میں فرمایا کہ بالتحقیق دنیا اور جو کچھ اس میں ہے سب رسول خدا کی ملکیت ہے۔

بلکہ کتاب کافی میں ایک باب ہی اسی نام کے ساتھ مخصوص ہے:-

'باب ان الارض كلها للامام'

"یعنی کل زمین امام ہی کمال ہے۔"

حضرت امیر المؤمنینؑ نے فرمایا ہے کہ خداوند عالم جس کے ہاتھ پر چاہے اپنے ارادہ کا اظہار کرے اور اسی طرح عطا کرے یا منع کرے اور اسی طرح ثواب دے یا عذاب دے۔ جس کے ہاتھ پر چاہے انجام دے اور امنا کا فعل اسی کا فعل ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے: کہ اے محمد وآل محمد آپ حضرات وہی چاہتے ہیں جو خدا چاہتا ہے۔ (احجاج طبری، ص ۱۲۳)

رائے اور قیاس کی ممانعت

عن عیسیٰ بن عبد اللہ قال دخل ابو حنیفہ علی ابی عبد اللہ
فقال يا ابا حنیفہ قد بلغنى انک تقيس فقال نعم فقال لاتقس
فان اول من قاس ابلیس لعنة الله۔ (احجاج طبری، ص ۱۸۶)

”عیسیٰ بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ ایک روز ابو حنیفہ امام جعفر الصادق کے پاس آئے تو
حضرت نے فرمایا کہ اے ابو حنیفہ مجھے خبر ملی ہے کہ تم قیاس کرتے ہو؟ انہوں نے کہا جی ہاں
حضرت نے فرمایا کہ دیکھو قیاس نہ کیا کرو۔ کیونکہ سب سے پہلے ابلیس ملعون نے قیاس کیا تھا۔“

قال امیر المؤمنین قال لی رسول اللہ انک ستقاتل بعدی الناکہ
والقاسطة والمارقة و حلامہ و سماهم رجلا و تجاہد من امته
من خالف القرآن و سنتی ممن یعمل فی الدین بالرأی ولای
فی الدین انما هوامر الرب و نهیہ۔ (احجاج طبری، ص ۹۶)

”حضرت امیر المؤمنین فرماتے ہیں کہ مجھے آنحضرت نے آگاہ فرمایا کہ تم اے علی
میرے بعد ناکثین و قاطین اور مارقین سے جنگ کرو گے۔ اور ان کا حلیہ اور نام بھی بتائے اور
فرمایا کہ اے علی تم ان لوگوں سے بھی جہاد کرو گے جو قرآن اور میری سنت کے خلاف ان میں
اپنی رائے پر عمل کریں گے اور اے علی دین میں رائے نہیں ہے۔ وہ تو خدا کا امر وہی ہے۔“

دینی امور میں رائے کو خل نہیں

اس حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ دینی امور میں رائے کو خل نہیں ہے لہذا میں ان
صاحبان کی خدمت میں عرض کروں گا کہ آپ نے اپنی تمام کتاب ہی رائے و قیاس سے مرتب
کی ہے۔ ہر فضیلتِ الہمیت کی تاویلیں فرماتے ہیں۔ بھی کہتے ہیں یہ معنی ہوں گے۔ پھر پینترہ
بدل کر فرماتے ہیں کہ یہ معنی ہوں گے۔ پھر تحقیق و تاب میں آکر فرماتے ہیں یہ معنی ہوں گے۔
اب آپ فرمائیے یہ رائے نہیں تو اور کیا ہے آپ کی تلوں مزاجی سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو حقیقت
کا علم نہیں ہے۔ ورنہ آپ صحیح طور پر فرمادیتے کہ اس دینی امر کا یہ مطلب ہے اور اس کا حوالہ
قرآن یا حدیث سے دے دیتے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو حقیقت کا علم نہیں

ہے۔ جب ایسی صورت پیش آجائے تو بہتر یہی ہے کہ آپ اپنی لائی کا اعتراف کر لیں اور دین کو باز پچھے اطفال نہ بنائیں۔ ورنہ آپ خود اپنی سزا آئندہ طاہرین کی حدیث کی روشنی میں تجویز کر لیں اور اس سزا کے لئے تیار ہو جائیں۔

شیعہ اور عدو اور غالی کی شناخت

عن علیٰ قال قال رسول اللہ مثلک فی امتی مثل
المسیح بن مریم افترق قومہ ثلث فرقہ مومنون وهم
الحواریون و فرقۃ عادوہ وهم الیہود و فرقۃ غلوافیہ
فخر جو عن الایمان و ان امتی ستفترق فیک ثلث فرق
قفرقۃ شیعتک وهم المومنون و فرقۃ عدوک وهم الشاکون
و فرقۃ غلوافیک وهم الجاحدون و انت فی الجنة یا علیٰ و
شیعتک و محب شیعتک. وعدوک والغالی فی النار.

(بخار الانوار، جلدے، ص ۳۲۸)

”حضرت امیر المؤمنین نے فرمایا ہے کہ مجھ سے رسول اللہ نے فرمایا کہ اے علیٰ تمہاری مثال میری امت میں ایسی ہے جیسے سجاد بن مریم۔ ان کی قوم کے تین فرقے ہو گئے تھے۔ ایک فرقہ مومن اور وہ حواریٰ عیسیٰ ہیں اور دوسرا دشمن اور وہ یہود ہیں اور تیسرا فرقہ غالی (جنہوں نے خدا کہا) وہ ایمان سے خارج ہو گئے۔ اسی طرح میری امت کے تین فرقے ہو جائیں گے۔ تمہارے باب میں ایک فرقہ تمہارا شیعہ ہو گا اور یہی مومنین ہیں اور دوسرا دشمن اور وہ شک کرنے والے ہیں (تمہاری شان کو نہ پہچاننے والے) اور تیسرا فرقہ غالی اور وہ کافر ہیں۔ اور تم اے علیٰ جنت میں ہو گے اور تمہارے شیعہ اور شیعوں کے دوست بھی جنت میں ہوں گے اور شک کرنے والے اور خدا کہنے والے جہنم میں ہوں گے۔“

اب ہلبیت طاہرین خصوصاً امیر المؤمنین کی فضیلت و شان میں جو بھی شک کرنے والے اور ان کے درجہ سے گھٹا کر ان حضرات کو اپنی نوع میں داخل کرنے والے اور ایک نوع سمجھ کر ان کی جگہ مبارک بھجنے والے یہ سب شاکین ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ ان حضرات کے مراتب

میں شک کرتے ہیں۔ الہذا یہ فرقہ پست فرقہ ہے۔ اور جنہوں نے خدا بنا لیا وہ فرقہ اور پر نکل گیا اور جو شیعہ فرقہ ہے وہ درمیان میں ہے کیونکہ اس فرقہ نے نہ خدا بنا یا اور نہ ان کے مراتب سے گھٹایا۔ الہذا یہی مونین شیعہ فرقہ ہے۔ اب ہم تیسری بار یاد دہانی کر کے حضرت جنت کا تحریری فرمان یعنی تو قیع پیش کرتے ہیں جس سے شاکین اور مونین کا پتہ لگ جائے گا اور ہر صاحب عقل شناخت کرے گا کہ شک کرنے والے کون ہیں۔

فرمان حضرت صاحب الزمان

بسم الله الرحمن الرحيم

خداوند عالم ہمیں فتنوں سے محفوظ رکھے اور ہمیں اور تمہیں روح یقین عطا فرمائے اور ہمیں اور تمہیں انجام بد سے پناہ دے۔ یہ خبر پہنچائی گئی ہے کہ تمہاری ایک جماعت کو دین میں شک ہے اور اولی الامر کے متعلق ان کے دلوں میں حیرت و شبہ ہے۔ اس بات سے ہمیں تمہارے لئے غم ہوانہ کہ اپنے لئے اور تمہارے لئے بُر محسوس ہوانہ کہ اپنے لئے۔ کیونکہ یقیناً خدا ہمارے ساتھ ہے اور اس کے ہوتے ہوئے ہمیں کسی کی احتیاج نہیں ہے اور چونکہ حق ہمارے پاس ہے اس لئے کسی کے جدا ہو جانے سے ہمیں کوئی وحشت نہیں ہے۔

ہم اپنے رب کی صنعتیں ہیں اور اس کے بعد تمام خلق ہماری صنعتیں ہیں۔ اے لوگو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم شک و شبہ میں سرگرد ایں ہو اور حیرت و استجواب میں کروٹیں بدل رہے ہو۔ کیا تم نے خدائے عز و جل کا قرآن میں یہ فرمان نہیں سنائے اے ایمان والو خدا کی اطاعت کرو اور اس کے رسول و صاحبان امر کی اطاعت کرو۔ کیا تمہیں ان چیزوں کا علم نہیں ہے جنکے بارے میں آثار و اورد ہو چکے ہیں کہ تمہارے آئندہ کی شان میں کیا کیا حادثے پیش آئیں گے۔ ان کے گزشتہ اور باقی پر سلام ہو۔ کیا تم نے دیکھا کہ خداوند عالم نے تمہارے لئے مصائب میں پناہ لینے کے لئے مجاہد ماوی بنادیئے ہیں۔ جن سے تم اپنی مصیبتوں میں پناہ لیتے ہو۔ اور اس کے ساتھ انہیں ہدایت کا نشان بھی قرار دیا ہے کہ جن سے تم ہدایت دینی حاصل کرتے ہو اور یہ مجاہد ماوی اور اعلان ہدایت کا سلسلہ آدم سے لے کر وفات پانے والے امام حسن عسکری کے وجود ذی جود تک مسلسل قائم رہا ہے۔ جب بھی کوئی نشان پوشیدہ ہوا ہے فوراً

اتقاب حقائق الوسانط - بنی مفت محدث آن محمد

دوسراعلم و نشان ظاہر ہو گیا ہے اور جب بھی کوئی ستارہ غروب ہوا ہے فوراً اس کی جگہ دوسرا ستارہ طلوع ہو گیا ہے۔ جب امام حسن عسکریؑ کو خدا نے اپنی بارگاہ میں بلا لیا تو کیا تمہارا خیال ہے کہ خدا نے دین کو معدوم کر دیا اور اپنی ذات اور مخلوق کے درمیان رابطہ توڑ دیا؟ ہرگز نہیں۔ کبھی ایسا نہیں ہوا۔ اور نہ قیامت تک کبھی ایسا ہو گا۔ امر خداوندی ظاہر ہوتا ہی رہے گا خواہ مخالفوں کو ناگوار ہوتا رہے۔ حضرت امام حسن عسکریؑ اپنی سعادتوں سمیت بارگاہ خداوندی میں چلے گئے اور ہم سے جدا ہو گئے جیسا کہ ان سے پیشتر ان کے آباء اجداد وفات پاچکے ہیں اور ان سب کی حیثیت بالکل ایک جیسی ہے۔ سرموفرق نہیں ہے اور اب ہم میں ان کی وصیت اور ان کا علم موجود ہے اور ان ہی کی جائشی اور ان ہی کی قائم مقامی ہے۔ ہم سے اس بارے میں ظالم و گنہگار کے سوا کوئی زرع نہیں کر سکتا اور جو شخص بھی ہمارے سوا جائشی کا دعویٰ کرے گا وہ کافروں مفکر ہو گا اور اگر یہ مشیتِ خداوندی نہ ہوتی کہ اس کے امر کو نمایاں نہ ہونے دیا جائے اس کے پوشیدہ راز کو فاش نہ کیا جائے تو ہمارے حق میں وہ چیزیں ظاہر ہو جاتیں کہ تمہاری عقلیں پر اگنہ ہو جاتیں اور تمام شکوہ زائل ہو جاتے (یعنی وہ خرق عادات اور کمالات دکھادیے جاتے جن کو تمہاری عقلیں برداشت نہ کر سکتیں) اور تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتے۔ لیکن وہی ہو گا جو خدا چاہتا ہے اور ہر مدت معینہ کے لئے ایک نوشتہ موجود ہے۔ یعنی ان امور کے لئے وقت معین ہے۔ تم خدا کی نافرمانی سے بچو اور ہمارے اس امر کو قبول کر لو اور ہمارا یہ امر ہماری ہی طرف لو بناو۔ کیونکہ اس امر کا صادر کرنا اور وارد کرنا ہمارا ہی کام ہے اور جو چیزیں تم سے پوشیدہ رکھی گئی ہیں ان کے کشف کا قصد نہ کرو اور دائیں سے باعیں نہ مڑو۔ اور محبت کے ساتھ ہمارا ہی قصد کرو یہی سنت واضحہ کے مطابق ہے۔ میں نے تمہیں نصیحت کر دی ہے اور خداوند عالم مجھ پر اور تم پر گواہ ہے۔ اور اگر ہمیں تمہاری محبت اور تم پر مہربانی و شفقت کا لحاظ نہ ہوتا تو تم سے کبھی اس سلسلہ میں ہم بات بھی نہ کرتے جس کے امتحان میں ہم آزمائے جا رہے ہیں۔ ایک ظالم، سرکش، گمراہ جو اپنی گمراہی پر اڑا ہوا ہے اور اپنے رب سے ضد کرتا ہے اور اس مرتبہ کا دعویٰ کرتا ہے جو اس کو حاصل نہیں ہے اور اس کے حق کا انکار کرتا ہے جس کی اطاعت خدا نے اس پر فرض کر دی ہے۔ یہ شخص ظالم و غاصب ہے اور میں اسی طرح صبر کر رہا ہوں جس طرح بنت رسولؐ نے صبر کیا تھا۔ خدا ان پر اور ان کے پدر گزر گوار رسولؐ خدا پر درود وسلام بھیجے اور

عنقریب یہ جاہل اپنے غلط علم کا خمیازہ بھگتے گا اور عنقریب منکر کو پتہ لگ جائے گا کہ کس کے لئے دار آخوت ہے۔ خداوند عالم ہمیں اور تمہیں اپنی رحمت سے تمام مہلوکوں، برائیوں، آفتوں اور بلااؤں سے محفوظ رکھے کیونکہ وہ اس کا مالک ہے اور جو چاہے اس پر قادر ہے۔ خدا ہمارا اور تمہارا سر پرست و محافظ ہو۔ تمام اوصیاء اور اولیاء اور تمام مومنین پر بھی ہمارا سلام اور خدا کی رحمت و برکت ہو اور خداوند عالم محمد وآل محمد پر درود وسلام بھیجے۔

اس فرمان صاحب الزمان میں کس قدر صاف اور واضح الفاظ میں امور تکونیہ و تخلیقیہ کی قدرت و طاقت کا ذکر ہے اور کس قدر نمایاں طور پر فرمایا ہے۔

کہ ہمارا بنانے والا خدا ہے۔ کیونکہ وہی ہے جو لاشے سے شے بناتا ہے۔ اس لئے ہم اپنے رب کی صنعتیں ہیں کیونکہ اول مخلوق ہیں۔ اور اس کے بعد جب ہم وجود میں آگئے تو اب وجود سے وجود ظاہر ہوا۔ اور چونکہ فعل امناء اللہ اسی کا فعل ہے جیسا کہ حضرت امام اول کے بیان حق ترجمان سے ہم پیش کر چکے ہیں۔ یعنی خالق کل شے صرف خدا ہی ہے اس لئے خالق مطلق کا لفظ بس اسی کے لئے مخصوص ہے اور انہیاء و آنہ طاہرین بھی خلق کرتے ہیں۔ مگر ان کے خالق ہونے کے معنی شے سے شے کو وجود میں لانا ہے۔ جیسے حضرت عیسیٰ کے لئے لفظ خالق ہے۔ الہذا دونوں کے معنی میں فرق ہے۔ مگر چونکہ اس راز کو مولف صاحب نہیں سمجھ سکتے اور آنہ طاہرین کو خطرہ تھا کہ اس مطلب عمیق کو قاصرین و عاجزین نہیں سمجھ سکیں گے اس لئے حضرت جمعۃ‌الله فرج نے ایک دوسری توقع میں خلق و رزق کو اس معنی کے لحاظ سے خدا کے لئے مخصوص فرمایا ہے تاکہ قاصرین و عاجزین گمراہ نہ ہو جائیں۔ کیونکہ وہ 'توقع' غالیوں اور مفوضہ کی رو میں صادر ہوئی ہے اور اس کے ابتدائی فقرات یہ ہیں۔

ان اللہ هوا الذی خلق الاجسام و قسم الارزاق لا نہ لیس

بحجم ولا حال فی جسم لیس کمثله شنی۔

”یعنی خدا ہی وہ ہے کہ جس نے اجسام کو پیدا کیا ہے۔ کیونکہ وہ جسم نہیں ہے۔ یعنی عدم سے وجود میں لانے والے اجسام کا وہی خالق ہو سکتا ہے کیونکہ وہ جسم نہیں ہے اور نہ جسم میں حلول کرنے والا ہے۔ کیونکہ جو خود جسم ہو گا وہ جسم کو عدم سے وجود میں لانے والا نہیں ہو سکتا۔“

ای طرح رزق کو عدم سے وجود میں لانا بھی اس کا کام ہے۔ مگر جب اس نے اجسام کو عدم سے نکالا اور اجسام موجود ہو گئے تو اب شے سے شے بنانا غیر خدا کے لئے ثابت ہوا اور اس معنی سے غیر خدا خالقین کہلائے۔ لہذا مؤلف صاحب کو خلق کے ان دونوں معنی کو بلوظار کر کر دونوں توقع کا صحیح مطلب سمجھنا چاہیے۔

اسماے خدا و اسماء مخلوقین میں فرق

حضرت امام رضاؑ نے فرمایا ہے اے حسین بن خالد خدا قدیم ہے اور یہ صفت ظاہر کرتی ہے کہ کوئی خدا سے پہلے نہیں ہے اور نہ خدا کے ساتھ ہے اور یہ گمان کرنا کہ خدا سے پہلے یا اس کے ساتھ کوئی چیز ہے، باطل ہے۔ کیونکہ اگر خدا کے ساتھ کوئی چیز ہوتی تو یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ خدا نے اس کو پیدا کیا ہے اور اگر خدا سے پہلے ہوتی تو وہ خود اشیاء کو پیدا کرنے کی زیادہ حقدار ہوتی۔ خداوند عالم نے خلق کو پیدا کرنے کے بعد اپنی ذات کو اسماء کے ساتھ متصف فرمایا ہے۔ کیونکہ جب مخلوقات کو پیدا کیا اور ان کو مکلف بنایا اور اپنے احکام کی پابندی سے آزمایا تو خدا نے چاہا کہ میرے بندے مجھے پکاریں اور ان کے پکارنے کے لئے اس نے اپنی ذات کے لئے اسماء مقرر فرمائے اور ان اسماء سے اپنی ذات کو مسمی فرمایا۔ جیسے:

سمیع، بصیر، قادر، قاهر، قیوم، حی، ظاهر، باطن، لطیف،
خبیر، قوی، عزیز، حکیم، علیم وغیرہ۔

اور وہ لوگ جنمیں نے ہم پر دروغ کی تہمت لگائی اور ہمارے حق میں غلوکیا ہے انھوں نے ان اسماء کو دیکھا اور ہماری زبان سے یہ سنا کہ ہم کہتے ہیں کہ خدا کے مثل کوئی چیز نہیں ہے اور کسی مخلوق کی وہ صفت اور شان نہیں ہے جو خدا کی شان ہے تو ان غالیوں نے ہم سے کہا کہ ہمیں بتائیے کہ جب آپ حضرات فرماتے ہیں کہ خدا کی شبیہ اور مثل نہیں ہے تو آپ نے کس طرح فرمایا ہے کہ ہم خدا کے اسماء حصی ہیں اور اس کے ناموں میں کس طرح آپ حضرات کی مشارکت ہے اور تمام اسماء خدا کے مسی ہیں آپ حضرات ہیں۔ ہم اس دلیل سے سمجھتے ہیں کہ آپ حضرات مثل خدا ہیں کیونکہ آپ حضرات نے خدا کے تمام اسماء طیبہ کو اپنی ذات میں جمع کیا ہے اور آپ حضرات اس کے مثل ہیں اس کے تمام حالات میں یا بعض حالات میں یعنی آپ حضرات اس

کے اسماء حسنی ہیں اس لئے آپ حضرات اس کے مثل ہیں اور اس کے ناموں میں شریک ہیں۔

نحو الاسماء الحسنی اور غلو

آنہ طاہرین یقیناً خدا کے اسمائے حسنی ہیں مگر غالباً لوگ اس حدیث کا مطلب نہ سمجھتے کی وجہ سے غالی ہو گئے۔ اور حضرات معصومین کو خدا یا مثیلِ خدا بنادیا۔ حضرت امام رضا نے کس قدر رحمت فرمایا اور مثالیں دے دے کر سمجھا دیا ہے کہ خدا کے لئے جس قدر بھی اسماء ہیں وہ مخلوقات کے لئے صرف لفظ کے لفظ سے مشترک ہیں مگر معنی کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ لہذا اگر اختلاف معنی کے ساتھ وہ تمام اسماء محمد وآل محمد کے لئے استعمال کئے جائیں تو امام کی رہنمائی کی روشنی میں تمام اسماء الہی کا اطلاق ان حضرات کے لئے صحیح و درست ہے۔ غالبوں کی عقل میں یہ بات نہیں آئی تھی۔ جس طرح آج مقصراً ان صاحبائیں سمجھتے ہیں۔ مگر وہ لوگ گمراہ ہو گئے اور غالی بن گئے اور یہ لوگ قاصرین و عاجزین بلکہ مقصراً بن گئے۔ مگر ہم مواليان اہلبیت طاہرین اس راز کو سمجھتے ہیں اور خوب سمجھتے ہیں اس لئے ہم محمد وآل محمد گو خالق، رازق، مجی و میت تسلیم کرتے ہیں اور اس حدیث کی روشنی میں ان حضرات کو تمام صفات خدا کے ساتھ متصف مانتے ہیں اور یہی اعتقاد حق ہے جو غلو اور تقصیر کے درمیان صحیح مسلک ہے اور اسی لئے ہم عالم الغیب بھی تسلیم کرتے ہیں اور خدا کے اور ان کے درمیان میں بخلاف معنی فرق سمجھتے ہیں۔

حضرت علامہ مجلسیؒ نے اسی مقصد کو سمجھانے کے لئے اقسام غلو میں اس علم غیب کو داخل کیا ہے جو وحی والہام کے بغیر ہو اور ہم ایسا نہیں کہتے۔ بلکہ علم غیب خدا کا عطیہ تسلیم کرتے ہیں بلکہ ان حضرات کے تمام کمالات کو خدا کا عطیہ سمجھتے ہیں۔

اب تو کوئی مؤلف یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ عالم الغیب کہنے کے لئے کوئی حدیث ہی نہیں ہے۔ درحقیقت یہ لین تر ایسا اس لئے ہیں کہ اپنے محدود دائرہ علم پر ناز و تکبر کر کے بڑے بڑے القاب اپنے لئے بقلم خود تجویز کر کے سادہ لوح موئین اور کم علم شیعوں کو اپنے دام میں پھنسایا جا رہا ہے اور پھر اہلبیت کو اپنی نوع بتا کر تو ہیں کی جا رہی ہے۔ یہ لوگ سب سے اہم اسم خدا قدیم پیش کر سکتے ہیں مگر محمد وآل محمد کے لئے یہ لفظ بھی با اختلاف معنی صحیح و درست ہے کیونکہ قدیم و حدیث کا استعمال بکثرت موجود ہے۔

کیا علمائے سابقین کے لئے لفظ قدماء استعمال نہیں ہوتا ہے یعنی طویل گزشتہ زمانہ کے علماء۔ کیا شعراً کو قدیم و حدیث کا لفظ مدرسون میں نہیں پڑھایا جاتا ہے اور کیا زمانہ کے لئے زمانہ قدیم نظر سے نہیں گزرا ہے اور کیا قدیم الایام کا لفظ گوش گزار نہیں ہوا ہے۔ کیا آپ نے خود علماء کے لئے لفظ قدماء اپنی کتاب اصول الشریعہ کے ص ۲۹ پہلی سطر میں استعمال نہیں کیا ہے۔ مولوی توقیم بن جائے مگر محمد وآل محمد کے لئے شرک ہے۔

مقصر یہ صحابان کو معلوم ہونا چاہیے کہ قدیم بکسر قاف سابق کے معنی میں ہے اور جو سب سے سابق ہے وہ سب سے قدیم ہے۔ ذرا کتب لغت کا مطالعہ تو کیجئے۔ شاگردوں پر اپنی علیمت کا رب نہ جائے۔

چونکہ محمد وآل محمد خلق ت میں سب سے سابق ہیں لہذا قدیم ہیں کیونکہ سابق الموجودات ہیں۔

عظمت حضرت ابوطالب

عَن الصادقِ بْنِ أبائِهِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ إِنَّ امِيرَ الْمُؤْمِنِينَ ذَاتَ يَوْمٍ
جَالَ سَافِيَ الرَّحْمَةِ وَالنَّاسُ حَوْلَهُ مُجَمِّعُونَ فَقَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ فَقَالَ
يَا امِيرَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْتَ بِالْمَكَانِ الَّذِي أَنْرَلَكَ اللَّهُ بِهِ وَأَبْوَكَ
مَعْذِبَ فِي النَّارِ فَقَالَ لَهُ عَلَى بْنُ أَبِي طَالِبٍ مَهْ فَضَّ اللَّهُ فَاكَ
وَالَّذِي بَعَثَ مُحَمَّدًا بِالْحَقِّ نَبِيًّا لِوَشْفَعِ أَبِي فِي كُلِّ مَذْنِبٍ عَلَى
وَجْهِ الْأَرْضِ لِشَفْعَهُ اللَّهُ فِيهِمْ أَبِي مَعْذِبَ فِي النَّارِ وَابْنَهُ قَسِيمَ
الْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَالَّذِي بَعَثَ مُحَمَّدًا بِالْحَقِّ نَبِيًّا إِنَّ نُورَ أَبِي يَوْمَ
الْقِيَمَةِ لِيُطَفَّى نُورُ الْخَلَاقِ كُلُّهُمُ الْأَخْمَسَةِ أَنوارُ نُورُ مُحَمَّدٍ وَ
نُورِي وَنُورُ الْهَسَنِ وَنُورُ الْحَسِينِ وَنُورُ التَّسْعَةِ مِنْ
وَلْدَ الْحَسِينِ فَإِنْ نُورَهُ مِنْ نُورٍ نَاخْلُقُهُ اللَّهُ تَعَالَى قَبْلَ إِنْ يَخْلُقَ
أَدْمَ بِالْفَى عَامِرَ.

(احتجاج طرسی، ج ۱۶)

ایک روز حضرت امیر المؤمنین باہرمیدان میں لوگوں کے مجمع میں تشریف فرماتھے کہ ایک مرد نے آپ کی خدمت میں عرض کی یا امیر المؤمنین آپ کو ندانے کتنا بلند مرتبہ عطا فرمایا

ہے مگر آپ کے پدر بزرگوار جہنم میں معدب ہیں۔ یہ سنتے ہی حضرت نے فرمایا اے شخص خاموش ہو جا۔ خداوند عالم تیرا منہ بند کر دے۔ میں اس ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس نے محمد عربی کو بالحق نبی بنایا کر بھیجا ہے اگر میرے پدر بزرگوار والد عالی مقدار تمام روئے زمین کے گنہگاروں کی شفاعت فرمائیں تو انکی شفاعت کو خدا قبول فرمائے گا اور تمام گنہگار بخش دیئے جائیں گے۔ کیا باپ داخل نار ہے اور بیٹا قسم الجنة والنار ہے۔

اس ذات اقدس کی قسم کہ جس نے محمد عربی کو بالحق نبی بنایا کر بھیجا ہے بالتحقیق میرے بابا کا نور روز قیامت تمام خلائق کے نور کو خیرہ کرے گا مگر صرف پانچ انوار کو خیرہ نہیں کرے گا۔ نور محمد اور میرا نور اور حسن و حسین کا نور اور نو عدد حضرات کا نور جو میرے بیٹے حسین کی اولاد میں سے ہیں۔“

میرے پدر بزرگوار کا نور ہمارے ہی نور سے ہے۔ خداوند عالم نے ان کو حضرت آدم کی خلقت سے دو ہزار سال پیشتر پیدا کیا ہے۔ مولف صاحب اصل قدیم اور فرع کریم کا مطلب سمجھیں اور اصل قدیم کو فصلِ ممیز اور فرع کریم کو جس قرار دیں اور ان دونوں کے مجموعہ کا نام ”ججۃ اللہ“ ہے۔ لہذا ان کی نوع جدا گانہ ہے۔ جب تک یہ لوگ اپنے اس قیاسی طبعزاد اعتماد سے توبہ نہیں کریں گے اور محمد و آلِ محمد کو جدا گانہ نوع تسلیم نہیں کریں گے ان کو معرفتِ اہلبیت حاصل ہی نہیں ہو سکتی۔

ابھی تو ان کو صنف کے معنی بھی نہیں آتے۔ کیونکہ پورے اجماع قائلینِ وحدت نوع کی کوششوں کے بعد ان کو صرف ایک حدیث ملی ہے جس کو ان لوگوں نے اپنی کامیابی سمجھ کر بغلیں بجائی ہیں اور اصول الشریعہ کے ص ۳۹ پر یہ حوالہ درج کیا ہے۔ ہم من و عن ان کی عبارت نقل کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیے:-

”حضرت شیخ صدق اس سلسلہ میں حضرت ابوالقاسم حسین بن روح نائب خاص حضرت جنت کا استدلال نقل کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:-

ولَكُنْهُ عزوجل بعث اليهِم رسلاً مِّنْ أَجْنَاسِهِمْ وَ اصْنافِهِمْ
بِشَرٍّ مِّثْلِهِمْ فَلَوْبَعَثُ اليهِم رسلاً غَيْرَ صَنْفِهِمْ وَ صُورِهِمْ
لِنَفْرٍ وَاعْنَهُمْ وَلَمْ يَقْبَلُوا مِنْهُمْ.

لیکن خداوند عالم نے لوگوں کی طرف ان ہی کی جنس و صنف سے رسولوں کو بشر بنا کر بھیجا، اگر ان کی جنس و صنف کے علاوہ کسی اور صنف و صورت میں انہیاں کو مبوث کرتا تو لوگ ان سے نفرت کرتے اور ان کی بات قبول نہ کرتے۔” (طلیل الشرائع، جلد ۱، ص ۲۳۰، طبع قم) (اصول الشریعہ، ص ۲۹)

مؤلف نے یہ پہلی حدیث اپنی اور محمد و آل محمد کی ایک نوع ثابت کرنے کے لئے بڑے طمطراق کے ساتھ پیش کی ہے۔ مگر یہی حدیث ہمارے موقف اور ہمارے اعتقاد کی تائید کر رہی ہے۔ اس حدیث میں جنس اور صنف کے اشتراک کا ذکر ہے نہ کہ نوع کے اشتراک کا۔ جنس میں اشتراک کا کسی نے آج تک انکار نہیں کیا ہے اور صنف کسی شے کے ذاتیات اور اجزاءِ ذات کو نہیں کہتے ہیں اور نہ فصل ممیز کو کہتے ہیں کہ جس سے کسی شے کا قوام ہو۔ بلکہ یہ تو ایک عارضی نسبت ہے جیسے کلی، مدنی، عربی، ایرانی، ارضی، سماوی وغیرہ۔

اے طالب علمو! اپنے مولف صاحب کو سمجھاؤ اور کتب میزان دکھاؤ اور صنف کے معنی بتاؤ اور انہیں نصیحت کرو کہ اپنے حدود میں رہیں عوام کو دھوکا نہ دیں۔

نوع ثابت کرنے کے لئے صنف کی شرکت سے استدلال کرتے ہیں جو ادنی طالب علم بھی جانتا ہے کہ صنف عاری ہے اور نوع ذاتی ہے۔

محمد و آل محمد سے کوئی پوشیدہ نہیں ہے

ہم پھر اصل مسئلہ کے دلائل پیش کرتے ہیں یعنی علم غیب کے دلائل و برائیں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

قال ابو عبد الله قد ولدنی رسول الله وانا اعلم كتاب الله و
فيه بدء الخلق وما هو كائن الى يوم القيمة وفيه خبر السماء
وخبر الارض وخبر الجنة وخبر النار وخبر ما كان وخبر
ما يكون هو كائن اعلم ذالك كما انظر الى كفى ان الله
عزوجل بقول فيه تبيان كل شئي۔ (کافی، ص ۲۵)

”حضرت امام جعفر الصادقؑ نے فرمایا ہے کہ میں فرزید رسول ہوں اور میں خدا کی کتاب کا عالم ہوں اور اس کتاب میں ابتدائے خلق سے قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے

اتقاب حقائق الوسانط۔ بنی موسٹہم، آل محمد

سب موجود ہے اس میں آسمان کی خبر بھی ہے اور زمین کی بھی جنت کی بھی خبر ہے اور جہنم کی بھی اور جو کچھ گزر چکا اس کی بھی اور جو کچھ آئندہ ہونے والا ہے اس کی بھی خبر ہے۔ میں ان سب چیزوں کو اس طرح جانتا ہوں کہ جیسے میں اپنی ہتھیلی پر نظر کر لوں۔ خداوند عالم نے بالحقیقت فرمایا ہے کہ اس قرآن میں کل شے کا بیان موجود ہے۔“

اس حدیث سے ثابت ہو گیا کہ یہ ذات مقدسہ عالم قرآن ہیں اور قرآن میں کل شے کا بیان موجود ہے، اور تمام کائنات ان کے سامنے ہاتھ کی ہتھیلی کی طرح ہے لہذا یہ حضرات ان تمام مغیبات کے عالم ہیں جو ہم سے پوشیدہ ہیں۔

مولف صاحب درحقیقت غیب کے معنی ہی نہیں سمجھ سکے ورنہ علم غیب کا انکار نہ کر سکتے۔ ان لوگوں کو اتنا بھی معلوم نہیں ہے کہ غیب کی نسبت غیر کی طرف ہوتی ہے۔ یعنی جو چیز دوسروں کی نسبت سے پوشیدہ ہو وہ غیب ہے۔

خداوند عالم سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے، لہذا اس کے لئے کوئی شے غیب نہیں ہے اور وہ عالم الغیب اس معنی سے ہے کہ جو کچھ مخلوقات سے پوشیدہ ہے خدا اس کا عالم ہے لہذا عالم الغیب ہے۔ اسی طرح انبیاء و آئمہ طاہرین ان چیزوں کے عالم ہیں جو امت سے پوشیدہ ہیں، لہذا وہ بھی اس نسبت سے عالم الغیب ہیں۔

مولف صاحب سے جو کچھ پوشیدہ ہے یہ حضرات اس کے عالم ہیں۔ کائنات سے جو کچھ پوشیدہ ہے یہ حضرات اس کے عالم ہیں اور جو اسرار الہیہ ہیں یہ حضرات ان اسرار الہیہ کے مخزن محل ہیں۔

لہذا جن چیزوں کی تعلیم کے لئے یہ حضرات نبوت و امامت کے درجہ پر فائز کئے گئے ہیں وہ امت سے پوشیدہ تھیں ورنہ ان کے تشریف لانے کی ضرورت نہ ہوتی۔ یہ حضرات مبداؤ معاوی سمجھانے کے لئے مبouth ہوتے ہیں اور یہ دونوں چیزیں غیب الغیوب ہیں اور یہ حضرات ان کے لئے معلم ہیں، لہذا عالم الغیب ہیں۔

مولف کو قرآن مجید کے ظاہری عربی الفاظ کا علم ہو سکتا ہے مگر تاویل قرآن اور ماعنی بہ اللہ کا علم نہیں ہو سکتا۔ ورنہ قرآن ہی کافی ہوتا اور نبی و امام کی ضرورت نہ ہوتی۔ لہذا مولف صاحب جس چیز کے عالم ہیں صرف اسی کی حد میں رہیں اور تاویل قرآن کا انکار نہ

کریں بلکہ خود امام جعفر الصادقؑ کے ارشاد کے مطابق اپنی جہالت تسلیم کر لیں۔ احتجاج طبری، ص ۱۸۱ پر درج ہے کہ:-

”ایک شخص نے حضرت صادقؑ آل محمدؐ سے دریافت کیا کہ عالم بھی جاہل ہوتا ہے؟ حضرت نے فرمایا ہاں جس چیز کو وہ نہیں جانتا اس کا وہ جاہل ہوتا ہے۔“

لہذا مولف صاحب چونکہ مقام الہمیت کی معرفت نہیں رکھتے اس لئے مراتب آل محمدؐ سے جاہل ہیں اور خطبا و واعظین اور ذاکرین و مادھین اپنی بساط بھر معرفت رکھتے ہیں لہذا وہ ان کے مقابلہ میں عالم ہیں۔ مگر عام ذاکرین صرف و نحو کی گردانیں نہیں جانتے اس لئے وہ ان کے مقابلہ میں جاہل ہیں۔ لہذا مولف صاحب ان کو اور یہ مولف صاحب کو جاہل نہ کہا کریں۔ کیونکہ یہ شبیہ چیز ہے اسی لئے لفظ علماء صرف محمدؐ و آل محمدؐ کے لئے ہی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ وہ تبیان کل شی پر حاوی ہیں جیسا کہ کافی میں موجود ہے کہ علماء کا القب مخصوص محمدؐ و آل محمدؐ کے لئے ہے۔

تفسیر امام مبین بکلامِ معصومین!

وَ كُلُّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَا فِي إِمَامٍ مُبِينٍ۔ (تفسیر البرہان)

عَنِ الْبَاقِرِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ لَمَا نَزَّلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ عَلَىِ
رَسُولِ اللَّهِ وَ كُلُّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَا فِي إِمَامٍ مُبِينٍ۔

قَالَ أَبُوبَكْرٌ وَعُمَرٌ مِنْ مَجْلِسِهِمَا فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ هُوَ
الْتُّورَةُ؟ قَالَ لَا. قَالَ لَا هُوَ الْأَنْجِيلُ؟ قَالَ لَا. قَالَ فَهُوَ الْقُرْآنُ. قَالَ
لَا. فَاقْبَلَ عَلَىِ امِيرِ الْمُؤْمِنِينَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ هُوَ هَذَا لَامَامُ
الَّذِي أَحْصَى اللَّهُ تَبارَكَ وَتَعَالَى فِيهِ عِلْمٌ كُلُّ شَيْءٍ.

”حضرت امام محمد الباقرؑ نے اپنے پدر بزرگوار اور جد بزرگوار کے حوالہ سے فرمایا ہے کہ جب آیت و کل شبیہ احصیناہ فی امام مبین۔ نازل ہوئی تو جناب ابو بکر اور جناب عمرؓ نے اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر آنحضرتؑ سے عرض کی کہ کیا یہ امام مبین تورات ہے؟ حضرتؑ نے فرمایا نہیں۔ پھر انھوں نے عرض کی کہ کیا یہ امام مبین انجلیل ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ پھر

انہوں نے عرض کی کہ کیا یہ امام مبین قرآن ہے آپ نے فرمایا نہیں۔ اس کے بعد آنحضرت حضرت امیر المؤمنین کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ امام مبین یہ ہیں۔ خداوند عالم نے جن کی ذات میں کل شئی کا علم احاطہ کر دیا ہے۔ مؤلف صاحب اگر اس آیت کی تفسیر بالائے کریں گے تو خود اپنا نہ کانہ جہنم میں بنائیں گے۔“موتو ابغیظکم۔

عَنْ أَبِي ذِرٍ قَالَ كَنْتُ سَانَرًا فِي اغْرَاضٍ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ أَذْ
مَرَرْنَا بِوَادِي نَمْلَةٍ كَالسَّلِيلِ سَارَ فَذَهَلَتْ مَمَارِيَةٌ فَقَلَتِ اللَّهُ
أَكْبَرَ جَلَ رَحْصِيْهَا فَقَالَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ لَا تَقْلِ ذَالِكَ يَا أَبَا ذِرٍ
وَلَكُنْ قَالَ جَلَ بَارِيَهَا فَوَالَّذِي صُورَكَ إِنِّي أَحْصَى عَدُوِّهِمْ
وَأَعْلَمُ الذِّكْرَ مِنْهُمْ وَلَا نَشِيْ بِإِذْنِ اللَّهِ عَزَّوَجَلَ.

”حضرت ابوذرؓ کا بیان ہے کہ میں حضرت امیر المؤمنین کے ہم سفر تھا کہ ہم ایسی وادی سے گزرے کہ وہاں چیونٹیوں کا ایک سیلا ب بہہ رہا تھا۔ میں دیکھ کر دہشت میں آگیا اور میں نے کہا اللہ اکبر کس قدر بلند ہے ان کا شمار کرنے والا۔ حضرت نے یہ سن کر فرمایا اے ابوذر یہ بات نہ کہو بلکہ یوں کہو کہ کس قدر بلند ہے ان کا پیدا کرنے والا۔ کیونکہ اس ذات کی قسم جس نے تمہیں یہ صورت عطا کی ہے میں ان کا شمار بھی جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ ان میں زکتنے ہیں اور مادہ کتنی ہیں باذنِ خدا۔“

مؤلف صاحب بتاسکتے ہیں کہ طبع نوع بشر میں کیا یہ طاقت ہے؟ یا خود مؤلف صاحب جبکہ مجتهد اور رجحة الاسلام وغیرہ بننے ہیں کیا ان میں یہ طاقت ہے؟ کیا کوئی عالم اس علم امام کا احاطہ کر سکتا ہے؟ کیا یہ کمال ذاتی جوان کے اجزاء ذات میں ہے کسی بھی نبی نوع انسان کے لئے حاصل ہے؟ پھر کیوں وحدت نوع کی گردان ہے؟ یہ سب علماء سوء کی نشانیاں ہیں کہ سر کا رحمٰد وآلٰ محمدؐ میں عیب و نقش کی تلاش ہے۔

بِحَمْدِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
توقيع مبارک حضرت صاحب الامر

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللَّهُمَّ انِّي اسْتَلِكُ بِمَعْنَى جَمْعِ مَا يَدْعُوكَ بِهِ وَلَاهُ امْرُكَ

المامونون على سرک المستبشرون باسمك الواصفون
 لقدرتک المعلنون لعظمتك اسلک بما نطق منهم
 مشیتك فجعلتهم معادن لکلماتک وارکاناً لتوحیدک
 واياتک ومقاماتک التي لا تعطيل لها فی کل مكان معرف بها
 من عرفک لا فرق بینک و بینهم الا انهم عبادک و خلقک
 فتفھا ورتقها بیدک بدئها منک وعدہا اليک
 اعضادوا شهادو مناة واذواد 'وحفظة' ورواد فيهم ملات
 سماںک وارضک حتى مظہران لا الله الا انت فبدلك
 اسلک وبمواقع العزمن رحمتك وبمقاماتک
 وعلاماتک ان تصلی علی محمد و الله و ان تزیدنى ايمانا و
 تشیبا... الخ.
 (مفائق الجنان)

"یا اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ان تمام اسماء کے معانی کے ذریعہ جن کے ذریعہ
 تیرے صاحبان امر تجھے پکارتے ہیں۔ وہ صاحبان امر جو تیرے راز کے رازدار اور امین
 ہیں اور تیرے امر کی بشارت دینے والے ہیں، تیری قدرت کا وصف کرنے والے ہیں،
 تیری عظمت کا اعلان کرنے والے ہیں۔ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیری اس مشیت کے
 ذریعہ جوان حضرات (کے قلوب) میں وارد ہو کر (حکم) ناطق بن جاتی ہے۔ تو نے ان
 حضرات کو اپنے کلمات (گن و گونو اور غیرہ) کا معدن بنایا ہے اور اپنی توحید کا ستون بنایا ہے
 اور تو نے ان کو اپنی نشانیاں اور (اپنے ارادوں کی) ایسی فرودگاہیں بنایا ہے کہ ان کے لئے
 کسی جگہ بھی معطلی نہیں ہے۔ جس کسی نے بھی تجھے پہچانا ہے انہی کے ذریعہ پہچانا ہے۔ (یا
 اللہ) ان کے اور تیرے درمیان کوئی فرق نہیں ہے (ان کی اطاعت اور ان کا قول فعل تیرا
 ہی ہے) مگر یہ فرق ضرور ہے کہ یہ تیرے بندے اور تیری خلوق ہیں جن کا جوڑ توڑ (نور کو ملانا
 اور جدا کرنا) تیرے ہی قبضہ میں ہے اور ان کی ابتداء تجھہ ہی سے ہے اور ان کا عود بھی تیری ہی
 طرف ہے۔ یہ حضرات تیرے بازو اور تیرے گواہ اور تیری معرفت کا معیار ہیں۔ (یعنی جتنا
 ان کی معرفت کا درجہ بلند ہو گا اتنا ہی خدا کی معرفت کا درجہ بلند ہو گا۔) اور تیری ذات اقدس

سے نقص و عیب کا دفاع کرنے والے اور تیری عظمت و شان کے محافظ اور لوگوں کو تیری بارگاہ میں محبت کے ساتھ لانے والے ہیں۔ تو نے ان ہی حضرات کے ذریعہ زمین و آسمان کو معرفت و عبادت سے پُر کر دیا ہے یہاں تک کہ کلمہ لا الہ الا انت ظاہر ہو کر رہا۔ یعنی تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ میں ان ہی ذواتِ مقدسہ کے ذریعہ جو تیری ہی رحمت سے تیری عزت کے موقع ہیں اور ان ہی ذواتِ مقدسہ کے ذریعہ جو (تیرے ارادہ) کی فروادگا ہیں اور تیری (ذات کے) علامات ہیں سوال کرتا ہوں کہ تو محمد و آل محمد پر رحمت نازل فرماء، اور میرے ایمان میں اضافہ فرماء اور مجھے ثبات قدم عطا فرمائیں۔

یہ تو قیع مبارک ہمارے لئے درسِ معرفت ہے۔ اس تو قیع مبارک کی شرح جو علامہ ربانی، جناب علامہ فیض کاشانیؒ نے تحریر فرمائی ہے آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیے گا۔

انبیاءؓ وآلؐ ممّہؓ میں کمال ذاتی عطیہ خدا ہے

امام عصر عجل اللہ فرجہؑ کی اس تو قیع مبارک سے ہمارے تمام عقائد اور ہماری تمام پیش کردہ احادیث کثیرہ کی مکمل تائید و شہید ہوتی ہے اور مولف کا یہ خیال قطعاً غلط ہو جاتا ہے کہ یہ ذواتِ مقدسہ صرف شریعت کے ہادی ہیں اور ان کا کوئی اور کام نہیں ہے۔ یعنی ذرا بڑے درجہ کے عالم شریعت ہیں، اور مولوی صاحب جان ہی کی نوع کے افراد کاملہ ہیں۔

یہ تو قیع مبارک تمام ارشادات مخصوصیت کی جامع ہے اس میں بھی اسی کمال کا ذکر ہے کہ جس کی وجہ سے یہ محلِ مشیت اور موضعِ سرخدا ہیں اور مدد بر و متصرف خلافت ہیں اور یہی کمال ان ذواتِ مقدسہ کی فصلِ ممیز ہے اور نبوت و رسالت اور امامت و خلافت اور نزول و حی و ملائکہ اور الہام و عمودِ نور اور تمام اقسام کی روحیں کا اور وہ اس کمال کے آثار ہیں۔ یہ تمام امور اسی کمال ذاتی کے نشانات ہیں اور وہ کمال ذاتی اکتسابی نہیں ہے۔

کائنات تابع فرمانِ جنت اللہ ہے!

اسی لئے خداوند عالم نے جنت اللہ کے لئے کائنات کو مسخر کر دیا ہے کہ وہ سب اس کی اطاعت کریں۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيَطَّاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ (قرآن)

جیسا کہ ارشادِ معصومین سے ثابت ہو چکا ہے کہ تمام کائنات باذنِ خدا جنت اللہ کی اطاعت پر مامور ہے اور اس میں دونوں اطاعتیں شامل ہیں تخلیقی و تشریعی۔ چنانچہ قرآن مجید کی آیہ:

وَمَا شَهَدْتُمْ خَلْقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَا خَلْقَ أَنفُسِهِمْ وَمَا كُنْتُ مَتَخَدِّلاً مِنَ الْمُضْلِلِينَ عَضْدًا.

(سورہ کہف)

سے یہ مطلب بالکل واضح ہو جاتا ہے یعنی میں نے ان شیاطین کو آسمان و زمین کی خلقت کے وقت یعنی گواہ نہیں بنایا اور نہ خود ان کی خلقت کے وقت ان کو گواہ بنایا اور میں گمراہوں کو مدگار بنانے والا نہیں ہوں۔

اس آیت سے اگرچہ مفہوم آثابت ہو جاتا ہے کہ کچھ ایسے حضرات بھی ہیں جن کو گواہ بنایا ہے اور مدگار بھی۔ لیکن ہم کلامِ مخصوص سے اس کی تفسیر بیان کرتے ہیں کیونکہ ان سے بہتر کوئی بھی کتاب خدا کا عالم نہیں ہے۔

عَنِ الْجَوَادِ أَنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى لَمْ يَزِلْ مُتَفَرِّدًا بِوَحْدَانِيَةِ
ثُمَّ خَلَقَ مُحَمَّدًا وَعَلِيًّا وَفَاطِمَةَ فَمَكَثُوا الْفَدْرَ ثُمَّ خَلَقَ
جَمِيعَ الْأَشْيَاءَ فَأَشْهَدَهُمْ خَلْقَهَا وَاجْرَى طَاعَتَهُمْ عَلِيًّا وَفَوْضَ
أَمْرَهُمَا إِلَيْهِمُ الْحَدِيثُ.

(تفسیر صافی، ج ۳۸۹)

”حضرت امام محمد تقیؑ فرماتے ہیں کہ خداوند عالم ہمیشہ اپنی وحدانیت میں منفرد و یکتا ہے۔ پھر اس نے محمد و علی و فاطمہؓ کو پیدا کیا ان کے ہزار قرن اسی حالت میں گزرے پھر تمام اشیاء کو پیدا کیا اور ان ذوات مقدسہ کو خلقت اشیاء کا گواہ بنایا یعنی ان کے سامنے پیدا کیا اور ان ذوات مقدسہ کی اطاعت ان اشیاء پر واجب و لازم کر دی اور ان کے معاملات ان حضرات کے سپرد کر دیئے۔“

(تفسیر صافی)

ان دونوں آیتوں سے ثابت ہو گیا کہ خداوند عالم نے ان ذوات مقدسہ کی اطاعت اپنے اذن سے تمام خلائق پر لازم کر دی ہے اور تمام کائنات ان کے لئے محرخ فرمادی ہے۔ چنانچہ خداوند عالم نے جبل کو حکم دیا ہے کہ وہ کفار کو جو میرے رسولؐ سے مجازات طلب کر رہے ہیں یہ بتا دے:-

و انه قد جعل الارض والسماء طوعك والجبال والبحار
تتصرف بامرک و سائر ما خلق من الرياح والصواعق و
جوارح الانسان واعضاء الحيوان لک مطيبة وما امرت به
من شئی ایتمرت.

(احتیاج طبری، ج ۲۲)

”لتحقيق خداوند عالم نے اے رسول آپ کے لئے زمین و آسمان کو مطیع فرمان بردار بنایا
ہے اور پہاڑ اور سمندر آپ کے تابع حکم ہیں اور تمام اشیاء جن کو خدا نے پیدا کیا ہے وہ سب آپ
کے تابع فرمان ہیں خواہ وہ ہوا میں ہوں یا آسمانی گرج، خواہ وہ انسانی اعضاء ہوں یا حیوانی،
سب کے سب آپ کے مطیع ہیں۔ آپ جس چیز کو بھی جو حکم دیں گے وہ تمیل کریں گی۔“
اس حدیث مبارک سے بھی بالکل واضح ہو گیا کہ ان ذوات مقدسہ کو کائنات پر
تصرفات کا اقتدار مرن جانب اللہ حاصل ہے۔

امورِ تخلیق و تکوین پر اقتدار حاصل ہے

عن ابی جعفر قال ان اللہ تبارک و تعالیٰ لم یزل متفرد
ابو احدیته ثم خلق محمد و علیا و فاطمه فمکثوا الف دھر ثم
خلق جميع الاشياء ناشهد هم خلقها واجری طاعتهم عليها و
فوض امورهم اليهم فهم يحللون ما يشاون ويحرمون ما يشاؤن
ولمن يشاو الا ان يشاء اللہ تبارک و تعالیٰ ثم قال يا محمد
هذه الديانة التي من تقدمها مرق دمن تخلف عنها محق و من
لزمه الحق خذها اليك يا محمد۔ (بحار الانوار، جلد ۷، ج ۳۶۳)

”حضرت امام محمد الباقر فرماتے ہیں کہ خداوند عالم ہمیشہ اپنی وحدانیت میں منفرد ہے
پھر اس نے محمد علی و فاطمہ کو پیدا کیا اور ان حضرات کو وقت خلقت شاہد و حاضر کر جبیع اشیاء
کو خلق کیا اور ان تمام اشیاء پر ان کی اطاعت لازم و واجب قرار دی اور ان کے تمام معاملات
ان ذوات مقدسہ کے حوالہ کر دیئے۔ پس وہ حلال و حرام کرتے ہیں جو چاہتے ہیں مگر یہ
حضرات وہی چاہتے ہیں جو خدا چاہتا ہے۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ اے محمد (راوی کا نام)

یہی وہ دین و دیانت ہے جو اس سے آگے بڑھے گا وہ خارج از دین ہے اور جو اس سے پچھے ہنئے گا تو وہ ہلاک ہو گا اور جو اس پر قائم رہے گا وہ ان ذوات مقدسہ سے لاحق ہو گا۔ میری اس نصیحت کو یاد رکھو اے محمد (راوی حدیث)۔“

”با تحقیق محمد مصطفیٰ اور علی مرتضیٰ نور واحد ہیں اور تمام موجودات سے سابق قدیم ہیں خالق نفوس نے اس نور کو تمام انوار سے پہلے پیدا کیا اور یہ نور بلحاظ شخصیت دو حصے ہوتا کہ نبی اور ولی دو ہستیاں جدا گانہ پہچانی جائیں۔ کیونکہ ہر نبی ولی ہوتا ہے مگر ہر ولی نبی نہیں ہوتا۔ ولی کا کمال نبی سے ہوتا ہے لہذا ولی کا علم و فضل بھی نبی ہی سے ہے۔ پس ولی عالم نور میں نفس نبی اور اخی نبی ہے اور عالم ظہور میں اس کا گوشت و خون اور قوت بازو ہے اور ولی کی محبت ہی کمال رسالت و تمام شریعت ہے۔ یہ دونوں خدا کے اسم اعظم ہیں اور تمام عالم پر ان کا تصرف ہے اور دنیا میں ان دونوں کا مقام حق سبحانہ و تعالیٰ کے مقام کی طرح ہے کیونکہ اس کی مشیت انہی کے ذریعہ ظاہر ہوتی ہے اور اس کا لکھ انہی کے ذریعہ ناطق ہوتا ہے۔ لہذا یہ حضرات و جوب اطاعت اور عدل و امر و نبی و علم و حکم میں اسی کی طرح ہیں۔ لیکن وہ خود ان کی طرح نہیں ہے کیونکہ یہ حضرات اس کے مخلوق و نور اور اس کے جواب ہیں یعنی اس کے اور اس کی مخلوق کے درمیان میں واسطہ ہیں اور اس کے دروازے ہیں۔ یہ حضرات وہ بزرگ بندے ہیں کہ قول میں بھی اس کے آگے نہیں بڑھتے اور اسی کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔ حضرات جنت کے ارشاد حنفیاً کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ یہ ہے کہ ان میں اور تجھ میں کوئی فرق نہیں ہے اور دوسرا حصہ یہ ہے کہ یہ تیرے بندے اور تیرے ہی مخلوق ہیں۔ پہلے حصہ کا مطلب یہ ہے کہ ان حضرات کے ذوات مقدسہ درحقیقت تیری صفت ہیں (کیونکہ اس کی مشیت کا اظہار انہی سے ہوتا ہے) دوسرے حصہ کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اجساد اس کے ملک و ملکوت کی صورت ہیں (کیونکہ ان کی خلقتِ جدی ملکوتی اجزاء سے ہوئی ہے) اور ان کے قلوب اس ذاتِ احادی کے خزانے ہیں جو لا یموت ہے۔ اور با تحقیق زمین و آسمان میں جو کچھ ہے ذوی العقول اور غیر ذوی العقول وہ سب خدا کے خزانہ ہیں جن کو ان ہی ذوات مقدسہ کے لئے پیدا کیا ہے اور ان حضرات کا مکحوم بنادیا ہے۔ پس بھی حضرات صاحبان امر ہیں اور داعی الْاحق ہیں اور ہادی و امام اور سردار ان خلق ہیں یہی ذوات مقدسہ خدا اور اس

کی مخلوق کے درمیان میں واسطہ ہیں کیونکہ خدا صورت و مثال سے بالاتر ہے اور تغیر و تبدیل سے بلند تر ہے (اس لئے برا و راست اپنی مخلوق کے سامنے نہیں آتا) لہذا یہی حضرات اس کی حکمت کی زبان ہیں اور اس کے کلمہ کا بیان ہیں اور اس کی مخلوقات کے حاکم و قوام ہیں اور اس کی وجہ کے امین ہیں اور اس کے بندوں کو اس کی نشاندہی کرنے والے ہیں اور اس کی طرف ان کی رہنمائی فرمانے والے ہیں۔“ (علم الیقین)

اس بیانِ حقیقت ترجمان سے کلامِ معصوم کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ ان ذوات مقدسه میں دو جنی ہیں۔ ایک جنبہ نوری اور دوسرا جنبہ جسدی۔ ان دونوں کے مجموعہ کا نام جنت اللہ ہے۔ ایک جنبہ سے امور تخلیق انجام دیتے ہیں اور دوسرے جنبہ سے امور شریعت کی ہدایت کرتے ہیں۔ لہذا ان حضرات کو عالم شریعت کی حیثیت دے کر نوع انسانی میں داخل کرنا سخت نہیں اور ان کی معرفت سے ناؤشی کی دلیل ہے اور اس تو قیع مبارک سے سرتاسری ناصیحت کی علامت ہے۔ فافہم واحذر عذاب النار۔

بشریت کے ساتھ وحی دلیلِ کمالِ ذاتی ہے

بعض مقصرین قرآن مجید کی ایک آیت پیش کرتے ہیں اور جتنے بھی ان کے مدگار اور ہم مشرب ہیں اسی آیت پر نازکرتے ہیں اور انبیاءؑ کو اپنی نوع میں داخل کرنے کی سعی نامشکور کرتے ہیں وہ آیت یہ ہے:-

قل انما انا بشر مثلكم يُوحى إلَيَّ انَّمَا إِلْهَكُمُ اللَّهُ وَاحِدٌ.

اس آیت میں چونکہ آنحضرتؐ سے بشریت کا اعلان کرایا گیا ہے اس لئے وہ ناہم بغلیں بجاتے ہیں مگر ”یوحیٰ اللہ“ کی خصوصیت کو نہیں دیکھتے کہ یہ وحی ان پر کیوں آتی ہے اور دیگر نوع بشر پر کیوں نہیں آتی۔

یہ وحی کا نزول ثابت کرتا ہے کہ انبیاءؑ میں کوئی ایسا کمال موجود ہے جس کی وجہ سے نزول وحی ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کمال کا ذکر خداوند عالم نے خود ظاہر فرمایا ہے اور اپنے انبیاءؑ سے بھی ظاہر کرایا ہے۔ اس آیت میں کلمہ حصر ”انما“ کا تعلق بشر سے ہے یعنی میں صرف اور فقط بشریت میں تمہارے مثل ہوں اور کسی کمال و وصفِ ذاتی میں تمہارے مثل نہیں ہوں۔ اور یہ

اعلان بھی مخصوص آنحضرت سے کرایا ہے نہ کسی اور نبی سے۔ کیونکہ آپ نے آسمانی مجرمات بھی دکھائے ہیں اس لئے بشریت کے اعلان کے ساتھ ہی کلمہ حصر انما کے ذریعہ یہ بھی اعلان کرایا ہے کہ انما اللہ کم الہ واحد، یعنی تمہارا خدا صرف اور فقط ایک ہے۔ یہ دونوں جملے کلمہ انما کے ساتھ باہم ایک ہی اعلان ہے دونوں انما ایک ہی اعلان کا حصہ ہیں۔ یعنی میں حالتِ بشریت میں ہوں اور خدا صرف ایک ہے۔ یعنی میں خدا نہیں ہوں تمہارے مثل بشر ہوں۔

حدیث حضرت اول العابدین

وَعَنِ النَّبِيِّ فِي حَدِيثٍ طَوِيلٍ قَالَ لَا مِيرُ الْمُؤْمِنِينَ إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى فَضْلُ أَنْبِيائِهِ الْمُرْسَلِينَ عَلَى الْمَلَائِكَةِ الْمُقْرَبِينَ وَفَضْلِنِي عَلَى جَمِيعِ النَّبِيِّينَ وَالْمُرْسَلِينَ وَالْفَضْلُ بَعْدَ لَكَ يَا عَلَىٰ وَالآتِمَةِ مِنْ بَعْدِكَ وَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَخَدَ امْنَا وَخَدَ امْمَ مُجِيبِنَا يَا عَلَىٰ إِنَّ الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمِنْ حَوْلِهِ يَسْبِحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ أَمْتَأْبِرُ بِهِمْ وَبُولَاتِنَا يَا عَلَىٰ لَوْلَا نَحْنُ مَا خَلَقَ اللَّهُ تَعَالَىٰ أَدْمَ وَلَا حَوْأً وَلَا الْجَنَّةَ وَلَا النَّارَ وَلَا السَّمَاءَ وَلَا الْأَرْضَ (الحدیث)

”اور حضرت رسالتہ سے ایک حدیث طویل میں وارد ہے کہ آنحضرت نے امیر المؤمنین سے فرمایا کہ بالتحقیق خداوند عالم نے اپنے انبیاء مرسیین کو اپنے ملائکہ مقریین پر فضیلت دی ہے اور اس کے بعد یہ فضیلت تمہارے اور تمہارے بعد کے آئندہ کے لئے ہے۔ اور ملائکہ بالیقین ہمارے خدام ہیں اور ہمارے محبوں کے بھی۔ اے علیٰ حاملانِ عرش اور جو کچھ اس کے گرد ہیں وہ تنی وحدہ اپنے رب کی بجالاتے ہیں اور وہ ان مؤمنین کے لئے استغفار کرتے ہیں جو اپنے رب پر اور ہماری ولایت پر ایمان لائے ہیں۔ اے علیٰ اگر ہم نہ ہوتے تو خداوند عالم نے آدم کو پیدا کرتا نہ ہوا کو اور نہ جنت کو پیدا کرتا نہ جہنم کو اور نہ آسمان کو پیدا کرتا نہ زمین کو۔“ (علم الیقین، ص ۹۰)

اس حدیثِ نبوت سے صاف ظاہر ہے کہ محمد و آنِ محمد علّت خلقت عالم ہیں اور اول مخلوق ہیں۔ اب آپ نے ان حضرات کو علّت خلق تسلیم کر کے علّت کی چار قسموں میں سے جس قسم میں بھی چاہیں داخل سمجھیں، یہ علّت ہی رہیں گے اور تمام خلائق معلوم ہوں گے اور چونکہ ان ذوات مقدسہ کا وجود سبب بقاء عالم بھی ہے الہذا یہ وجود بہر حال باقی رہے گا۔ اگر ان حضرات کو جنس بشریت میں بھی ظاہر کیا جائے گا تو بھی یہ وجود اولیٰ فنا نہ ہو گا۔ کیونکہ وجود جنس بشر علّت غالیٰ ممکنات نہیں ہے۔

الہذا ان کے وجود مقدس کو قائم رکھتے ہوئے ان حضرات کو کسی بھی شکل و صورت میں تسلیم کر جائے ان کی نوع جدا گانہ ہی رہے گی۔ کیونکہ ان کا امتیاز بھی وجود اول ہے اور یہی وہ کمال ہے جو لاشے سے خدا نے پیدا کیا ہے۔ اگر آپ نے اس وجود کو فنا تسلیم کر لیا اور اپنی نوع میں داخل کر کے صرف حیوان ناطق بنالیا جیسے آپ ہیں تو اس وجود اولیٰ کے ساتھ تمام خلائق کی فنا لازم آئے گی۔ اور چونکہ وجود خلائق باقی اور مشاہد ہے الہذا ان کا وجود اولیٰ بھی باقی ہے۔ اس وجود اولیٰ کو مخواز رکھتے ہوئے آپ جو جنس بھی ان کے ساتھ منضم کریں گے، ان کی نوع علیحدہ ہی رہے گی۔ جس وقت بھی آپ نے اس وجود کو ختم کیا اس وقت نہ آپ ہوں گے نہ آسان۔ مگر یاد رکھئے ان کا وجود اولیٰ پھر بھی فنا نہ ہو گا۔ کُل شنی هالک الا وجہہ، تبکی وجہہ اللہ ہیں یہی فنا نہ ہوں گے جیسا کہ ہم پیشتر دلائل و برائین سے تحریر کر چکے ہیں۔ صرف جنس بشریت ہی ان سے جدا ہو سکتی ہے جس کی وجہ سے یہ حضرات نوع انسان کے لئے معلم شرائع اور ہادی وداعی الی اللہ تھے مگر فعل میز فنا نہ ہو گی اس کے لئے اجسام نوریہ منضم رہیں گے جیسے آپ کے لئے عالم برزخ میں اجسام مثالیہ ہوتے ہیں۔

حضرت امام جعفر الصادق

يقول ان الله خلقنا من نور عظمته ثم صور خلقنا من طينة
مخزونة مكونة من تحت العرش فاسكن ذالك النور
فلذانحن خلقوا بشر انور انبين لم يجعل لا حد في مثل الذي
خلقنا منه نصيب.
(کافی، ص ۲۲۷)

”حضرت امام جعفر الصادقؑ نے فرمایا ہے کہ ہمیں خداوند عالم نے اپنے نور عظمت سے پیدا کیا ہے۔ یعنی ہمارے نور سے عظمت خدا ظاہر ہوتی ہے۔ پھر ایک ایسے جزو تخلیقی سے جو تحت عرش پوشیدہ طور پر مہبیا کیا ہوا تھا ہماری تصور کر کشی کی پھر اس نور کو فضیلت بخشی۔ پس اس لئے ہم جدا گانہ حیثیت کے مخلوق اور بشر نورانی ہیں۔ اور جس سے ہم پیدا کئے گئے ہیں اس کا مثل تمام خلائق میں کسی ایک کو بھی نصیب نہیں ہے۔“

اس حدیث صادق آل محمدؐ سے بالکل واضح طور پر ثابت ہے کہ یہ حضرات ایسے جزو سے مخلوق ہیں کہ ان کے مثل تمام عالم میں کوئی بھی مخلوق نہیں ہے۔ لہذا مولف صاحب کو چاہیے کہ صادق آل محمدؐ کے ارشاد پر ایمان لا سیں اور ان حضرات کو اپنے مثل نوع نہ بنائیں کیونکہ ان حضرات کی خلقت میں دو جز ہیں ایک بشریت اور دوسرے نورانیت۔ اور وہ نورانیت ہی خلقت اول ہے اور یہی کمال ذاتی ہے جس کے سمجھنے سے تمام عقول عالیین حیران ہیں۔ لہذا ان کی نوع جدا گانہ نوع ہے۔ مولف صاحب بیچارے کیا، کائنات میں کسی کو بھی یہ کمال ذاتی نصیب نہیں ہے۔

حضرت نے بشر نورانی فرم کر اپنی جنس کی بھی بلندی ظاہر فرمادی ہے اور یہ ان جنتی ماکول و مشروب غذاؤں کا نتیجہ ہے جن سے ابدان کے اجزاء اصلیہ خلق ہوئے ہیں اسی لئے ان کے ابدان کا سایہ نہیں پڑتا تھا اور کبھی بھی ان کے جسم اقدس پر نہیں پیٹھتی تھی، اور ان کے پیسے سے بوئے خوش آتی تھی۔ یہ ان کے اجسام کی فضیلت تھی۔ مگر یہ جنس کے کمالات ہیں۔ فصل کے کمالات اور اک عقول سے بالاتر ہیں جس کے لئے لفظ ”خلقنا“ جدا بیان فرمایا ہے۔

قال ابو عبد الله^ا ان اللہ خلقنا فاحسن خلقنا و صورنا
فاحسن صورنا و جعلنا عینه في عباده و لسانه الناطق في
خلقہ و يده المبسوطة على عباده بالرقة والرحمة ووجهه
الذى يوتى منه و بابه الذى يدل عليه و خزانه في سمانه
وارضه نبااثمرت الاشجار و اينعت الشمار روجرت
الانهار و نباينزل غيث السماء و ينبت عشب الارض

وبعبادتنا عبد الله ولو لا نحن ما عبد الله. (کافی، ج ۸۲)

”حضرت امام جعفر الصادقؑ فرماتے ہیں با تحقیق خدا نے پہلے ہمیں پیدا کیا اور بہترین خلق قرار دیا اور ہماری تصویر کشی کی اور بہترین تصویر کشی کی۔ اور ہمیں یعنی اللہ بنایا اور ہمیں ایسا سان اللہ بنایا جو اس کے مخلوقات میں ناطق ہے اور ایسا یاد اللہ بنایا جو شفقت و مہربانی کے ساتھ تمام بندگانِ خدا پر حاوی ہے اور ایسا وجہ اللہ بنایا کہ خدا کی معرفت اسی کے ذریعہ ہوتی ہے اور ایسا دروازہ بنایا جو خدا اسکے پہنچاتا ہے اور اپنا ایسا خزینہ دار بنایا کہ زمین و آسمان کے خزانے ان کے قبضہ میں ہیں۔ اسی لئے درخت ہمارے سبب سے پھل دیتے ہیں اور پھل پختہ ہوتے ہیں اور نہریں جاری ہوتی ہیں اور ہمارے ہی سبب سے بارش ہوتی ہے اور بزرہ اگتا ہے اور ہماری عبادت کے سبب خدا کی عبادت کا وجود ہوا ہے اور اگر ہم نہ ہوتے تو خدا کی عبادت نہ ہوتی۔“

حضرت صادقؑ آل محمدؐ کے ارشاد مبنیاد سے مندرجہ ذیل مطالب پر روشنی پڑتی ہے۔

یہ حضرات اول مخلوق ہیں ان کے اشباح و صور اس تحلیقی جزو سے ہیں جو زیر عرش تھا۔

قال امیر المؤمنینؑ فهو تبارک و تعالى اجل واعظ من ان
يتولى ذلك بنفسه و فعل رسله و ملائكة فعله لا نهم بأمره
(احجاج طبری، ج ۱۲۷)

حضرت مولائے کائنات امیر المؤمنینؑ کا ارشاد ہے کہ:

”خداوند عالم کی ذات اجل وارفع ہے اس سے کہ وہ یہ کام بذات خود انجام دے اس کے فرستادوں اور اس کے ملائکہ کا فعل درحقیقت خدا ہی کا فعل ہے کیونکہ یہ حضرات اس کے امر کے مطابق ہی عمل کرتے ہیں۔“

حضرت امام رضاؑ کا ارشاد گرامی

قال (الزنديق) فمن اين اجت انباء و رسلا قال عليه السلام
الما اذا اثبتنا ان لنا خالقا صانعاً متعاليا عنا و عن جميع ما خلق
و كان ذالك الصانع حكيمال م يجزان يشاهدده خلقه ولا ان

يَلَامِسُهُ وَلَا إِنْ يَأْشِرُهُمْ وَيَا شَرُوهُ وَيَحْاجِهُمْ وَيَحْاجُهُ ثَبَّ
ان لَهُ سَفْرًا فِي خَلْقِهِ وَعِبَادِهِ.

(احجاج طبری، ج ۳، ص ۱۷۳)

”حضرت امام رضاؑ نے وجود صانع عالم زنداق کے سامنے ثابت کر دیا تو اس زنداق نے کہا کہ انبياء و رسول کا وجود آپ کس طرح ثابت کرتے ہیں تو جناب امام رضاؑ نے فرمایا کہ جب ہم نے یہ ثابت کر دیا کہ ہمارا خالق و صانع ہے اور وہ ہم سے اور تمام مخلوقات سے جدا اور بلند ہے اور حکیم ہے اور خلق کے لئے ناممکن ہے کہ اس کا مشاہدہ کریں اور ناممکن ہے کہ اس کے ہاتھوں سے مس کریں اور ناممکن ہے کہ اس سے ملیں جلیں مصاہجت کریں اور نہ وہ خوداں سے ثبوت و دلیل کی گفتگو کرے اور یہ اس سے دلیل و ثبوت کی گفتگو کریں۔ اس لئے ثابت ہو گیا کہ اس نے اپنے اور مخلوقات کے درمیان سفراء مقرر فرمائے ہیں۔“

اس ارشاد معصوم سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ خدا بذاتِ خود ہم سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ اس کے امور کی انجام دہی اس کے سفیروں کے ذریعہ ہوتی ہے۔

حدیث حضرت امام محمد الباقر

عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ أَنَّهُ قَالَ إِنَّ اللَّهَ سَبَّحَهُ تَفَرِّدِي وَحْدَانِي ثُمَّ
تَكَلَّمَ بِكَلْمَةِ فَصَارَتْ نُورًا ثُمَّ خَلَقَ مِنْ ذَلِكَ النُّورَ مُحَمَّدًا
أَوْ عَلِيًّا وَعَتْرَتَهُ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ ثُمَّ تَكَلَّمَ بِكَلْمَةِ فَصَارَتْ رُوحًا
وَاسْكَنَهَا فِي ذَلِكَ النُّورِ وَاسْكَنَهُ فِي أَبْدَانَنَا فَنَحْنُ رُوحُ اللَّهِ
وَكَلْمَتُهُ احْتَجَبَ بِنَاعِنَ خَلْقَهُ فَمَا زَلَّنَا فِي طَلِّ عَرْشِهِ
خَضْرًا مُسْبِحِينَ نَسْبَحُهُ وَنَقْدِسُهُ حِينَ لَا شَمْسٌ وَلَا قَمَرٌ وَلَا
عَيْنٌ تَطْرَفُ ثُمَّ خَلَقَ شَيْعَتَنَا وَانْمَا سَمَوَاشِيعَةٌ لَا نَهْمٌ خَلَقُوا مِنْ
شَعَاعِ نُورِنَا.

(بحار الانوار، جلد ۷، ص ۲۵۶)

”حضرت امام محمد الباقرؑ فرماتے ہیں کہ با تحقیق خداوند عالم اپنی وحدانیت میں منفرد ہے اس نے اپنے ایک کلد سے ہمارا نور پیدا کیا ہے۔ پھر اس نور سے محمدؐ علیؐ اور ان کی عترت

کو پیدا کیا پھر اپنے ایک کلمہ سے روح کو پیدا کیا اور اس روح کو اس نور میں رکھ دیا۔ پھر اس کو ہمارے ابدان میں رکھ دیا۔ پس ہم روح اللہ اور ایسے کامہ اللہ ہیں کہ جس کو خدا نے اپنی ذات اقدس اور اپنی خلق کے درمیان حجاب و وسیلہ بنایا ہے۔ پس ہم دونوں اس کے عرش کے بزرگ سایہ میں تسبیح خدا بجالاتے رہے ہیں اس وقت تسبیح خدا بجالاتے تھے جب نہ آفتاب تھا نہ ماہتاب اور نہ کوئی آنکھ دیکھنے والی تھی۔ پھر ہمارے دوست پیدا کئے گئے اور ان کو شیعہ نام دیا گیا کیونکہ یہ ہمارے نور کی شعاعوں سے بنائے گئے۔“

اس حدیث مبارک سے بھی ثابت ہے کہ یہ حضرات قبل خلق لائے سے پیدا کئے گئے اور خداوندِ عالم نے ان کو اس وقت پیدا کیا جب کچھ نہ تھا۔ پھر ان ہی ذوات مقدسہ سے دیگر اشیاء کو پیدا کیا اور وہ ملائکہ متبرین ہیں جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے اور اس کے بعد دیگر اشیاء کو بنایا اور ان کے شیعہ بھی ان ہی کے انوار عالیہ کی شعاعیں ہیں اسی لئے ان کو شیعہ کہا گیا ہے اور ذواتِ مقدسہ اس وقت پیدا ہو چکے تھے جب کہ آفتاب و ماہتاب بھی نہ تھے اور نہ کوئی آنکھ دیکھنے والی تھی۔

اور یہی وجہ ہے کہ مولف صاحب ان کو نہیں پہچان سکتے کیونکہ وہ ظاہری آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہیں اور یہ حضرات ظاہری آنکھوں سے نظر نہیں آ سکتے۔ ہاں دل کی آنکھوں سے پہچانے جاتے ہیں مگر وہ مولف کے نصیب ہی میں نہیں ہیں ورنہ ان کو اپنی نوع میں شامل نہ کرتے۔

مولف صاحب نے ان حضرات کی ذواتِ مقدسہ کو مکہ و مدینہ میں دیکھا ہے کیونکہ وہ ظاہری آنکھوں کے پابند ہیں اور ہم نے اپنے قلوب کی آنکھوں سے دیکھا ہے اور یہ ہمیں اس وقت نظر آتے ہیں جبکہ صرف ایک بنانے والا تھا۔

مولف صاحب کو استمداد و استغاثۃ درگاہِ معصومین میں کرنا چاہیے

اب اگر مولف صاحب کو یہ سعادت حاصل ہے تو ان حضرات سے مدد طلب کرنا اور ان کی پناہ لینا اپنا شیوه بنائیں گے اور ہر مصیبت اور ہر مشکل میں ہر وقت ان ہی حضرات کی ذواتِ مقدسہ کا نام نامی ان کی زبان پر آئے گا، اور اگر اس سعادت سے محروم ہیں تو ان

حضرات کے نام لیواوں پر غصہ آئے گا اور چہرہ پر بل پڑ جائے گا، شکل بگز جائے گی اس سے موالیوں کو ان کے ناصبی ہونے کا پتہ لگ جائے گا اور آنحضرتؐ کے فرمان پر عمل کریں گے یعنی مکر..... بار دیگر۔ جیسا کہ ہم حدیث مبارک کو پیش کر چکے ہیں جس میں مکر..... بار دیگر موجود ہے۔

مرنے کے بعد بھی مردے ان ہی حضرات کی ذوات مقدسہ سے استغاثہ کرتے ہیں اور ان ہی کا آسرائیتے ہیں۔ چنانچہ احتجاج طبری میں ہے حضرت امیر المؤمنین نے فرمایا کہ آنحضرتؐ سے مردوں نے با تین کیس اور فریاد کی کہ انہیں عذاب سے بچائیں۔

قال امیر المؤمنین لَقِدْ كَلِمَهُ الْمَوْتَىٰ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِمْ وَ اسْتَغْاثَوْهُ مِمَّا خَافُوا تَبَعَّهُ.

(احتجاج طبری، ج ۱۱۳)

”یعنی حضرت امیر المؤمنین نے فرمایا ہے کہ مردوں نے اپنی موت کے بعد آنحضرتؐ سے استغاثہ کیا اور فریاد کی کہ انہیں خدا کے عذاب سے پناہ دیں۔“

مولف صاحب! آپ زندوں کو روکتے ہیں کہ ان حضرات سے استغاثہ نہ کریں، مصیبت میں ان کو نہ پکاریں۔ حالانکہ مردے بھی ان کو پکار رہے ہیں اور ان سے استغاثہ کر رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ جانوروں اور مردوں تک کو ان حضرات کی ذوات مقدسہ پر بھروسہ ہے کہ یہ حضرات فریدار ہیں، مفرع العباد ہیں مگر ان زندوں کو کیا ہو گیا ہے کہ خود اُصلَ بَلْ هُمْ أَضَلُّ یعنی جانوروں سے اپنے کو پست کر رہے ہیں اور اپنے کو زندہ سمجھ رہے ہیں۔

حضرت امام جعفر الصادقؑ نے ثقة جلیل القدر محمد بن مسلم ثقیفؑ کو تعلیم فرمایا کہ جب حضرت امیر المؤمنین کی بارگاہ میں پہنچو تو حضرت کی خدمت میں یوں عرض کرو۔

”يَا عَلِيًّا ادْرِكْنِي، كَا شَبُوتَ بَيْنَ!

فِيْ حَقِّ مِنْ اَنْتَ نَمَكْ عَلَيْ سَرِّهِ وَ اسْتَرْعَاكْ اَمْرَ خَلْقِهِ وَ قَرْنَ
طَاعَتْكَ بِطَاعَتِهِ وَ مَوَالَاتِهِ كَنْ لَيْ إِلَيْ اللَّهِ شَفِيعًا وَ مِنْ النَّارِ
مَجِيرًا وَ عَلَى الدَّهْرِ ظَهِيرًا۔

”یعنی یا امیر المؤمنین میں آپ کو اس کی ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے آپ کو اپنے راز

کا امین بنایا ہے اور جس خالق یکتا نے آپ کو اپنی مخلوقات کا رائی اور مخلوقات کو رعایا بنایا ہے اور آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت کے برابر قرار دیا ہے اور آپ کی محبت کو اپنی محبت فرمایا ہے آپ میرے گناہوں کی بخشش کے لئے خدا سے سفارش کر دیجئے اور مجھے آپ جہنم سے بچائیے اور زمانہ کی گردشوں میں میری امداد فرمائیے۔” (مفائق الجنان، ص ۳۸۰)

اس حدیث میں امداد کی طلب ہے اور وہ زمانہ کی گردشوں اور مصائب و مشکلات میں اور خود جناب رسالت کا نامہ اپنی سنت جاری کرنے کے لئے خدا سے دعا کی کہ یا اللہ تو علی ابن ابی طالب کو میرے لئے عون بنادے اور ناصرومدگار اور میرا قوت بازو بنادے۔ اور خدا نے آنحضرتؐ کی دعا قبول فرمائی ہے جس کا نتیجہ نادیعی ہے۔ اس نادیعی کے متعلق اہلسنت نے بھی غزوہ احمد کے موقع پر تحریر کیا ہے کہ آنحضرتؐ پر نادیعی کا نزول ہوا جیسا کہ تاریخ احمد، ص ۲۲ میں مدارج النبوة سے نقل کیا گیا ہے۔ حضرت امیر المؤمنینؑ کو عوناً و ناصراً و عضداً بحکمِ خدا آنحضرتؐ نے فرمایا ہے۔

قال امیر المؤمنین (لا هل الشوری) نشدتکم بالله فيکم احد
قال له رسول الله اللهم اجعله لى عوناً و عضداً و ناصراً غيري
قالوا الا.
(احجاج طبری، ص ۶۹)

”یعنی حضرت امیر المؤمنین نے اہل شوری سے فرمایا کہ میں تم لوگوں کو خدا کی قسم دے کر دریافت کرتا ہوں کہ آنحضرتؐ نے میرے سوا کسی کے لئے خداوند عالم سے یہ دعا مانگی تھی کہ یا اللہ! تو میرے لئے علی کو عون، ناصر، اور قوت بازو بنادے؟ اہل شوری نے کہا نہیں۔“

معلوم ہوا کہ یہ حضرات دنیاوی مصائب و آلام اور بلائے ارضی و سماوی میں ہمارے طباوہ ماوی ہیں اور یہ ہمارے مشکل کشا و حاجت روایتیں۔ چنانچہ جنگِ تبوک میں آنحضرتؐ نے امیر المؤمنینؑ کو دشمنوں کے مقابلہ میں مدد کے لئے پکارا ہے۔

تصرف فی الدنیا کی حدیث معصوم

عن ادریس عن الصادق قال سمعته يقول ان منا اهل البيت لمن الدنيا عنده بمثل هذه و عقد بيده عشره. (بحار الانوار، جلد ۷، ص ۳۷۲)

”حضرت صادقؑ نے فرمایا ہے کہ بالتحقیق ہم اہلیت میں وہ ہستیاں ہیں کہ دنیا ان کے نزدیک اس کے مثل ہے آپ نے اپنے انگوٹھے کی جڑ میں اپنی انگشت شہادت کو ملا کر حلقة بنایا کہ یوں ہے۔“

علامہ مجلسیؒ نے اس کی شرح اس طرح تحریر فرمائی ہے۔

بيان عقدة العشره بحساب العقود و هو ان تصنع راس ظفر
السبابه على مفصل انسنة الا بهام ليصير الا صبعان معاً
كحلقة مدورة اي الدنيا عندا لاما كهنهذه الحلقة في ان له ان
يتصرف فيها باذن الله كيف شاء او في علمه بما فيها
واحاطته بها.
(بحار الانوار، جلد ۷، ص ۳۷۲)

”یعنی عقدة العشرہ بحساب العقود کا مطلب ہے کہ انگشت شہادت کا بالکل
ناخن والا سر انگوٹھے کی جڑ پر رکھا جائے تاکہ یہ دونوں انگلی اور انگوٹھا بہم ہو کر گول حلقة کی شکل
میں ہو جائیں۔ یعنی تمام دنیا امام کے نزدیک اسی حلقة کے مانند ہے کہ وہ باذن خدا اس دنیا
میں تصرف کرے جس طرح چاہے۔ یا اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے علم میں دنیا اور ما فیہا اس
حلقة کی طرح ہیں اس کے علمی احاطہ کی وجہ سے۔“

اس تشریح حضرت علامہ مجلسیؒ سے ثابت ہو گیا کہ ان کے نزدیک یہ عقیدہ درست ہے
کہ امام دنیا پر باذن خدا تصرف کرتا ہے اور اس کو یہ حق حاصل ہے۔

محمدؐ و آلؐ محمدؐ کو اختیار عطا و منع حاصل ہے

قرآن مجید میں حضرت سلیمان و حضرت داؤؓ کے ملک بکیر کا ذکر صاف موجود
ہے اور ان کے قبضہ میں وحش و طیور، جن و انس، ہو اور جبال سب ہی تھے۔ ان کا تخت ہوا پر
اڑتا تھا اور ہوا ان کے تابع تھی۔ یہ تمام واقعات قرآن مجید اور اس کی تفسیر میں موجود ہیں
جس کے انکار کی جرأت کوئی موافق نہیں کر سکتا۔

حضرت سلیمان و داؤؓ کو خداوند عالم نے جو کچھ عطا فرمایا تھا وہ سب کچھ اور اس سے
فضل محمدؐ و آلؐ محمدؐ کو عطا فرمایا ہے جیسا کہ تفسیر آیت رب هب لی ملکا... الخ میں مذکور

ہے چنانچہ تفسیر بربان، ص ۹۱۸ میں مذکور ہے:-

وروی عن سلمان الفارسی عنہ قال کا جلوسامع امیر المؤمنین بمنزلہ لما بویع عمر بن الخطاب قال كنت انا والحسن والحسین و محمد بن الحنفیه و محمد بن ابی بکر و عمار بن یاسر والمقداد ابن اسود الکندی عنہم قال له اینہ الحسن یا امیر المؤمنین ان سلیمان سال رہ ملکا لا ينبغي لا حد من بعده فاعطاہ ذلک فهل ملکت مما ملک سلیمان بن داؤد فقال والذی خلق الحبة و بر النسمة ان سلیمان بن داؤد سئال اللہ عزوجل الملک و عطاہ و ان اباک ملک مالم یملکہ بعد جدک رسول اللہ احد قبلہ ولا یملکہ احد بعده.

”سلمان فارسی“ نے بیان فرمایا ہے کہ امام حسن نے اپنے پدر بزرگوار حضرت امیر المؤمنین سے دریافت کیا جبکہ میں اور مقداد و عمار یا سر محمد بن حنفیہ و محمد بن ابو بکر آنحضرت کی خدمت میں موجود تھے اور وہ سوال یہ کیا کہ خداوند عالم سے حضرت سلیمان بن داؤد نے سوال کیا تھا کہ مجھے ملک عطا فرماء، خدا نے ان کو عطا فرمادیا۔ تو کیا آپ کو بھی ایسا ہی عطا فرمایا ہے؟ تو جناب امیر المؤمنین نے ارشاد فرمایا تھم ہے اس ذات کی جس نے دانہ کو شکافتا کیا اور نفوس کو پیدا کیا ہے جناب سلیمان نے خدا سے سوال کر کے ملک حاصل کیا ہے اور تمہارے بابا یے ملک کے مالک ہیں کہ جو سلیمان کو بھی نہیں ملا اور نہ کسی اور کو ملا۔ نہ سلیمان سے قبل نہ سلیمان کے بعد اور اس ملک کے مالک تمہارے جد بزرگوار تھے اور ہم مالک ہیں۔“ (اقتباس اہلبیت زندہ باد)

عن ابی جعفر“ ان اسم اللہ الا عظیم علی ثلاثة و سبعین حرفاً و
انما کان عند اصف منها حرفاً واحد فتكلم به فخسف بالا
رض ما بینه‘ و بین سریر بلقیس حتى تناول السریر بینه ثم
عادت الارض كما كانت اسرع من طرفة العین و نحن عندنا
من الاسم الاعظم اثنان و سبعون حرفاً و حرفاً عند اللہ
تبارک و تعالى استائز به في علم الغیب عنده ولا حول ولا

قوة الا بالله العی العظیم۔ (کافی، ص ۱۳۰)

”امام محمد باقرؑ سے منقول ہے کہ اسم اعظم تہتر حروف ہیں ان میں سے صرف ایک حرف آصف بن برخیا کے پاس تھا کہ جس کے ذریعہ چشم زدن میں زمین سمٹ گئی اور تخت بلقیس کو اپنے ہاتھ سے اٹھا کر سلیمان پیغمبر کی خدمت میں پیش کر دیا اور ہمارے پاس تو بہتر حروف اسم اعظم ہیں اور خدا کے پاس حرف واحد اس کے علم غیر میں ہے جو اس کے ساتھ مخصوص ہے، اور ہمیں جو قوت و طاقت حاصل ہے وہ سب خدا ہی کی عطا کی ہوئی ہے۔ (آصف ابن برخیا کا مججزہ خود ان ہی کا فعل ہے جیسا کہ آیت قرآن سے ثابت ہے کہ انہوں نے خود کہا ہے کہ میں چشم زدن سے پہلے تخت بلقیس لے آؤں گا۔“

سمعت ابا عبد اللہ يقول ابن عيسیٰ بن مریم اعطی حرفین
کان معامل بهما واعطی موسیٰ اربعۃ احرف واعطی
ابراهیمٰ ثمانیۃ احرف واعطی نوع خمسۃ عشر حرفًا و
اعطی آدم خمسۃ و عشرين حرفًا وان اللہ تبارک و تعالیٰ
جمع ذالک کلہ لمحمدًا و ان اسم اللہ الا عظم ثلاثة و
سبعون حرفًا و اعطی محمدًا اثنین و سبعين حرفًا و حجب
عنه حرف واحد۔ (کافی، ص ۱۳۱)

”امام جعفر الصادقؑ سے منقول ہے کہ جناب عیسیٰ بن مریم کو خدا نے صرف دو حرف اسم اعظم عطا فرمائے تھے جن کے ذریعہ سے تمام کمالات دکھائے تھے اور جناب موسیٰ کو چار حرف عطا کئے تھے اور جناب ابراہیم کو آٹھ حروف عطا ہوئے تھے اور جناب نوح کو پندرہ اور جناب آدم کو پچیس اور خداوند عالم نے یہ کل حروف محمد مصطفیٰؐ کو عطا فرمادیئے تھے اور یہ اسم اعظم تہتر حروف ہیں ان میں سے آنحضرتؐ کو بہتر حروف خدا نے عطا فرمائے ہیں، ایک حرف مخصوص خدا کی ذات سے ہے۔

اسکی تائید یہ حدیث بھی کرتی ہے جواحیج طبری، ص ۱۵۱ پر منقول ہے۔

قال امیر المؤمنین والذی بعثه بالحق نبیا ما من آیۃ کانت لا
حد من الانبیاء من لدن ادُم الی ان انتہی الی محمدًا الا وقد

کان لمحمدی مثلها او افضل منها.

”حضرت امیر المؤمنین نے فرمایا ہے کہ اس ذات کی قسم جس نے آنحضرتؐ کو نبی بننا کر بھیجا ہے آدم سے لے کر آنحضرتؐ تک جس قدر معجزات انبیاء کو دیئے گئے ہیں وہ سب کے سب اور ان سے بھی افضل آنحضرتؐ کو دیئے گئے ہیں۔“ (بحار الانوار، جلد ۷، ص ۳۶۲)

نیز اسی کتاب احتجاج طبری ص ۱۵ پر امام حسن عسکری سے منقول ہے جس میں کافی تفصیل کے ساتھ اکثر انبیاء کے معجزات کا ذکر ہے کہ حضرت نوحؑ نے طوفان کا مجزہ دکھایا، اور حضرت ابراہیمؑ کے لئے آگ گلزار بنی اور حضرت موسیؑ نے عصاء کو اڑ دھا بنا�ا اور حضرت عیسیٰؑ نے مردوں کو زندہ کیا اور غیب کی باتیں اور اسی طرح دیگر انبیاء کا ذکر ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان ذوات مقدسہ کے اختیارات من جانب اللہ امور تخلیقی پر بھی تھے نہ یہ کہ صرف شریعت کے عالم تھے اور صرف احکامِ شریعت پہنچانے آئے تھے۔
چنانچہ کتاب کافی، ص ۲۵۹ پر ہے:-

عن ابی بصیر عن ابی عبداللہؑ قال اما علمت ان الدنيا
والآخرة للامام يضعها حيث يشاء و يدفعها الى من يشاء
جائز، له ذلك من الله.

”ابو بصیر نے امام جعفر صادقؑ کا ارشاد بیان کیا ہے کہ آنحضرتؐ کہ تمہیں معلوم نہیں کہ دنیا و آخرت امام کے لئے ہے امام کو اختیار ہے کہ دنیا کو جس طرح چاہے استعمال کرے اور جس طرح چاہے عطا کرے یہ اختیار خدا نے انہیں عطا کیا ہے۔“

کتبت الى العسکری جعلت فداق روی لنا ان ليس لرسول
الله من الدنيا الا الخمس فجاء الجواب ان الدنيا وما فيها
(کافی، ص ۲۵۹) الرسول الله.

”جناب امام حسن عسکری سے لکھ کر دریافت کیا گیا کہ جناب رسالت ابؐ کے لئے دنیا میں سے صرف خس لیعنی پانچواں حصہ ہے؟ تو آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ تمام دنیا اور جو کچھ اس میں ہے وہ سب رسول اللہ کی ملکیت ہے۔“

عن زید الشحام قال سئالت ابا عبد الله في قوله تعالى هذا

عطاؤنا فامن او امسک بغير حساب قال اعطي سليمان
 ملکاً ثم جرت هذه الآية في رسول الله و كان له يعطي ما
 يشاء من يشاء ويتعذر من يشاء واعطاه افضل مما اعطي
 سليمان لقوله تعالى ما اتاكم الرسول فخذوه و ما نهكتم عنده
 فانتهوا. (تفسير برهان، ص ۹۱۸)

”امام جعفر الصادقؑ سے زید شحام نے اس آیت کی تفسیر دریافت کی کہ خداوند عالم نے
 فرمایا ہے هذا اعطاء فا فامن او امسک بغير حساب یعنی یہ ہماری بخشش ہے
 اے سليمان جس کو چاہودے کر منون کرو یا اپنے پاس رکھو اس میں تمہیں اختیار ہے اور اس کا
 کوئی حساب و کتاب نہیں ہے۔“

حضرت امام جعفر الصادقؑ نے فرمایا کہ یہ بخشش خدا نے سليمان کو دی تھی اور یہی آیت
 جناب رسول خدا کے لئے بھی جاری ہے اور آنحضرتؐ کو بھی اختیار ہے کہ جس کو چاہیں عطا
 کریں اور جس کو چاہیں محروم کر دیں اور یہ بخشش سليمان پیغمبر سے افضل و اعلیٰ آنحضرتؐ کے
 لئے عطا ہوئی ہے جیسا کہ خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ ہمارا رسولؐ جو کچھ تمہیں عطا کر دے وہ
 قبول کرو اور جو کچھ تم سے روک لے اس سے باز رہو۔

جناب امام جعفر الصادقؑ نے ’اتاکم‘ کے معنی مال کی بخشش اور ’نهاکم‘ کے معنی
 مال روک لینا ارشاد فرمائے ہیں اور یہی مطلب ہے صادقؑ آل محمدؐ کے ارشاد گرامی کا
 کہ قرآن مجید مخصوص افراد اور مخصوص جزئیات کے لئے نازل نہیں ہوا ہے بلکہ یہ قرآن
 کلیات و ضوابط کے طریقہ پر نازل ہوا ہے یعنی ایک آیت اگر کسی خاص فرد یا کسی خاص
 قوم یا کسی خاص جز کی مقصد کے لئے آئی ہو تو اس فرد کے یا قوم کے یا جزوی معنے کے
 مرنے اور ختم ہو جانے کے بعد قرآن بھی مر جاتا اور ختم ہو جاتا پھر قیامت تک کے لئے
 حاوی نہ ہوتا۔ (علم البقین)

لہذا معلوم ہوا کہ ایماء کے دونوں معنی ہیں خواہ شریعت دین یا مال دنیا عطا کریں،
 دونوں کا حق نبی و امام کو حاصل ہے۔ کیونکہ امام نے اس آیت کو حضرت سليمان کی بخشش
 کے ذکر میں دلیل قرار دیا ہے کہ انہیں اپنی ملکیت میں جو خدا کی بخشش تھی اختیار تھا جس کو

چاہیں دیں اور جس کو چاہیں نہ دیں۔ ان کو خداوند عالم نے بجہت ملکِ مالکِ دنیا بنایا ہے اور یہ اسی طرح ہے کہ جس طرح آج دنیا کے لوگ اپنی اپنی ملکیت کے مالک ہیں لیکن حقیقی مالک خدا ہے تو تی الْمَلْكُ مِنْ تَشَاءُ وَ تَنْزَعُ الْمَلْكُ مِنْ تَشَاءُ یعنی خدا جس کو چاہے ملک عطا کر دے اور جس سے چاہے واپس لے لے۔ اس کو اختیار حاصل ہے اس نے اس طرح کا اختیار ان ذوات مقدسہ کو بھی عطا فرمایا ہے اور ان کو دنیا کا وارث و مالک قرار دیا ہے۔ جناب سلیمان کو جتنا دیا اس میں ان کو اختیار دیا تھا جس کو چاہیں عطا کریں اور جس کو چاہیں محروم کریں یہ ایتا اور منع ان حضرات کے لئے خدا کی بخشش ہے۔ البتہ خداوند عالم کو ہر وقت اختیار ہے کہ جس کو جتنا چاہے عطا کر دے اور جس سے چاہے واپس لے لے۔

تو تی الْمَلْكُ مِنْ تَشَاءُ وَ تَنْزَعُ الْمَلْكُ مِنْ تَشَاءُ کیونکہ مالک حقیقی وہی ہے اور یہ حضرات اسی کے وارث ہیں ان کو ملکیت کے حقوق ثانویٰ حیثیت سے حاصل ہیں۔

مؤلف صاحب کا اقرارِ تصرفِ اہلیت بعد الموت

”اصول الشریعہ، ص ۱۳۱ پر قطر از ہیں ملاحظہ فرمائیے:-

(اگرچہ ہم اپنے عقول ناقصہ کی نارسائی کی وجہ سے ان کی حیات طیبہ باطینہ بر زیدیہ کو نہ سمجھ سکیں یہ اور بات ہے۔ لیکن عدم وجود ان کو دلیل عدم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ لہذا ان حضرات کی حیات طیبہ باطینہ بر زیدیہ قرآن و حدیث کے نصوص صحیح و صریحہ سے ثابت ہے۔ لہذا ان کی موت سے ان کے آثار و تصرفات حیات منقطع نہیں ہوتے)

مؤلف صاحب سے خداۓ قہار نے یہ اقرار لکھوا لیا ہے کہ ان ذوات مقدسہ میں ایک ایسا جو ہر ذاتی ہے کہ جس کی وجہ سے یہ حضرات ظاہری موت کے بعد بھی تصرفات فرماتے ہیں اور آثار حیات ظاہر کرتے رہتے ہیں۔ یہ تصرفات جس کمال ذاتی کا نتیجہ واثر ہیں وہ عقول ناقصہ کی رسائی سے بالاتر ہے۔ عقل اس کا ادراک نہیں کر سکتی مگر عقل کی عاجزی کی وجہ سے اس جو ہر ذاتی کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ہے حق کی چوٹ جس سے باطل کے پرخچے اڑ گئے۔ اب تو جدا گانہ نوع کا تحریری اقرار ثابت ہے۔ جادو وہ جو سر پر چڑھ کر بولے۔ اب تو

وحدث نوع سے توبہ کیجئے کیونکہ یہ تصرف نوع بشر کو حاصل نہیں ہے۔

حضرات محمد و آل محمد قلبِ عالم ہیں

یوسف بن یعقوب کہتے ہیں کہ میں حضرت صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ آپؐ کی حضوری میں آپؐ کے صحابہ کی ایک جماعت بھی تھی جس میں حمرا بن اعین و مومن طاق و ہشام بن سالم اور طیار اور اس کی جماعت بھی تھی اور آپؐ کی بزم میں ہشام بن حکم بھی فرد کش تھے وہ جوان عمر تھے اس وقت صادقؑ آل محمدؐ نے فرمایا اے ہشام! انہوں نے عرض کی لبیک یا بن رسول اللہ۔ آپؐ نے فرمایا اے ہشام تم نے عمر بن عبید سے جو مناظرہ کیا تھا وہ ذرا سناو۔ ہشام نے عرض کی میں آپؐ پر فدا ہو جاؤں یا بن رسول اللہ آپؐ جیسی ہستی کے سامنے کس طرح بیان کروں زبان لکھت کرتی ہے۔

حضرت نے فرمایا اے ہشام ہمارا حکم ہے اور تمہارا تعییل کرنا فرض ہے۔ ہشام نے عرض کی مولا مجھے خبر ملی کہ عمر بن عبید جامع مسجد بصرہ میں اپنے حاشیہ نشینوں کے ساتھ مند نشین ہے اور مسائل دینی بیان کرتا ہے۔ مجھے یہ بات ناگوار گز ری اور میں اس کی طرف روانہ ہو گیا۔ روز جمعہ تھا مسجد جامع میں اجتماع عظیم تھا اور عمر بن عبید درمیان میں مند نشین تھا۔ اس نے سیاہ چادر باندھی ہوئی تھی اور سر پر کملی اوڑھی ہوئی تھی۔ لوگ اس سے مسائل دریافت کر رہے تھے۔ میں بھی مجمع کو چیرتا ہوا اس کے حاشیہ نشینوں کے آخر میں دوز انوجا بیٹھا، اور میں نے عرض کی اے عالم میں ایک مسافر ہوں۔ کیا مجھے اجازت ہے کہ آپؐ سے کوئی مسئلہ دریافت کروں۔ اس نے کہا کہ شوق سے پوچھو۔ میں نے سوال کیا کہ کیا آپؐ کی آنکھیں ہیں؟ اس نے کہا بیٹایہ بھی مسئلہ ہے جو مجھے سے دریافت کر رہے ہو۔ میں نے کہا مجھے تو یہی دریافت کرنا ہے۔ اس نے کہا اگرچہ یہ بے وقوفی کا سوال ہے مگر دریافت کر کے کیا چاہتا ہے۔ میں نے عرض کی کہ آپؐ کی آنکھیں ہیں؟ اس نے کہا ہاں۔ میں نے کہا کہ ان آنکھوں سے آپؐ کیا کام لیتے ہیں؟ اس نے کہا کہ رنگ اور صورتیں دیکھتا ہوں۔ میں نے کہا کہ آپؐ کی ناک ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ میں نے کہا اس سے آپؐ کیا کرتے ہیں اس نے کہا کہ میں بوسونگھتا ہوں کہ خوشبو ہے یا بدبو۔ پھر میں نے کہا کہ آپؐ کی زبان ہے؟ اس نے کہا

کہ ہاں۔ میں نے پوچھا اس سے آپ کیا کرتے ہیں اس نے کہا کہ گفتگو کرتا ہوں۔ میں نے کہا کہ آپ کے کان ہیں؟ اس نے کہا کہ ہاں ہیں۔ میں نے پوچھا ان سے آپ کیا کرتے ہیں۔ اس نے کہا کہ ان سے آوازیں سنتا ہوں۔ پھر میں نے پوچھا آپ کے ہاتھ ہیں؟ اس نے کہا کہ ہاں ہیں۔ میں نے پوچھا ان سے آپ کیا کرتے ہیں اس نے کہا کہ ان ہاتھوں سے چیزوں کو پکڑتا ہوں اور نرم و سخت کا پتہ لگاتا ہوں۔ پھر میں نے پوچھا کہ آپ کے پاؤں ہیں؟ اس نے کہا ہاں۔ میں نے کہا آپ ان سے کیا کرتے ہیں اس نے کہا کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ آتا جاتا ہوں۔ میں نے کہا کہ آپ کا وہن ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں ہے۔ میں نے کہا کہ آپ اس سے کیا کرتے ہیں اس نے کہا کہ اس سے کھانوں کے ذاتیہ چکھتا ہوں۔ پھر میں نے کہا کہ آپ کا دل ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں۔ میں نے پوچھا کہ اس سے آپ کیا کرتے ہیں اس نے کہا کہ میرے یہ اعضاء جن کا ذکر کیا گیا ہے جو کام کرتے ہیں اس کا امتیاز کرتا ہوں کہ درست کیا ہے یا غلط کیا ہے۔ پھر میں نے کہا کہ یہ اعضاء جو کچھ کرتے ہیں یہی کافی نہیں ہیں کہ خود امتیاز کر سکیں؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ پھر میں نے کہا کہ کیونکر کافی نہیں ہیں جبکہ یہ تمام اعضاء صحیح و درست ہیں اس نے کہا کہ اے بیٹا یہ اعضاء جب شک کرتے ہیں کہ درست کام کیا ہے یا نہیں یعنی ناک سے تھیک تھیک سونگھا ہے یا نہیں اور آنکھ نے درست دیکھا ہے یا نہیں اور زبان نے صحیح چکھا ہے یا نہیں، اس کا فیصلہ یقین حاصل کرنے کے لئے دل کے حوالہ کرتے ہیں اور دل فیصلہ کرتا ہے کہ انہوں نے اپنا کام درست کیا ہے یا نہیں۔ یعنی یقین حاصل کرنے کے لئے دل کی ضرورت ہے اور اسی دل کے ذریعہ شک رفع ہو جاتا ہے۔

ہشام کہتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا کہ معلوم ہوا کہ خداوند عالم نے دل کو اس لئے قائم کیا ہے کہ اعضاء کے شکوک رفع ہو جائیں اس نے کہا کہ بے شک ورنہ اعضاء کے شکوک رفع نہ ہوں گے۔

پھر میں نے کہا کہ ابو مروان خداوند عالم نے تمہارے اعضاء کو یوں ہی نہیں چھوڑا جب تک کہ ان کے لئے امام نہیں بنایا جو صحیح کو صحیح ثابت کرے اور شک کو دور کرے، پھر کس طرح وہ اس تمام مخلوقات کو بغیر ایسے امام کے چھوڑ دے گا کہ وہ حیرت و شک میں پڑے رہیں اور کوئی

اختلاف دور کرنے والا نہ ہو جبکہ تمہارے اعضاء جسم کو امام دے دیا ہے جو حیرت کو دور کرتا ہے۔ یعنی کہ عمر بن عبید خاموش ہو گیا اور کچھ نہیں کہا۔ پھر میری طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا کہ کیا تم ہشام ہو؟ میں نے ظاہری طور پر کہا کہ نہیں۔ اس نے کہا کہ کیا ان کے ہم صحبت رہتے ہو؟ میں نے کہا کہ نہیں۔ کہنے لگا پھر تم کس جگہ سے تعلق رکھتے ہو؟ میں نے کہا کہ کوفہ سے۔ تو اس نے کہا کہ پھر تو تم ہی ہشام ہو۔ اس کے بعد اس نے مجھے یہند سے لگایا اور اپنے پاس مند پر بٹھایا۔ اور جب تک میں بیٹھا رہا وہ بالکل خاموش رہا اور کچھ نہ بولا۔ یعنی کہ حضرت امام صادقؑ مکرانے۔ پھر فرمایا اے ہشام تمہیں کس نے یہ تعلیم دی ہے۔ میں نے عرض کی یا بن رسول اللہ یہ علم آپ ہی سے تو لیا ہے۔ حضرت نے فرمایا اے ہشام جو کچھ تم نے کہا ہے صحف ابراہیم و موسیٰ میں بخدا یہی لکھا ہوا ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ امام درحقیقت تمام خلائق کا قلب ہے اور یہی اصلاح خلق و تدبیر امور اور نظامِ عالم کا مدبر ہے اور اسی لئے اس کو جنت اللہ کہتے ہیں۔

جدا گانہ نوع کا قہری اقرار

مولف صاحب نے کتاب اصول الشرعیہ ص ۱۲۰ پر تحریر فرمایا ہے ملاحظہ کیجئے:-
 (آئندہ اطہار ظاہری موت کا ذائقہ چکھ کر دارِ دنیا سے دارِ آخرت کی طرف منتقل ہو چکے ہیں اور موت کے جو شرعاً ظاہری علامم و آثار ہوتے ہیں مثل نماز جنازہ و تغییل و تکفین اور تقسیم ارث وغیرہ امور بھی عمل میں آچکے ہیں۔ یہ سب حقائق ناقابل انکار حد تک مسلم الثبوت ہیں۔ مگر یہ حقیقت بھی ناقابل انکار ہے کہ ان بزرگواروں کی موت سے ان کے آثار حیات کا خاتمہ نہیں ہوتا بلکہ ان کے آثار کا سلسلہ برابر جاری و ساری رہتا ہے)

اس تحریر سے یہ ثابت ہے کہ ان ذات مقدسہ میں اور عام انسانوں میں یہ فرق ہے کہ ان کی موت سے ان کے آثار حیات نہیں مرتے بلکہ وہ جاری و ساری رہتے ہیں بخلاف دیگر انسانوں کے کہ ان کے آثار حیات ان کی موت کے ساتھ مر جاتے ہیں۔ لہذا اسلام کرنا پڑے گا، کہ ان ذات مقدسہ میں دیگر انسانوں کے علاوہ ایک ایسا جو ہر ذاتی موجود ہے جو فنا نہیں ہوتا اور نہ اس کو موت آتی ہے۔ اسی لئے حضرت امیر المؤمنین نے فرمایا ہے۔ اُن میتنا لم

یمت، یعنی ہماری میت نہیں مرتی ہے بلکہ اس میں ایک جو ہر حیات موجود ہے جو آثار کا مبدع ہے اور یہی ان کی فصلِ میت ہے لہذا ان کی نوعِ الگ ہے۔

حضراتِ محمد و آل محمد کی خلقتِ جسمانی

پہلی حدیث:-

عن حسن بن راشد قال قال ابو عبد الله^ا ان الله اذا احب ان يخلق الامام اخذ شربة من تحت العرش فاعطاها ملكا فسقاها اياد فمن ذالك يخلق الامام. (بخار الانوار، ج ۷، ص ۲۶۱)
 ”حسن بن راشد کہتے ہیں کہ حضرت امام جعفر الصادقؑ نے فرمایا کہ با تحقیق جب خدا چاہتا ہے کہ امام کو خلق فرمائے تو ایک مشروب عرشی دے کر فرشتہ کو بھیجتا ہے کہ وہ امام کو پلا دے پس اسی مشروب سے امام دیگر مخلوق ہوتا ہے۔“ یعنی ایک امام سے جب دوسرا امام پیدا کرتا ہے تو اس کا مادہ تخلیق یعنی اجزاء اصلیہ مشروب عرشی سے پیدا کرتا ہے۔

دوسری حدیث:-

عن ابی عبد الله ان نطفة الامام من الجنة و اذا وقع من بطن امه الى الارض وهو واضح يده الى الارض رافعا راسه الى السماء. (بخار الانوار، جلد ۷، ص ۷)

”حضرت امام جعفر الصادقؑ نے فرمایا ہے کہ امام کا نطفہ یعنی جو ہر لطیف جنت کے ماکول یا مشروب سے ہوتا ہے۔ اور جس وقت وہ زمین پر قدم رکھتا ہے تو اپنے ہاتھ زمین کی طرف رکھتا ہے اور سر آسمان کی طرف بلند کرتا ہے۔“

تمیری حدیث:-

عن ابی عبد الله اذ اراد الله ان يقبض روح الامام و يخلق من بعده اماماً انزل قطرة من ماء تحت العرش الى الارض فيلقىها على ثمرة او على بقله فيأكل تلك الشمرة او تلك

البقلة الامام الذى يخلق الله نطفة الامام الذى يقوم من
بعده قال يخلق الله من تلك قطرة نطفة في الصلب
يصير الى الرحم .
(بحار الانوار، جلد ۷، ص ۲۶۲)

”حضرت امام جعفر الصادقؑ کا ارشاد ہے کہ جب خدا ایک امام کی روح قبض
کرتا ہے اور اس کے بعد دوسرا امام پیدا کرتا ہے تو عرش کے پانی کا قطرہ
نازل فرماتا ہے اور اس قطرہ کو کسی پھل یا سبزی میں ڈال دیتا ہے۔ پھر اس کو
امام تناول کرتا ہے اور اس سے جو ہر لطیف کو خلق کرتا ہے اس امام کے لئے
جو اس امام کے بعد پیدا ہوگا اسی قطرہ سے جو ہر لطیف کو خلق فرماتا ہے پھر یہ
جو ہر لطیف رحم مادر میں قائم کر دیتا ہے۔“
چونچی حدیث:-

عن علی بن الحسینؑ قال ان الله عزوجل خلق النبین من طينة
عليين قلوبهم و ابدانهم و خلق قلوب المؤمنين من تلك
الطينة و جعل خلق ابدان المؤمنين من دون ذالك و خلق
الكافر من طينة سجين قلوبهم و ابدانهم .

(اصول کافی، ج ۳۰۶۔ بحوالہ اصول الشریعہ، ص ۵۲)

”حضرت امام زین العابدینؑ کا ارشاد ہے کہ خداوند عالم نے انبیاء کے
قلوب اور ابدان طینت علیین سے پیدا کئے ہیں اور مؤمنین کے قلوب بھی
اسی طینت سے اور ابدان اس کے علاوہ دوسری چیز سے، اور کفار کو طینت
سجین سے پیدا کیا ان کے دل بھی اور ابدان بھی۔“

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء و آنہم کے بشری بدن کے اجزاء ہمارے
اجزاء سے جدا گانہ ہیں۔
پانچویں حدیث:-

عن ابی حمزہ المثالی قال سمعت ابا جعفرؑ يقول ان الله
خلقنا من اعلى علیین و خلق قلوب شیعتنا مما خلقنا و

خلق ابدانہم من دون ذالک فقلوبهم تھوی الینا لا نها
خلقت مما خلقنا۔ (کافی، ج ۲۲۷، ص ۲۲۷)

”حضرت امام محمد الباقرؑ نے ارشاد فرمایا ہے کہ خداوند عالم نے ہمیں اعلیٰ علیین سے پیدا کیا ہے اور ہمارے شیعوں کے قلوب کو اسی سے پیدا کیا ہے اور ان کے ابدان کو اس کے علاوہ سے۔ پس ہمارے شیعوں کے قلوب جو ہماری طرف مائل ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ ان کے دل ہماری طینت سے خلق ہوئے ہیں۔“

چھٹی حدیث:-

عن ابی جعفرؑ قال للامام عشر علامات یولڈ مطہر امختونا
واذا وقع على الارض وقع على راحتيه دافعاً صوته
بالشهادتين ولا يجنب ولا تنام عينه ولا ينام قلبه ولا يتشارب
ولا يتمطى ويرى من خلفه كما يرى من امامه ونجوه
كرائحة المسلك والارض موكلة بستر ة وابتلاعه
واذالبس ذرع رسول الله كانت عليه وفقاً واذالبس غيره
من الناس طويلهم وقصيرهم ذادت عليه شبراً وهو محدث
الى ان تنقضى ايامه عليه السلام۔ (کافی، ج ۲۲۶، ص ۲۲۶)

حضرت امام محمد الباقرؑ نے فرمایا ہے کہ امام کی دس علامتیں ہیں۔

پہلی علامت: یہ ہے کہ وہ پاک و پاکیزہ ختنہ شدہ پیدا ہوتا ہے۔

دوسری علامت: یہ ہے کہ وہ جب زمین پر قدم رکھتا ہے (پیدائش کے وقت) تو اپنے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو زمین پر رکھتا ہے۔ اور شہادتیں ادا کرتا ہے۔

تیسرا علامت: یہ ہے کہ وہ حب نہیں ہوتا ہے۔

چوتھی علامت: یہ ہے کہ اس کی آنکھ سوتی ہے دل نہیں سوتا ہے۔

پانچویں علامت: یہ ہے کہ وہ جماہی نہیں لیتا ہے۔

چھٹی علامت: یہ ہے کہ وہ انگڑائی نہیں لیتا ہے۔

ساتویں علامت: یہ ہے کہ جس طرح وہ آگے دیکھتا ہے اسی طرح پیچھے بھی دیکھتا ہے۔

آٹھویں علامت: یہ ہے کہ اس کے فضلہ سے مشک کی بوآتی ہے۔

نویں علامت: یہ ہے کہ اس کے جسم پر جتاب رسالت آب کی زرہ بالکل درست اترتی ہے اور اگر کوئی اور آدمی اس کو پہنے خواہ وہ طویل قامت ہو یا پستہ قد، وہ زرہ ایک باشت زیادہ ہو گی۔

دوسریں علامت: یہ ہے کہ وہ ملائکہ سے باتیں کرتا رہتا ہے۔

اس حدیث میں صاف الفاظ میں بتا دیا گیا ہے کہ امام جب نہیں ہوتا ورنہ نجس ہو جائے۔ لہذا ان کا طریقہ تخلیق و تولید ہماری طرح نہیں ہے۔ ان کو کسی وقت کسی حال میں نجاست چھوٹنیں سکتی۔

نوع بشر در حقیقت جنسِ انبیاء و آنکہ ہے

مولف صاحب کو غلط فہمی ہوئی ہے کہ وہ انبیاء و آنکہ طاہرین کے اجسام مطہرہ کو جو درحقیقت جنس ہیں اور اعلیٰ جنس ہیں فصل سمجھ بیشے ہیں اور اسی وجہ سے ایک نوع فرض کر کے اعتراضات کر رہے ہیں اور اپنے اس غلط مفروضہ پر تحریر فرماتے ہیں۔ ملاحظہ، وصول اشرعیہ، ص ۵۳۔

”ایک آدمی حلال غذا کھاتا ہے جس سے اس کا نطفہ تکمیل پاتا ہے اور دوسرا حرام غذا پر گزراؤقات کرتا ہے۔ ایک اطیف غذانوش کرتا ہے اور دوسرا کثیف و غلیظ۔ اس میں تو کوئی مشک نہیں کہ طبی نقطہ نگاہ سے اس اختلاف غذا کا مولود کی سیرت و کردار اور صحبت و ستم مزاج پر ضرور اثر پڑتا ہے۔ مگر کوئی صحیح الدماغ اور صاحب عقل سلیم یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ اس اختلاف غذا سے جو بچے متولد ہوں گے ان کی نوع بھی ایک دوسرے سے علیحدہ علیحدہ ہو گی۔ مالکم کیف حکمون۔“

مولف صاحب اگر صحیح الدماغ اور صاحب عقل سلیم ہیں تو انہیں کس نے ورغلایا ہے اور کس نے یہ دھوکا دیا ہے جسم کے پا کیزہ اور صحبت مند ہو جانے سے نبی و امام الگ نوع ہیں۔ ذرا اپنے ہوش و عقل کا علاج کرائیے ہم نے کب کہا ہے کہ ان کے بشری اجسام پا کیزہ

سے ان کی نوع الگ ہے۔ ہم نے تو یہ کہا ہے کہ ان کی فصل میز جس کی وجہ سے وہ علیحدہ نوع ہیں وہ ان کا کمال ذاتی ہے جس کی وجہ سے وہ فرشتوں کو دیکھتے ہیں اور ان پر وحی آتی ہے اور مروں کو زندہ کرتے ہیں اور زمین و آسمان کے حالات کو جانتے ہیں۔ اسی کمال کی وجہ سے وہ ہم سے جدا گانہ نوع ہیں۔ مگر وہ کمال ذاتی ایسا کمال ہے کہ اس کے سمجھنے سے عقول عالمین قاصر ہیں اور مولف صاحب عاجز ہیں۔ اسی کمال کو ہم فصل میز کہتے ہیں۔ وہ کمال طبع بشریں نہیں ہوتا۔

بجیت معلم ملائکہ و معلم بشر فصل میز ایک ہے

اسی مطلب کو جناب امام جعفر الصادقؑ نے اپنے ارشاد حنفیہ میں ظاہر فرمایا ہے:-

عن الصادقؑ كنا انوار اصفونا حول العرش نسبح فيسبح اهل السماء بتسبينا الى ان هبطنا الى الارض فسبينا فسبح اهل الارض بتسبينا وانا النحن الصافون وانا لعن المسبحون.

(تفسیر عاصی)

”حضرت امام جعفر الصادقؑ فرماتے ہیں کہ ہم صرف بستہ نور تھے حول عرش تسبیح کرتے تھے اور ہماری تسبیح اہل آسمان کی تعلیم تسبیح کا سبب تھی یہاں تک کہ ہم زمین پر اترے اور ہم نے تسبیح کی تو ہماری تسبیح اہل زمین کی تسبیح کا سبب قرار پائی۔ اور ہم ہی ہیں صرف بستہ عبادت کرنے والے اور ہم ہی ہیں تسبیح کرنے والے۔“

اس حدیث مبارک سے بالکل واضح ہو گیا کہ یہ ذوات مقدسہ جب عالم انوار میں تھے تو اہل آسمان کے معلم تھے۔ اور جب زمین پر تشریف لائے تو اہل زمین کے معلم بنے۔ یعنی ان حضرات کے ذوات مقدسہ میں تبدیلی نہیں بلکہ ان حضرات کو جب اہل آسمان کا معلم بنایا گیا تو وہ شکل دی گئی جس سے اہل آسمان مانوس ہو کر استفادہ کریں اور عبادت خدا کا طریقہ حاصل کریں اور جب زمین پر معموث ہوئے تو ان ہی ذوات مقدسہ کو وہ شکل دی گئی کہ جس سے اہل زمین استفادہ کر سکیں اور ان ہی حضرات کے ذریعہ مکارم اخلاق کی تکمیل کر سکیں۔

اب مولف صاحب غور فرمائیں کہ کیا ان دونوں صورتوں میں ان ذوات مقدسہ کے وجود کو معدوم کیا گیا، یا صورت جنیہ تبدیل کی گئی؟ پھر یہ حضرات صرف جنس میں مشترک

ہوئے، نوع پھر بھی علیحدہ رہی اور وہ صورت جنسیہ عالم انوار میں اہل آسمان کے لئے جدا گانہ تھی اور عالمِ اجسام میں وہ صورت جنسیہ علیحدہ حیثیت کی ہے تاکہ اہل آسمان اور اہل زمین دونوں استفادہ کر سکیں۔ اور اگر ان ذوات مقدسہ کے وجود ہی کو فنا کر دیا یا تو ہبوط و نزول کس چیز کا ہوا۔ یعنی اس کے کیا معنی ہوئے کہ ہم زمین پر وارد ہوئے اور خدا نے ہمیں مکارم الاخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا۔ لہذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان حضرات کا وجود مقدس دونوں مقام پر باقی رہا۔ اور اگر کہیں ان کا وجود مطلب ہی فنا ہو جائے تو تمام عالم فنا ہو جائے۔ لہذا یہ حضرات قبل خلائق بھی تھے، اور خلائق کے ساتھ بھی ہیں، اور خلائق کے بعد بھی رہیں گے۔ الا ماشاء اللہ۔

نبیُّ و امام کی عادت امت کے لئے خرقِ عادت

انبیاء و آنہمہ طاہرینؐ خدا کی عطا کردہ اور خلق فرمودہ قوت کو خود استعمال کرتے ہیں۔ لہذا اس قوت کا استعمال اور اس وقت کا عملی طور پر اظہار نبی اور امام کا فعل ہے اور یہ ان کا عادی فعل ہے یعنی حضرت آدم سے لے کر حضرت خاتم الانبیاء تک اور پھر حضرات مخصوصین کے ذوات مقدسہ تک مسلسل یہ افعال ان سے صادر ہوتے رہے جو ان کے لئے عادتِ مسترد ہیں۔ مگر چونکہ یہ قوتِ اعجاز امت کو نہیں عطا کی گئی تھی اس لئے امت کے لئے یہ افعال خرق عادت ہیں اس لئے امت کو سر تسلیم ختم کرنا پڑتا ہے۔ اور اس امر پر ایمان لانا پڑتا ہے کہ ان حضرات میں جو قوت ہے وہ ہم میں نہیں ہے اور یہی جدا گانہ نوع کی دلیل ہے۔

اس مقصد کو جناب محسن اسلام صاحب عہد الاسلام نے اس طرح تحریر فرمایا ہے ملاحظہ کیجئے۔

ان المعجزة و ان كانت خرق العادة بالنسبة الى غير الانبياء
والاوصياء لكن بالنسبة اليهم عادة مستمرة من لدن ادم الى
خاتم الاوصياء.

(عہد الاسلام، ص ۱۳)

”باتحقیق مجذہ اگرچہ خرق عادت ہے یعنی جو عادتیں اشیائے عالم کے لئے معین و مقرر ہیں ان کے خلاف ہے مگر یہ خلاف عادت غیروں کے لئے مگر ان حضرات کے لئے خرق عادت نہیں ہے بلکہ ان حضرات کی عادتِ مسترد جو آدم سے حضرت خاتم الانبیاء امام آخر

ازمانِ عجل اللہ فرجہ تک مسلسل ان کی عادت ہے۔“

اس حقیقت کو سمجھ لینے کے بعد مؤلف کو تسلیم کر لینا پڑے گا کہ جو افعال ان ذوات مقدسہ کی عادتِ مسترد ہیں وہی افعال ہمارے لئے مجذہ ہیں اور درحقیقت یہ مجذبات ان ذوات مقدسہ کے کمال ذوات مقدسہ کے کمال ذات کے آثار ہیں اور ان ہی آثار کی وجہ سے ان کے اقوال کی تصدیق ہوتی ہے جیسا کہ محسن اسلام نے عباد الاسلام ص ۵ پر درج کیا ہے۔

لہذا یہ حضرات جدا گانہ نوع ہیں اور اسی کمال ذاتی کا ایک اثر یہ ہے کہ ان ذوات مقدسہ کے اجسام مطہرہ کا سایہ نہیں ہے اور یہ حضرات جس طرح سامنے دیکھتے ہیں اسی طرح عقب میں دیکھتے ہیں اور ان حضرات کی آنکھ سوتی ہے مگر دل نہیں سوتا۔ یہ تمام علماء ان حضرات کے کمال ذاتی کے آثار ہیں اور یہ کمال جو ہر ذات میں داخل ہے۔ چنانچہ علماء امام میں اس کا ذکر موجود ہے اور کتب حدیث میں آئندہ طاہرین سے منقول ہے۔ چنانچہ سرکار علامہ مجلہ نے تحریر فرمایا ہے:-

وَتَنَامُ عَيْنَهُ وَلَا يَنَامُ قَلْبُهُ وَلَا يَكُونُ لَهُ فَشَىٰ وَيَرِى مِنْ خَلْفِهِ كَمَا
يَرِى مِنْ بَيْنِ يَدِيهِ وَقَالَ الصَّدُوقُ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ لَا يَكُونُ لَهُ
فِي لَا نَهِ مُخْلوقٌ مِنْ نُورِ اللَّهِ.

(بحار الانوار، جلد ۷، ص ۲۹۶)

”یعنی علماء امام میں سے یہ ہے کہ ان کا دل نہیں سوتا ہے آنکھ سوتی ہے اور ان کا سایہ نہیں ہوتا ہے اور وہ اپنے عقب اور پشت کی اشیاء کو اسی طرح دیکھتے ہیں جس طرح اپنے سامنے کی اشیاء کو۔ جناب شیخ صدوقؑ نے فرمایا ہے کہ امام کا سایہ اس لئے نہیں ہوتا کہ وہ نورِ خدا سے خلق ہوا ہے۔“

(بحار الانوار)

اس حدیث مبارک سے بالکل واضح ہو گیا کہ یہ خوارق عادات ان ذوات مقدسہ کے آثار ہیں اور ان حضرات کی عادتِ مسترد ہیں۔ اب اگر یہ قوتِ خرق عادات وقتی ہوتی تو کبھی سایہ ہوتا اور کبھی نہ ہوتا اور کبھی آگے پیچھے دیکھتے اور کبھی نہ دیکھتے اور کبھی دل سوتا اور کبھی جاگتا۔

مگر ایسا نہیں بلکہ یہ خرق عادات ان ذواتِ مطہرہ کی عادتِ مسترد ہے جو ہمہ وقت موجود ہے لہذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ آثار مذکورہ وقتی قوت و عارضی طاقت نہیں ہے بلکہ ان کی ذات

میں داخل ہے اور فطرت نوع بشر میں یہ کمال نہیں ہے۔ لہذا نوع بشران کی نوع نہیں ہے۔ آنحضرتؐ کی حدیث سابق الذکر کا یہی مطلب ہے کہ طبائع بشر میں یہ کمال نہیں ہے اور ان حضرات میں موجود ہے اسی لئے بشر اپنی عاجزی تسلیم کرتا ہے۔ اس کی تائید امام جعفر الصادقؑ کی حدیث مبارک سے ہوتی ہے:-

قال ابو عبد اللہؑ یا یونس ان الامام يخلقه اللہ بیده لا يليه احد

غیره و هو جعله يسمع و يرى في بطن امه. (بخار الانوار، جلدے، ص ۲۹۹)

”حضرت امام جعفر الصادقؑ نے فرمایا کہ اے یونس با تحقیق امام کو خدا خود اپنے دست قدرت سے پیدا کرتا ہے اور خدا کے سوا اس کی خلقت میں کسی دیگر ہستی کا تعلق نہیں ہوتا اور خدا اس کی پیدائش میں اسے ایسا بنا دیتا ہے کہ وہ شکم مادر ہی میں سنے اور دیکھنے لگتا ہے۔“ اس ارشاد حق بنیاد سے بالکل روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ خداوند عالم نے جنتۃ اللہ کی خلقت میں ایسی قوت رکھ دی ہے کہ جس کے ذریعہ وہ شکم مادر ہی میں دیکھتا اور سنتا ہے۔ کیا یہ ان حضرات کی خلقت جدا گانہ کی دلیل نہیں ہے؟ اور ان کی تخلیق ہی میں وہ جو ہر پیدا کر دیا جاتا ہے جس کے آثار شکم مادر ہی سے ظاہر ہونے لگتے ہیں۔

ولايتِ الہبیتٌ ولايتِ خدا ہے

قال امير المؤمنين من شك في ولايتها فقد شك في ايمانه
و من اقربها لا يتنى فقد اقرب بولايته اللہ عزوجل ولايتها متصلة
ببولايته اللہ كهاتين و جمع بين اصبعيه يا اصبع من
اقرب بولايته فقد فاذو من انكر بولايته فقد خاب و خسر وهو
في النار.

جواب امیر المؤمنین کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے میری ولايت میں شک کیا اس نے درحقیقت اپنے ایمان میں شک کیا اور جس نے میری ولايت کا اقرار کیا اس نے درحقیقت خدا کی ولايت کا اقرار کیا کیونکہ میری ولايت خدا کی ولايت سے متصل ہے جس طرح یہ میری دو انگشت (حضرت نے دو انگلیاں ملا کر دکھایا)۔

”اے اصنی بن نباتہ جس نے میری ولایت کا اقرار کیا وہ فائز المرام ہو گیا اور جس نے میری ولایت کا انکار کیا وہ خائب و خامر ہوا اور جہنم میں گر گیا۔“

غضب و رضاۓ اہلبیت غصب و رضاۓ خدا ہے

فَلَمَّا اسْغَوْنَا أَنْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَا هُمْ أَجْمَعِينَ۔

”پس جب انہوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے ان سے بدلہ لیا کہ ہم نے سب کو غرق کر دیا۔“ (سورہ زخرف)

حضرت امام جعفر الصادقؑ نے فرمایا:-

”خداوند عالم ہماری طرح غصہ نہیں کرتا بلکہ اس نے اپنے لئے اولیاء پیدا کئے ہیں کہ وہ غصب کرتے ہیں اور راضی و خوشنود ہوتے ہیں اور وہ خدا کے مخلوق و مر بوب ہیں۔ خداوند عالم نے ان کی رضا کو اپنی رضا اور ان کے غصب کو اپنا غصب قرار دیا ہے اور یہ اس لئے کیا ہے کہ ان ذوات مقدسہ کو خود اس نے اپنی ذات کی طرف دعوت دینے والا اور اپنی ذات کی معرفت کرانے والا قرار دیا ہے اس لئے ان کے افعال کو اپنا فعل قرار دیا ہے۔ اور ایسا ہرگز نہیں ہے کہ غصب و رضا خدا کی ذات سے اس طرح تعلق رکھتے ہیں جس طرح ہمیں غصہ آتا ہے اور ہم خوش ہوتے ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اولیاء کے آثار خود اس کی ذات کے آثار پر دلالت کرتے ہیں اور خدا نے سمجھایا ہے کہ جو شخص میرے ولی کی اہانت کرے گا تو اس نے مجھ سے جنگ کا اعلان کر دیا اور مجھے دعوت جنگ دے دی۔ اور فرمایا ہے کہ جو شخص میرے سفیر کی اطاعت کرے گا اس نے میری اطاعت کی اور فرمایا ہے کہ جو لوگ (اے رسول) تم سے بیعت کرتے ہیں وہ مجھ سے بیعت کرتے ہیں۔ ان سب آیات کے وہی معنی ہیں جو میں نے تمہیں بتائے ہیں اور اسی طرح رضا و غصب اور اس کے امثال ہیں (یعنی نصرت و مدد مشکل کشائی و حاجت روائی وغیرہ) اور اگر غصہ اور ملاں خود اس کی ذات میں ہوتا کہ جس نے خود ہی غصہ و ملاں کو پیدا کیا ہے تو کہنے والے کے لئے یہ جائز و درست ہو جاتا کہ وہ یوں کہہ دے کہ خدا ایک دن فنا ہو جائے گا کیونکہ جب اس میں غصہ اور ملاں داخل ہو گیا تو تغیر داخل ہو گیا اور جب تغیر داخل ہو گیا تو فنا سے محفوظ نہیں رہا۔ اور اگر ایسا

ہی ہوتا تو موجود کرنے والا اور جن کو موجود کیا گیا ان دونوں میں فرق نہ رہتا اور نہ قادر و مقدور میں فرق رہتا اور نہ خالق و مخلوق میں فرق رہتا۔ خداوند عالم اس سے اجل وارفع اور بلند و بالا ہے وہ ہر شے کا خالق ہے مگر اپنی حاجت کے لئے نہیں اور جب اس کا کوئی فعل اپنی کسی حاجت کے لئے نہیں ہے تو اس کے لئے حد و کیف محال ہے (یعنی اس کے لئے نہ کوئی ذاتی حد بندی ہو سکتی ہے اور نہ کیفیت و حالت ہی اس کے لئے ہو سکتی ہے) اس کو سمجھو اور یاد رکھو انشاء اللہ۔ (تفیر صافی)

حضرت امام رضاؑ کا ارشادِ حق بنیاد!

حضرت امام رضاؑ نے غالیوں اور مفتوضہ کی گمراہی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا اور ان کی وجہ گمراہی پر روشنی ڈالی کہ یہ اپنی نہیں اور نالائقی سے جنتِ خدا کے کمالات اور اقتدار کی علت نہ سمجھنے کی وجہ سے اس کو خدا کا شریک کا رہا اور خدا کو معمولی حیثیت کا قادر مختار سمجھ بیٹھے اور گمراہ ہو گئے۔

ارشاد فرمایا:-

اَذْلَمُ يَعْلَمُو اَنَّهُ الْقَادِرُ بِنَفْسِهِ وَالْغَنِيُّ بِذَاَهِ الَّذِي لَيْسَ قَدْرَتَهُ
مُسْتَعْرِيَةٌ وَلَا غَنَاهُ مُسْتَفَادٌ وَالَّذِي مِنْ شَاءَ اَفْقَرَهُ وَمِنْ شَاءَ
اَغْنَاهُ وَمِنْ شَاءَ اَعْجَزَهُ بَعْدَ الْقَدْرَةِ وَ اَفْقَرَهُ بَعْدَ الْغَنِيِّ مَا نَظَرُوا
إِلَى عَبْدِ قَدَّا خَتَصَهُ اللَّهُ بِقَدْرَةٍ لِّيَبْيَنَ بِهَا فَضْلَهُ عَنْهُ وَ اَثْرَهُ
بِكَرَامَةِ لِيَوْجِبَ بِهَا حِجْتَهُ عَلَى خَلْقِهِ۔ (احجاج طبری، ص ۲۲۳)

”ان غالیوں اور مفتوضہ نے چونکہ نہیں سمجھا کہ خداوند عالم قادر اور غنی بالذات ہے اور وہ ذات ہے کہ جس کی قدرت عاریت لی ہوئی نہیں ہے اور اس کی بے نیازی اور لا پرواہی کسی سے حاصل کی ہوئی نہیں ہے۔ وہ وہ ذات ہے کہ جس کو چاہے فقیر کر دے اور جس کو چاہے غنی کر دے اور جس کو چاہے قادر بنا کر عاجز کر دے اور غنی بنا کر فقیر بنا دے۔ (اس شانِ کبریٰ کو غالی نہیں سمجھتے)۔ ان لوگوں نے جب خدا کے ایسے بندہ خاص پر نظر ڈالی کہ جس کو خدا نے ایک ایسے اقتدار کا مالک بنادیا ہے یعنی ایسی قدرت کے ساتھ مخصوص کر دیا

ہے کہ جس کے ذریعہ وہ اپنی درگاہِ احادیث میں اس کا مرتبہ فضل ظاہر کرنا چاہتا ہے اور اس کو ایسی کرامت سے نوازتا ہے کہ جس کے ذریعہ وہ اپنی جحت کو لازمی طور پر مخلوق سے منوانا چاہتا ہے۔ (تو یہ لوگ اس راز کو نہ سمجھ سکے اور قدرت و کرامت کو دیکھ کر گراہ ہو گئے۔)

امام رضاؑ کے اس بیان سے واضح ہو جاتا ہے کہ خدا نے ان ذواتِ مقدسہ کو جو خدا کے عبد خاص ہیں۔ ایسی بے پناہ قدرت و کرامت عطا کر دی ہے کہ جس سے ان کی شان کے جلوے نظر آتے ہیں اور تمام خلائق کی عاجزی ظاہر ہو جاتی ہے۔ مگر یہ قدرت و کرامت اس لئے دی تھی کہ لوگوں کو ان کی عظمت کا احساس ہو اور خدا کی بارگاہ میں ان کا تقرب خاص معلوم ہو سکے اور پھر لوگ انکی اطاعت کریں اور ان سے خدا کے احکامات حاصل کریں اور اپنی ضروریات کو ان کے ذریعہ پورا کریں۔ مگر غالباً اور مفتوضہ نے یہ راز نہ سمجھا اور گراہ ہو گئے۔

ناظرین کرام ہر سلیمان اطیع اور صاحبِ عقل انسان سمجھ سکتا ہے کہ ان ذواتِ مقدسہ سے یقیناً ایسے امور ظاہر ہوئے جو غالباً کے لئے خدا یا شریکِ خدا تسلیم کر لینے کا سبب قرار پائے اور امور ان کی قدرت و کرامت خداداد کے آثار تھے۔ لہذا اگر یہ امور صرف احکام شرعیہ ہی ہوتے تو کوئی معمولی عقل والا بھی ان کو خدائی کا درجہ نہ دیتا اور نہ شریکِ خدا قرار دیتا۔ کیونکہ حلال و حرام کی تبلیغ اور امر و نہی کی اطلاع اور وہ بھی لا اکراه فی الدین کو مخوذ رکھ کر کسی طرح بھی خدا یا شریکِ خدا منوانے کا سبب نہیں ہو سکتی۔ لہذا یہ اقتدار امور، تکوین و امور تخلیق ہی میں عطا کیا گیا ہے۔ اور صرف اسی لئے دیا گیا تھا کہ اس کے ذریعے سے خلائق کو ان کے سامنے جھکا دیا جائے اور لوگ اپنی عاجزی تسلیم کر لیں تاکہ انسانی فطرت کے تفاسی ان کی اطاعت پر مجبور کر دیں اور پھر اس کے بعد ان حضرات کے لئے احکامِ خداوندی کی تعمیل کرانا آسان ہو جائے۔ لہذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس قدرت و کرامت کا تعلق امور تکوین و تخلیق ہی سے ہے اور ان کی گمراہی کا سبب درحقیقت یہ ہے کہ وہ ان حضرات کے صاحبِ کمالات و کرامات و مجزرات ہونے کی علتِ غالبی اور مکن جانب اللہ اس اقتدار کے عطا کئے جانے کی صحیح وجہ نہ سمجھے اور اپنی رائے اور اپنے قیاس کی وجہ سے مثلِ خدا یا شریکِ خدا بنادیا۔ مگر ان کی غلطی کو ان کی گمراہی قرار دیا جا سکتا ہے اور ان پر لعنت بھی کی جاسکتی ہے اور ان کی توہین و تذلیل بھی۔ مگر یہ کہاں کی منطق ہے کہ غلطی غالباً اور مفتوضہ سے

سرزد ہوا اور اقتدارِ محمد وآل محمد سے سلب و غصب کر لیا جائے اور پھر ان ذواتِ عالیہ کی قدرت و کرامت کی نفعی کی جائے۔ اور ان کے مراتب کو غلط ثابت کرنے کے لئے ایڈی چوٹی کا زور لگایا جائے، اور ان کے ذواتِ مقدسہ میں کیڑے نکالے جائیں اور ناصیبیت کے تقاضوں کو پورا کیا جائے۔

معجزات کا تعلق امورِ تکوین و تخلیق سے وابستہ ہے

لفظ "معجزہ" کا مطلب ہم سابق میں بیان کر چکے ہیں اور اسکا استعمال بھی قرآن و حدیث میں بکثرت موجود ہے اور اس کے عام معنی کسی کو عاجز کر دینا بھی ہیں خواہ اس کے اسباب عجز کچھ ہوں مگر انبیاء و آئمہ کے لئے امورِ تکوین اور امورِ تخلیق میں تبدیلیاں پیدا کرنے کے معنی میں مستعمل ہے۔ یعنی خارق عادت فطری ہوتا ہے اور اس کے متعدد و مختلف طریقے ہیں۔ کبھی خرق عادت تبدیلی جس کے ذریعہ ہوتا ہے جیسے عصا کو اژدها بنانا۔ سُنگریزوں کو انگور بنانا، پانی کو زمرد دیا قوت بنانا، کبھی فطری طاقت کو سلب کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ جیسے حضرت سارہ کی طرف بادشاہ نے ہاتھ بڑھایا اور وہ خشک ہو گیا۔ کبھی مومنین کو نجات دینے کے لئے ہوتا ہے جس کے شواہد ہزاروں بلکہ لاکھوں ہیں اور اب بھی ایسے معجزات ہوتے رہتے ہیں۔

اور کبھی عظمتِ نبی و امام ظاہر کرنے کے لئے جیسے شکم مادر میں با تین کرنا اور پیدا ہوتے ہیں کلمہ پڑھنا۔ اور قصرِ کرمی کے سُنگرے گرنا۔ نہر سادہ کا خشک ہو جانا۔ آتش کدہ فارس کا خاموش ہو جانا۔ والدین کی پیشانیوں سے قبل پیدائش نور ظاہر ہونا وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام خوارق عادات کسی مدد مقابل کو تکست دینے کے لئے نہیں ہیں۔ لہذا لفظ "معجزہ" اور معنی "معجزہ" کو صرف مقابلہ ہی کے لئے مخصوص کرنا جہالت ہے اور کثرتِ معجزات کو تماشہ خانہ لکھنا گمراہی بلکہ صریحی ناصیبیت ہے۔

خرق عادت کے طریقے

خرق عادت کے طرق کا احصاء تو مشکل ہے مگر متفقہ میں نے مندرجہ ذیل طرق تحریر

فرمائے ہیں:-

- (۱) مقابله اور تحدی: وہ خوارق عادات جو بطور چیخ ظاہر ہوں۔
- (۲) ارهاص : وہ خوارق عادات جو قبل بعثت ظاہر ہوں۔
- (۳) کرامت : وہ خوارق عادات جو صلحائے مؤمنین سے ظاہر ہوں۔
- (۴) استدرانج : وہ خوارق عادات جو اشرار سے ظاہر ہوں ان کی سزا کے لئے۔
- (۵) معونت : وہ خوارق عادات جو مومنین کی گلوخاصی کے لئے ظاہر ہوں۔
- (۶) اہانت : وہ خوارق عادات جو اشرار سے ظاہر ہوں ان کی توہین کے لئے۔
- (۷) اعظام : وہ خوارق عادات جو آسمانہ و انبیاء سے ان کے اظہارِ عظمت کے لئے ظاہر ہوں۔

ایک سائل نے حضرت امیر المؤمنین سے امر کے معنی دریافت کئے ہیں اور حضرت نے تفصیلی جوابات عطا فرمائے:-

قال السائل من هوء لا الحجج قال هم رسول الله ومن حل محله من اصحابه اللہ الذین قرنهم اللہ بنفسه ورسوله وفرض على العباد من طاعتهم مثل الذى فرض عليهم منها لنفسه هم ولاة الا مرالذین قال اللہ فيهم اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و اولى الامر منکم . و قال فيهم ولو ردوا الى الرسول والى اولى الامر منکم لعلمه الذین يستبطونه منهم قال السائل ما ذالک الا مر قال عليه السلام الذى به تنزل الملائکة فى الليلة التي يفرق فيها كل امر حیکم من خلق و رزق و اجل و عمل و عمرو موت و علم غیب السموات والارض والمعجزات التي لا ينبغي الا اللہ واصفیائه والسفراء بينه وبين خلقه۔

”حضرت امیر المؤمنین سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ وہ حجۃ اللہ کوں ہیں، جن کو خدا نے اقتدار عطا فرمایا ہے۔ تو حضرت نے فرمایا کہ وہ حجۃ اللہ خدا کا رسول ہے اور ان کے

نائب جن کو خدا نے برگزیدہ فرمایا ہے اور انہیں اپنے اور اپنے رسول کے ساتھ مقرون کیا ہے اور بندگان خدا پر ان کی اطاعت اسی طرح فرض کی ہے جس طرح اپنی اطاعت۔ اور یہی والیان امر ہیں اور انہی کے لئے ارشاد رب العزت ہے:-

اطیعو اللہ و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم

(اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اور اولی الامر کی اطاعت کرو جو تم میں سے ہیں)

اور انہیں کے لئے فرمایا ہے:-

ولو رَدُوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولَئِكَ الَّذِينَ

يَسْتَبْطُونَهُ مِنْهُمْ.

(اگر رسول و اولی الامر کے پرداں معاملہ کو کر دیتے تو یقیناً اندر ورنی حالات معلوم کرنے والوں کو صحیح علم ہو جاتا)۔

سائل نے دریافت کیا کہ اولی الامر میں لفظ امر کا مطلب کیا ہے؟ یعنی یہ حضرات جس امر کے والی و والی ہیں اس کے معنی کیا ہیں؟ تو حضرت نے فرمایا اس کے معنی وہی ہیں جو لیلۃ القدر میں فرشتے لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور لیلۃ القدر میں جو فیصلہ شدہ امر ان کی خدمت میں فرشتے پہنچاتے ہیں اس کے معنی خلق، رزق، اجل، عمر، عمل، حیات، موت، علم غیب، ارض و سما اور وہ مججزات جو خدا اور حضرات و سفراء و نجی اللہ ہی کے لئے مخصوص ہیں۔“

انبیاء و آئمہ کے مججزات دلیلِ ربوبیت نہیں ہیں

مولف صاحب کا درحقیقت یہ خیال خام ہے کہ اگر مججزات فعلِ نبی و امام ثابت ہو گئے تو وہ خدا بن جائیں گے اور شرک لازم آئے گا۔ درحقیقت اسی خیال سے انہوں نے مججزات کو فعلِ خدا قرار دیا ہے یہ ان کی احتیاط مددوح ہوتی اگر خدا کو مججزات میں مددود کر دینا ممکن ہوتا۔ مگر خدا کی حد بندی امر محال ہے اور کسی مخلوق کا طائفہ اس کی نہ صفات تک پہنچ سکتا ہے اور نہ اس کی ذات تک۔

اسی لئے امام محمد الباقرؑ نے فرمایا ہے کہ تم لوگ اپنے عقول میں جس قدر بھی وقیق سے وقیق تصورِ توحید پیدا کرو گے وہ تمہاری عقل کی حد ہے خدا کی حد نہیں ہے اور وہ تصور تمہارا

خالق ذاتی ہے جو تمہاری ہی طرف رکر دیا جائے گا۔ لہذا مجذہ دلیل توحید نہیں ہے بلکہ عظمتِ توحید کی دلیل ہے۔ کیونکہ جب خدا کے سفراء و امناؤ یہ اقتدار حاصل ہے تو ان کا خالق کیسا مقدار ہو گا جس نے یہ اقتدار عطا کیا ہے۔

درحقیقتِ مجذہ امت کے لئے مجذہ ہے اور امت ہی کے لئے خرقِ عادت ہے نوع انسان کی فطرت طاقتیوں سے بالاتر ہے۔ اسی لئے انسان کو اپنی عاجزی تسلیم کرنا پڑتی ہے مگر انبیاء و آئمہ طاہرین کے لئے ان کی عادت ہے جو آدم سے حضرت صاحب الامر تک مسلسل چلی آئی ہے۔ جیسا کہ ہم سابق اور اق میں مفصل تحریر کر کچے ہیں۔ جو لوگ مولف کی طرح خدا کا محدود تصور رکھتے تھے وہ لوگ گمراہ ہو گئے اور صاحبِ مجذہ کو خدا کہہ دیا کیونکہ ان گمراہوں کا نظر یہ بھی مولف ہی کی طرح کا تھا کہ وہ مجذہ کو فعل خدا سمجھتے تھے اور خدا کا محدود تصور رکھتے تھے۔ حالانکہ خدا نے یہ قوتِ مجذہ ان ذوات مقدسہ کو عطا فرمایا کہ بشری شکل میں مبuous فرمایا تھا مگر پھر بھی گمراہ ہو گئے اور مجذات دیکھ کر ان حضرات کو ربوبیت کا درجہ دے دیا۔ اور جو لوگ ان حضرات کو بشر سمجھے اور اپنی نوع کے افراد سمجھتے رہے وہ کافر ہو گئے اور صاف صاف کہہ دیا کہ تم ہماری نوع کے افراد ہو اس لئے ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے۔

مظلومیتِ انبیاء و آئمہ باعث حفاظتِ توحید ہے

حضراتِ انبیاء و آئمہ نے جب مجذات و کمالات دکھائے تو سفیہوں اور بے وقوں کی گمراہی کا خطرہ تھا کہ ان ذوات مقدسہ کو خدا نہ سمجھ لیں اس لئے خدا و مسلمان نے ان کی مظلومیت کا اظہار کرایا۔ چنانچہ حضرت جنت عجل اللہ وجہہ سے جناب حسین بن روح نے جو کچھ اس سلسلہ میں ساعت کیا تھا اس کو ہم احتجاج طبری سے بطور ترجمہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں:-

”ایک شخص نے جناب حسین بن روح سے دریافت کیا کہ کیا امام حسین ولی اللہ تھے؟ آپ نے فرمایا کہ بے شک ولی اللہ تھے۔ پھر اس نے سوال کیا کہ ان کا قاتل عدو اللہ تھا؟ آپ نے فرمایا بے شک عدو اللہ تھا۔ اس نے عرض کیا کہ کیا یہ جائز ہے کہ خدا پنے ولی پر اپنے دشمن کو مسلط کروے؟ حضرت حسین بن روح نے فرمایا کہ میں جو کچھ بیان کرتا ہوں اس کو سن اور سمجھو۔“

خداوند عالم بذات خود کسی کے سامنے آ کر لوگوں سے خطاب نہیں کرتا ہے اور نہ ان سے بالمشافہ کلام کرتا ہے۔ بلکہ اس کی ذات اجل واعظم اور ارفع واعلیٰ ہے۔ وہ لوگوں کی ہدایت کیلئے اپنا سفیر بشری شکل میں مبعوث کرتا ہے جو ان کی جنس اور صنف میں ان کے مثل ہوتا ہے۔ اگر خدا ایسے رسول 'سفیر' مبعوث فرماتا جو ان کی صنف اور صورتوں کی طرح نہ ہوتے تو لوگ ان سے دور بھاگتے اور ان کی کوئی بات قبول نہ کرتے۔ پس جب خدا کے فرستادہ ان کے پاس آئے جو ان کی ہی جنس کے تھے کھانا کھاتے اور بازار میں چلتے پھرتے تھے تو لوگوں نے ان سفیروں سے کہا کہ تم تو ہماری ہی مثل ہو، ہم تمہاری بات قبول نہیں کریں گے جب تک کہ تم ہمارے سامنے ایسا کمال نہیں دکھاؤ گے جس کے مثل سے ہم عاجز ہوں تاکہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ تم مخصوص ہستی ہو اور ہم تمہارے جیسے کمال پر قادر نہیں ہیں۔ پس خداوند عالم نے ان حضرات کو ایسے مجذبات عطا فرمائے جن سے تمام خلائق عاجز ہیں۔

ان ہی میں سے ایک وہ ہستی ہے کہ جس نے طوفان لا کر اپنا کمال دکھایا اور یہ اس وقت جب کہ اس نے اپنی جدت تمام کر دی اور لوگوں نے پھر بھی نہ مانا، اور سرکشی و نافرمانی کی۔ ایسے لوگ غرق ہو گئے۔

اور ایک وہ ہستی ہے جس کو آگ میں ڈالا گیا اور اس کے کمال سے وہ آگِ سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی ہو گئی۔ اور ایک وہ ہستی ہے جس نے سخت پتھر سے اونٹنی نکال کر اپنا کمال دکھایا اور اس کے تھن سے دودھ جاری کر دیا۔ اور ایک وہ ہستی ہے کہ جس نے اپنے اظہار کمال کے لئے دریا کو شکافت کیا اور پتھر سے چشمے جاری کئے اور خشک لکڑی کو اٹڑ دھا بنا دیا۔ جس نے جادوگروں کے کرتب کو فیل کر دیا اور ان کے رسولوں کو جو سانپ کی شکل میں تھے نگل گیا۔ اور ایک وہ ہستی ہے کہ جس نے مادرزاد اندھوں کو بینا اور کوڑھی کو صحت مند بنایا اور مردوں کو زندہ کر دیا اور یہ سب کمالات خدا کے اذن سے دکھائے اور لوگوں کو یہ بھی بتا دیا کہ انھوں نے اپنے گھر کیا کھایا ہے اور یہ بھی بتا دیا کہ ان کے گھروں میں کیا کیا ذخیرہ ہے اور ایک ہستی کا کمال یہ ہے کہ چاند کے دنکڑے کر دیئے اور اونٹوں اور بھیڑیوں نے ان سے با تیں کیں۔

جب ان حضرات سفراء و امناء اللہ نے ایسے کمالات دکھائے جن سے خلائق عاجز ہو گئی۔ وہ ایسے کمالات نہیں دکھائیں کی تو خدا کی حکمت اور لطف کے پیش نظر ضروری قرار پایا کہ

وہ ان انبیاء میں ایسے کمالات و معجزات کے ہوتے ہوئے ان کو بھی دشمنوں کی ایذ ارسانیوں کے مقابلہ میں غالب رکھے اور بھی مغلوب۔ بھی ظالموں پر غالب آجائیں اور بھی مظلوم بن کر مغلوب ہو جائیں۔ کیونکہ اگر خدا ان کو ہمیشہ غالب رکھتا اور امتحان و ابتلاء اور مصائب میں نہ ڈالتا، تو لوگ ان ہی کو خدا تسلیم کر لیتے اور حقیقی خدا کو چھوڑ دیتے۔ اسی لئے ان کو آزمائشوں میں بتا کیا۔“

اس ارشاد حق بنیاد سے مولف کے تمام دلائل کی روگ حیات قطع ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اگر معجزات و کمالات کے فاعل حقیقی انبیاء و آئمہ طاہرین نہ ہوتے تو خدائی کا شہری نہیں ہو سکتا تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ کمال عظیم خداوندی تھے جو ان کی ذات میں تھے۔ ورنہ لوگ ان کو بھی کمھی اور مجھسر کی طرح عاجزو و مجبور اور فاعلِ مجازی قرار دیتے جس طرح مولف کا اعتقاد ہے۔

دلیل الوہیت کامل بالذات ہونا ہے

قال امير المؤمنين لا نه علم ان براهين الانبياء تكبر في
صدر ا مهمهم و ان منهم من يتخذ بعضهم الها كالذى كان
من النصارى فى ابن مرريم فذكرها دلالة على تخلفهم من
الكمال الذى تفرد به عزوجل الم تسمع الى قوله فى صفة
عيسى حيث قال فيه و امه كانوا يا كلان الطعام يعني من اكل
الطعام كان له ثقل ومن كان له ثقل فهو بعيد مما ادعته
النصارى لا بن مرريم .
(احجاج طبری، ص ۱۲۲)

”جتاب امیر المؤمنین نے فرمایا کہ معجزات انبیاء ان کی اموں کے قلوب میں اس قدر عظیم ہو جاتے تھے کہ بعض لوگ ان کو خدا ہنا لیتے تھے جس طرح ابن مریم کو بنا لیا۔ لہذا خدا نے ان کے کمال بالذات کی نفعی کا اظہار فرمایا جس کا مستحق صرف خدا ہی ہے اور فرمایا کہ عیسیٰ بن مریم دونوں کھانا کھایا کرتے تھے۔ جو شخص کھانا کھائے گا اس میں ثقل ہو گا اور جو ایسا ہو گا وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ یعنی کمال بالذات صرف خدا ہے اور انبیاء میں یہ کمال بالذات نہیں ہے لہذا یہ خدا نہیں ہو سکتے۔“

امیر شام نے ما غنی بہ اللہ کو منوع قرار دیا تھا

عبداللہ بن عباس کو جب حاکمِ شام نے فضائل و مناقب علیٰ و اہلبیت کے ذکر سے منع کیا تھا تو انہوں نے فرمایا کہ کیا آپ ہمیں قرأتِ قرآن سے روکتے ہیں۔ حاکمِ شام نے جواب دیا کہ نہیں۔ ابن عباس نے کہا کہ کیا تاویل و معنی قرآن سے روکتے ہیں حاکمِ شام نے کہا کہ ہاں۔ ابن عباس نے کہا پھر اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہم قرآن پڑھیں مگر اس کے جو معنی خدا نے مراد لئے وہ دریافت نہ کریں۔ پھر خدا نے ہم پر کیا چیز واجب کی ہے آیا صرف قرآن پڑھنا واجب ہے یا اس کے مقصد پر عمل کرنا واجب ہے؟ حاکم نے کہا کہ خدا نے عمل واجب کیا ہے۔ ابن عباس نے کہا کہ ہم اس پر کس طرح عمل کریں گے جبکہ ہمیں خدا کے مقصد و مراد ہی کا علم نہ ہوگا۔ حاکم نے کہا اس کے مقصد و معنی اہلبیت سے دریافت نہ کرو بلکہ دوسرے لوگ جو بیان کرتے ہیں ان سے دریافت کرو۔ ابن عباس نے کہا کہ قرآن مجید نازل ہوا ہے اہلبیت پر، اور ہم معنی دریافت کریں آل سفیان سے۔ کیا آپ ہمیں اس امر سے روکتے ہیں کہ ہم عبادتِ خدا قرآن کے ذریعے نہ کریں جس میں خدا نے اپنا حلال و حرام بیان فرمایا ہے۔ اگر امت رسول مقصود و معنی خدا کو دریافت نہ کرے گی تو ہلاک ہو جائے گی اور اختلافات پیدا ہو جائیں گے حاکمِ شام نے کہا کہ اچھا قرآن کی تاویل و معنی کر لو۔ مگر جو کچھ اہلبیت کے بارے میں نازل ہوا ہے اسے لوگوں تک نہ پہنچاؤ۔ ہاں اس کے علاوہ بیان کر سکتے ہو۔ ابن عباس نے کہا کہ خدا قرآن میں فرماتا ہے کہ لوگ نورِ خدا کو پھونکوں سے بھانا تاچاہتے ہیں اور خدا چاہتا ہے کہ اس نور کو تمام و مکال رکھے خواہ کافر و مل کو یہ بات ناگوار ہی ہو۔ حاکمِ شام نے کہا اے ابن عباس سنبھل جاؤ اور اپنی زبان بند کرو اور اگر ایسا کرنا ہی چاہتے ہو تو پوشیدہ رکھوا اور کسی کو مت بتاؤ اور نہ کوئی تم سے اس بات کو سننے پائے۔ یہ کہہ کر حاکمِ شام گھر آگئے اور ایک لاکھ درہم دے کر اپنا آدمی عبد اللہ کے پاس بھیج دیا۔ اور منادی کرادی کہ جو شخص مناقب علیٰ و اہلبیت میں کوئی حدیث بیان کرے گا تو اس کے جان و مال کی حفاظت کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

کوفہ میں جو شیعیان علیٰ و اہلبیت تھے ان پر پہلے ہی سے سختیاں کی جا رہی تھیں وہاں ابن

زیاد گورنر تھا جس کے ماتحت دونوں عراق تھے یعنی علاقہ کوفہ و علاقہ بصرہ۔ وہ شیعوں کو تلاش کر کے قتل کر رہا تھا جہاں بھی پھر لوں اور ڈھیلوں میں چھپے ہوئے ملتے تھے۔ ان کو خوف زدہ بھی کیا جاتا تھا۔

لہذا ہمارا فرض ہے کہ حضرت امام حسینؑ کے اس طریقہ تعلیم پر عمل کریں اور قرآن مجید کے صحیح مقصد اور صحیح معنی اور احادیث اہلیت کو لوگوں تک پہنچائیں تاکہ قرآن مجید کی وہ قیاسی اور غلط تاویلیں جو نشر و اشاعت کے ذریعہ لوگوں تک پہنچائی گئیں اور پہنچانی جا رہی ہیں ان کا دفاع ہو جائے اور آئندہ طاہرینؑ کے بیان فرمودہ معانی و مقاصد قرآن لوگوں تک پہنچ جائیں۔ اور حق و باطل اور صدق و کذب جدا جدا ہو جائیں۔ کیونکہ تاریخ اپنے کو دہراتی ہے۔ ابھی ایسے چدیت پسند علماء موجود ہیں جو شامی طریقہ پر دین و ایمان کو اپنے قیاسی آراء کے ذریعہ مشتبہ کر رہے ہیں اور اہل بیتؑ کے بیان فرمودہ معانی و مطالب کو نظر انداز کر کے اپنے قیاسات سے قرآن مجید کی تفسیر بالرائے کی اشاعت کر رہے ہیں۔ اور نئے نئے طبع زاد خیالات کی تبلیغ کر رہے ہیں اور یہ لوگ ہم ہی میں شمار ہو رہے ہیں۔ حالانکہ یہ تفسیر اہلیت طاہرینؑ کی تکذیب کر رہے ہیں اور اپنے قیاسی تاویلات سے مونین کے قلوب میں شک داخل کر رہے ہیں۔ لہذا ہم پر فرض عائد ہوتا ہے کہ یہی طریقہ تعلیم پر عمل کر کے حق کو باطل سے اور صدق کو کذب سے جدا کر کے سادہ لوح مونین تک پہنچا دیں تاکہ شامی قیاسات ان کے دلوں میں شک و شبہ داخل نہ کر سکیں جن کی شناخت امام حسن عسکری نے مفصل طور پر بیان فرمادی ہے اور آپ اس کتاب میں مطالعہ کر رہے ہیں کہ یہی نولہ علماء سوء ہے جو چند احادیث فضائل اہلیت کی بیان کر کے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے۔ پھر ان کے قلوب میں شک ذاتا ہے یہ نولہ لشکر یزید سے بھی زیادہ ضرر رہا ہے۔

شیعوں سے آئندہ طاہرینؑ کی توقعات

حضرت امام حسینؑ کی دلی تمنا اس طرح پوری ہو گی کہ مواليان اہلیت اطہار جب بھی کسی جگہ جمع ہوں اور با ہم گفتگو کریں تو آل محمدؐ کو فراموش نہ کریں۔ ان ذوات مقدسہ کا ذکر ضرور کریں، اور اپنے بچوں کو بھی یاد کرائیں۔ چنانچہ حدیث آئندہ میں یہ فرمائش اہلیت

ظاہرین اس طرح مذکور ہے:-

وْفِي الْحَدِيثِ تَزَاوِرُوا وَتَلَاقُوا وَتَذَاكِرُوا مِنْ نَارٍ وَاحِيَّهُ إِلَيْكُمْ
زُورُوا أَخْوَانَكُمْ وَيَزُورُونَكُمْ وَلَا قُوَّا أَخْوَانَكُمْ وَيَلْفَقُونَكُمْ
وَتَذَاكِرُوهُ فِيمَا بَيْنَكُمْ أَمْرَنَا وَمَنْ نَحْنُ عَلَيْهِ وَاحِيَّهُ وَلَا
تَمِيَّتُهُ يَعْنِي تَدْرِسُونَهُ۔ (مجموع الجریں، ص ۲۲۱)

”اے ہمارے دوستو تم لوگ آپس میں ایک دوسرے کی زیارت اور ملاقات کو آتے جاتے رہو اور ان ملاقاتوں میں ہمارا بھی ذکر کرتے رہو اور ہمارے فضائل و مناقب کو اپنے عمل سے زندہ رکھو یعنی تم اپنے بھائیوں کو ملنے جایا کرو اور وہ تمہیں ملنے آیا کریں اور دونوں صورتوں میں جب باہمی گفتگو کرو تو ہمیں فراموش نہ کرو ہمارا بھی ذکر کر لیا کرو اور ہمارا بھی حال بیان کر دیا کرو۔ اس طرح ہمارے ذکر کو زندہ رکھو اور اس ذکر کو مرنے نہ دو۔ اور اس کا درس دیتے رہو اور تعلیم جاری رکھو۔“

اے موالیاں اہلبیت! اپنے آئندہ ظاہرین کی دلی تمنا کیں اور قلبی آرزو کیں تم نے سن لیں کہ تم سے کس محجا نہ انداز میں فرماء ہے ہیں اور تم سے کس قدر توقعات اور امیدیں رکھتے ہیں کہ تم ضرور ان ستم رسیدہ مظلوموں اور فراموش کردہ بادیوں کا ذکر کرو گے۔ اور اپنے آقاوں کی توقعات کو پورا کرو گے اور زیادہ سے زیادہ اجتماعات کا انتظام کرو گے۔ کیونکہ حکومتوں نے ان بزرگواروں کا ذکر مٹانے اور ان ہستیوں کو فراموش کرنے میں کس قدر کوشش کی ہے۔ اور ان کا نام و نشان مٹانے کے لئے کیا کیا ظلم اور کیا کیا سازشیں اور کیا کیا انعامات کے سرکاری انتظامات کئے ہیں۔ مگر امام حسین نے کس طرح ان سازشوں کو ناکام بنا دیا ہے، اس کو اپنا شبیہہ بنالو۔

لہذا آپ حضرات پر فرض عائد ہوتا ہے کہ اہل بیت ظاہرین کے تذکرے اپنی زندگی کا ایک حصہ بھیں اور ہر روز یہ محا سبہ کریں کہ آپ نے ذکر اہلبیت میں کتنا حصہ لیا ہے۔

تبليغِ حدیثِ امامت فرض ہے

قالَ رَسُولُ اللَّهِ معاشرُ النَّاسِ إِنِّي أَدْعُهُمَا إِمَامَهُ وَرَاثَةَ فِي عَقْبِي إِلَيْ

یوم القيامة و قد بلغت ما امرت بتبلیغه حجۃ علی کل حانمرو
غائب و علی کل احد ممن شهداو لم يشهدو لد او لم يولد فلیبلغ
الحاضر الغائب والوالد الى يوم القيمة۔ (احتاج طبری ج ۳۳)

”جناب رسالت تاًبُّ نے فرمایا اے لوگو! میں تمہیں بتاتا ہوں کہ عہدہ امامت میرے
ہی الہبیت نسل میں قیامت کے لئے مخصوص ہے۔ خدا نے مجھے جو حکم تبلیغ دیا تھا میں نے
اچھی طرح تمہیں پہنچا دیا ہے اور حاضر و غائب سب کے لئے جوت ہے اور جو لوگ اس وقت
حاضر ہیں ان پر فرض ہے کہ وہ غائب تک پہنچائیں اور ہر حاضر و غائب پر فرض ہے کہ وہ اس
پیغامِ امامت کو پہنچاتا رہے جو پیدا ہو چکا ہے اس پر بھی اور جو ابھی پیدا نہیں ہوا ہے اس پر
بھی۔ یعنی والد پر فرض ہے کہ وہ اپنے فرزند کو پہنچاتا رہے اور یہ سلسلہ قطع نہ ہو۔“

اس تاکیدی حدیث سے ہم شیعوں پر خصوصی فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم اپنے بپوں سے
ذکر امامت الہبیت کرتے رہیں اور اسی طرح وہ اپنی اولاد سے اور نسل بعد نسل یعنی ذکر جاری
رہے۔ مگر یہ تبلیغ صرف عہدہ امامت کی ہے جو آنحضرت نے خدیجم میں واضح طور پر بیان کی
تھی۔ اس سے مراد تبلیغ شریعت اسلام نہیں ہے۔ یعنی لفظ تبلیغ صرف عہدہ امامت سے
محض ہے اس کے بعد نشوہ و اشاعت اور ترویج و توزیع ہے نہ کہ تبلیغ شریعت۔ جیسا کہ
حضرت امیر المؤمنین نے بیان فرمایا ہے۔

الفاظ قرآن کا مقصد لغت سے حل نہیں ہو سکتا

قرآن مجید میں الفاظ بالتحقیق عربی ہیں اور اسی زبان پر وہ نازل ہوا ہے۔ لیکن ظاہری
الفاظ کا درکرنا اور قرأت کرنا مقصود خدا نہیں ہے بلکہ اس کے معانی و مطالب اور تاویل مراد
خدا ہے اور اس کا علم بغیر وقی و الہام نہیں ہو سکتا۔ مثلاً: صلوٰۃ، زکوٰۃ، حج، یا لفظ نبی و امام،
رسول یا لفظ مید، وجہ، ساق۔ یا لفظ غصب، رحمت، محبت۔ یا لفظ بیت، قریہ، مدینہ۔ یا لفظ علم،
قدرت، ارادہ۔ یا لفظ صراط، سبیل، سُبُل وغیرہ خدا کی طرف منسوب ہو کر لغوی معنی میں باقی
نہیں رہتے۔ اس لئے ان الفاظ کے مقاصد و معانی خداوندی، کتب لغت سے حل نہیں کئے جا
سکتے۔ جیسا کہ ہماری اس کتاب کے مطالعہ سے ثابت ہو جائے گا۔ لہذا مراد و مقصد خدا معلوم

کرنے کے لئے وحی والہام کی ضرورت ہے۔ اسی مطلب کو خداوند عالم نے اس آیہ وافی بدایتہ میں بیان فرمایا ہے:-

وَمَا يَعْلَمُ تَوْبِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ.

جب مقصدِ خدا کا بغیر وحی والہام علم ممکن نہیں ہے تو ہمارے علوم ناقصہ اور آراء کا سدھ سے جو کچھ ثابت ہو گا وہ ہمارے ہی عقول کا مخلوق ہو گا اور اس پر عمل و اعتقاد بے دینی کھلانے کی۔ کیونکہ دین صرف امر و نہیں خدا کا نام ہے نہ کہ اپنے طبع زاد آراء کا۔

حضرت امام محمد الباقرؑ اور حسن بصریؑ کی گفتگو

آیت مذکورہ کے بارے میں فرزند امام زین العابدینؑ اور حسن بصریؑ فقیہہ اہل بصرہ کی اس طرح گفتگو ہوئی:-

ابو تمہزہ ثمائیؑ بیان فرماتے ہیں کہ حسن بصریؑ امام محمد باقرؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں آپ سے قرآن مجید کی کچھ آیات کے متعلق سوال کرنا چاہتا ہوں میں اسی غرض کو لے کر حاضر خدمت ہوا ہوں۔ امام نے فرمایا کہ کیا تم فقیہہ اہل بصرہ نہیں ہو؟ انہوں نے عرض کی ہاں ایسا ہی کہا جاتا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ کیا بصرہ میں تمام اہل بصرہ تم ہی سے علوم لیتے ہیں۔ انہوں نے کہا جی ہاں۔ حضرت نے فرمایا خداوند ہر نقش و عیب سے منزہ ہے۔ تم نے بہت گراں بار طوق اپنے گلے میں ڈال لیا ہے۔ مجھے ایک خبر تمہارے متعلق پہنچی ہے۔ یا تو لوگوں نے تم پر بہتان باندھا ہے یا تم ایسے ہی ہو۔ انہوں نے عرض کی وہ کیا خبر ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ تم لوگوں سے یہ بیان کرتے ہو کہ خداوند عالم نے بندوں کو پیدا کر کے ان کے تمام معاملات ان ہی کے سپرد کر دیئے ہیں۔ یہ سن کر حسن بصریؑ خاموش ہو گئے۔ حضرت نے فرمایا کہ جس کو خداوند عالم یہ وعدہ دے دے کہ تو مامون و محفوظ ہے تو آیا اس وعدہ کے بعد بھی اس کو کوئی خوف ہو سکتا ہے۔ حسن بصریؑ نے کہا نہیں۔

حضرت نے فرمایا میں تمہارے سامنے ایک آیت قرآن پیش کرتا ہوں اور تمہیں خدا کے اس وعدہ کا مخاطب قرار دیتا ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ تم اس کی تفسیر خلاف مقصود خدا کرو گے۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تم خود بھی ہلاک ہو جاؤ گے اور لوگوں کو بھی ہلاک کرو گے۔ حسن

بصري نے عرض کی وہ کیا آیت ہے۔ حضرت نے فرمایا خدا کا ارشاد ہے:-

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقَرِيَّ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا قُرْبًا ظَاهِرَةً وَ

قَدْرًا فِيهَا السِّيرُ سِيرٌ وَفِيهَا لِيالٍ وَإِيَّا مَا أَمْنَى.

”اور ہم نے لوگوں کے اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکتیں اتنا ری ہیں ظاہری بستیاں بنائی ہیں اور ہم نے ان میں سیر کو مقدر و معین کر دیا ہے سیر کرو ان میں شب و روز امن و امان کے ساتھ۔“

اے صن بصري مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے ان بستیوں سے مکہ مراد لیا ہے اور لوگوں کو یہی تفسیر بتائی ہے۔ اے صن بصري کیا جو لوگ مکہ میں حج کے لئے جاتے ہیں وہ راتے میں لوٹے نہیں جاتے۔ اور کیا اہل مکہ خوف زدہ نہیں ہوتے اور کیا ان کے مال نہیں نکل جاتے ہیں۔ پھر لوگ کس طرح امن و امان میں رہے؟

اے صن بصري! یہ برکت والے قریے ہم ہیں۔ خدا نے ہمیں مراد لے کر یہ مثال بیان فرمائی ہے۔ پس جو شخص ہماری معرفت حاصل کرے گا اور ہماری فضیلت کا اقرار کرے گا اور ہمارے پاس علوم حاصل کرنے کے لئے آئے گا اس کے لئے خدا نے فرمایا ہے کہ لوگوں کے اور قریءی مبارکہ کے درمیان ہم نے قریءی ظاہری بنادیئے ہیں۔ ہم سے علوم حاصل کرنے والے اور لوگوں تک ہمارے علوم پہنچانے والے قریءی ظاہرہ ہیں اور ہم قریءی مبارکہ میں اور ”قدرنا فیھا السیر“ یعنی ہم نے خلقت ہی میں قریءی مبارکہ کے اندر علم مقدر کر دیا۔ یعنی برکت بھی دی ہے اور علم بھی مقدر کر دیا ہے۔ لفظ ”سیر“ سے ہمارے علم کی مثل بیان کی ہے اور شب و روز سیر کر دے گے، سے مراد یہ ہے کہ لوگ علم حلال و حرام حاصل کرنے کے لئے شب میں بھی آسکتے ہیں اور روز میں بھی۔ اور شب و روز ہم سے علوم حاصل کئے جاتے ہیں اور حاصل کرنے والوں کو امن و اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ حصول علم ایسی بستیوں سے کر رہے ہیں کہ جو خداوند عالم کی طرف سے معدن علم مقرر کئے گئے ہیں۔ اس لئے انہیں کوئی خطرہ گرا ہی ہوتا ہی نہیں ہے۔ اور شک و شب سے محفوظ رہتے ہیں۔ اسی طرح ہم سے علوم حاصل کر کے لوگوں تک پہنچانے والے ہمارے محدثین ہیں جن کو پورا یقین ہے کہ ہم نے ان سے علم حاصل کیا ہے جو میراث علم کے وارث ہیں۔

اے حسن بصری! خداوند عالم نے آدم سے لے کر آج تک جن کو مصطفیٰ بنایا ہے اور ان کی ذریت کو منتخب کیا ہے اس کا سلسلہ ہم پر منہتی ہوتا ہے۔ اصطفاء و انتخاب قدرت کا سلسلہ تمہارے اوپر منہتی نہیں ہوتا ہے۔ ہم ہیں وہ ذریت جن کو خدا نے چنا اور ذریۃ بعضہا میں بعض فرمایا ہے۔ وہ ذریت ابراہیم ہم ہیں۔ تم جیسے نہیں ہیں۔ پس اگر میں تمہیں جاہل بصرہ کہہ دوں تو درست ہو گا۔ کیونکہ تم نے وہ دعویٰ کیا ہے جس کا تمہیں حق نہیں اور تم نے وہ بات بیان کی ہے جس کا تمہیں علم ہی نہیں ہے۔

دیکھو اے حسن بصری! خدا کا خوف دل میں رکھوا اور کبھی نہ کہنا کہ خدا نے سب کچھ بندوں کے پرداز کر دیا ہے۔ خدا کمزور وضعیت نہیں ہے کہ سب کچھ بندوں کے پرداز کرے اور خدا ظالم نہیں ہے کہ ان کو مجبور کر کے گناہ کرائے۔ (یہ حدیث بہت طویل ہے بقدر ضرورت بیان کر دیا گیا ہے)۔
(احجاج طبری، ص ۱۶۸)

بیوت اللہ و ابواب اللہ کا مطلب

عن اصحاب بن نباتہ قال کنا جالسا عند امير المؤمنین نجاء ابن الكواء فقال امير المؤمنین من البيوت في قول الله عزوجل و ليس البر بان تاتو البيوت من ظهورها ولكن البر من اتقى واتوا البيوت من ابوابها قال على نحن البيوت التي امر الله بها ان توئى من ابوابها نحن باب الله و بيته التي يوتى منه فمن تابعنا واقربوا بولايتنا فقد اتى البيوت من ابوابها و من خالفنا وفضل علينا غيرنا فقد اتى البيوت من ابوابها و من خالفنا وفضل علينا غيرنا فقد اتى البيوت من ظهورها فقال امير المؤمنین و على الاعراف رجال يعرفون كلاما بسيما هم فقال على نحن اصحاب الاعراف نعرف انصارنا بسيما هم و نحن الاعراف يوم القيمة بين الجنة النار ولا يدخل الجنة الا من عرفنا و عرفناه ولا يدخل النار الا من اكرنا وذاك

بَنَ اللَّهُ عَزُوْجَلَ لَوْشَاء عَرْفَ النَّاسِ نَفْسَهُ حَتَّى يَعْرَفُوهُ وَحْدَهُ
وَيَا تُوْهُ مَنْ بَابَهُ وَلَكَنْهُ جَعَلَنَا أَبْوَابَهُ وَصَرَاطَهُ وَسَبِيلَهُ وَبَابَهُ
الَّذِي يَوْتَى مِنْهُ فَقَالَ فَيَمْنَ عَدْلٌ عَنْ وَلَا يَتَنَاوِلُ فَضْلَ عَلَيْنَا
غَيْرَنَا فَإِنَّهُمْ عَنِ الصَّرَاطِ لَنَا كَبُونَ۔ (اجتاج طبری، ج ۱۵)

احسن بن نباتہ کا بیان ہے کہ میں حضرت امیر المؤمنین کی خدمت میں حاضر تھا کہ ابن کو ادا آیا اور اس نے حضرت سے کہا یا امیر المؤمنین قرآن مجید میں جو خدا نے فرمایا ہے:-
”یہ نیکی نہیں ہے کہ تم بیوت میں پشت سے داخل ہو مگر نیکی تو یہ ہے کہ خدا سے ڈرو یعنی اس کی نافرمانی سے پکو اور بیوت میں ان کے دروازوں سے داخل ہو۔“

”حضرت علی نے فرمایا کہ وہ بیوت ہم ہیں جن کے بارے میں خدا نے فرمایا ہے۔ کہ ان کے پاس ان کے دروازوں سے داخل ہو۔ ہم باب اللہ ہیں اور ہم اس کے بیوت ہیں جن کے ذریعہ خدا تک پہنچا جاتا ہے۔ پس جو شخص ہماری پیروی کرے گا اور ہماری ولایت کا اقرار کرے گا تو وہ بیوت میں دروازوں سے داخل ہو گیا۔ اور جو شخص ہماری مخالفت کرے گا اور ہم پر ہمارے غیر کو فضیلت دے گا تو وہ بیوت میں پس پشت سے آیا۔ پس اس نے عرض کی کہ یا امیر المؤمنین اس آیت کا کیا مطلب ہے:-“

”اور اعراف میں کچھ مدد ہیں جو پہچانتے ہیں سب کو ان کی نشانیوں سے۔“

حضرت نے فرمایا ہم اصحاب اعراف ہیں ہم اپنے ناصروں کو پہچانتے ہیں ان کی نشانیوں سے اور روز قیامت ہم ہی اعراف ہیں جنت و دوزخ کا فیصلہ کرنے والے اور جنت میں صرف وہ لوگ داخل ہوں گے جن کو ہماری معرفت ہو گی اور ہم انہیں پہچانتے ہوں گے اور دوزخ میں صرف وہ لوگ داخل ہوں گے جو ہماری معرفت نہیں رکھتے اور ہم انہیں پہچانتے ہوں گے اور یہ اس لئے کہ خداوند عالم اگر چاہتا کہ لوگوں کو اپنی معرفت کرائے کہ وہ اس کی خاص طور پر معرفت کر لیں اور اس کی بارگاہ میں اس کے دروازہ سے آئیں۔ مگر چونکہ اس کی شان نہیں ہے کہ براہ راست اس کی بارگاہ میں پہنچ سکیں۔ اس لئے اس نے ہمیں اپنے ابواب اور صراط اور سبیل قرار دیا اور اسی دروازہ سے اس کی بارگاہ میں حاضری دی جا

لکتی ہے۔ کیونکہ جو شخص ہماری ولایت سے مخرف ہو گا اور ہم پر اپنے غیر کو فضیلت دے گا اس کے لئے خدا نے فرمایا ہے: ”پس یہ لوگ صراط سے ہٹ گئے ہیں۔“ اور مفسر قمی نے فرمایا ہے کہ یہ آیت حضرت امیر المؤمنین کی شان میں نازل ہوئی ہے کیونکہ حضرت رسول خدا کا ارشاد ہے: ”میں شہرِ علم ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں، لہذا آنحضرت کا فرمان کتم شہر میں بغیر دروازہ کے داخل نہ ہو۔“

تفسیر صافی میں ہے حضرت امیر المؤمنین نے فرمایا کہ خداوند عالم نے اپنے علم کے کچھ وارث بنائے ہیں اور بندوں پر ان کی اطاعت فرض کی ہے اور حکم دیا ہے کہ بیوت میں دروازوں کے ذریعہ آؤ اور یہ بیوت درحقیقت بیوتِ العلم ہیں۔ اور تفسیر برهان میں آئندہ معصومین کے احادیث سے ثابت ہے کہ بیوت سے مراد آل محمد ہیں اور یہی خدا کے دربار تک پہنچنے کے دروازے ہیں۔

ان تمام احادیث سے ثابت ہے کہ محمدؐ بیوتِ علم خدا ہیں اور یہی ذواتِ مقدسے ابواب اللہ ہیں۔ لہذا اگر علم و معرفت حاصل کرنا چاہو تو ان ہی سے علومِ خداوندی حاصل ہوں گے اور ان ہی سے خدا کی صحیح معرفت حاصل ہوگی۔

قرآن مجید کے الفاظ کا وہ معنی اور مفہوم جو خدا نے مراد لیا ہے اور جو حاصل غرض نزول قرآن ہے اس کا علم ان ہی حضرات کو بذریعوی و الہام حاصل ہے۔ لہذا قرآن کی قیاسی تاویلیں قطعاً غلط ہیں، اور ان پر عمل کرنا قطعی گمراہی ہے۔ اسی لئے امام جعفر الصادق نے فرمایا ہے:-

کل علم لا يخرج من هذا البيت فهو باطل وأشار بيده الى بيته.

(کتاب الحقائق صاحب تفسیر صافی علام فیض کاشانی، ص ۹)

جو علم اس بیت (گھر) سے نہ لکلا ہو وہ باطل ہے۔ یہ فرمائے حضرت نے اپنے ہاتھ سے اپنے گھر کی طرف اشارہ کیا۔“

تاویل قرآن و احكامِ دین کے بارے میں قیاس عاجز ہے

جناب امام جعفر الصادق نے ابوحنیفہ سے دریافت فرمایا کہ کیا تم مفتی عراق ہو انہوں

نے کہا جی ہاں۔ حضرت نے فرمایا کہ تم عالم کتاب خدا ہو، ناسخ و منسوخ اور محکم و متشابہ کو جانتے ہو؟ انھوں نے کہا جی ہاں حضرت نے فرمایا اس قول کا کیا مطلب ہے:-

وَقَدْ رَأَيْتُهَا سِيرَةً وَفِيهَا لِيالٍ وَإِيمَانٍ

”ہم نے اس میں سیر کو مقدر کر دیا ہے امن و امان کے ساتھ اس میں شب و روز آجائے۔“
یہ کون اسی جگہ ہے۔ ابوحنفیہ نے کہا کہ یہ جگہ مکہ و مدینہ کے درمیان ہے۔

حضرت امام جعفر الصادقؑ نے حاضرین مجلس کی طرف ملتقط ہوئے اور فرمایا کہ میں تم لوگوں سے بقسم خدا دریافت کرتا ہوں کیا ایسا نہیں ہے کہ تم لوگ مکہ و مدینہ کے درمیان جب سفر کرتے ہو تو تم لوگ اپنی جانوں کے قتل اور اپنے اموال کے سرقہ سے مامون نہیں ہوتے ہو۔ سب نے عرض کی کہ جی ہاں۔ حضرت نے فرمایا وائے ہو تم پر۔ اے ابوحنفیہ خدا و نبی عالم تو حق بات کہتا ہے۔ (اور تم نے جو معنی بتائے ہیں وہ خلاف ہیں)

صراطِ مستقیم کا الہی مقصد

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ إِنَّا الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيمُ الَّذِي أَمْرَكُمْ بِاتِّبَاعِهِ ثُمَّ
عَلَىٰ مِنْ بَعْدِي ثُمَّ وَلَدِي مِنْ صَلَبِهِ أَنْمَةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَ بِهِ
يَعْدِلُونَ ثُمَّ قُرَا الْحَمْدُ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ إِلَىٰ أَخْرَهُهَا وَ قَالَ فِي
نَزْلَتْ وَ فِيهِمْ نَزْلَتْ وَ لَهُمْ عُمَّتْ وَ إِيَّاهُمْ خُصْتَ أَوْلَنْكَ
أَوْلَيَاءُ اللَّهِ لَا خُوفٌ.

”جناب رسالت مَبَّ نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں لفظ صراطِ مستقیم سے مراد میں خود ہوں (جو خدا تک پہنچانے کا صحیح اور سیدھا راستہ ہے) اسی لئے خدا نے میرے اتباع کا حکم دیا ہے۔ پھر میرے بعد صراطِ مستقیم علیٰ ہیں۔ پھر ان کے ملب سے میری اولاد صراطِ مستقیم ہیں اور وہ ایسے آئندہ ہیں جو بدایت حق کرتے ہیں اور حق ہی کے مطابق فیصلے کرتے ہیں۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے مکمل سورہ حمد کی تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ یہ سورۃ میرے اور ان ہی کے بارے میں نازل ہوا ہے اور ان سب کے لئے یکساں طور پر شامل ہے اور ان ہی سب کے لئے مخصوص ہے (کوئی اور اس میں شامل نہیں ہے) یہی وہ اولیاء اللہ ہیں جن پر خوف

وارد ہیں ہوتا اور نہ یہ حزن کرتے ہیں۔“

اس حدیثِ پیغمبر سے بھی ثابت ہوا کہ الفاظ قرآن کے معنی لغوی سے مشاء و مراد خدا کو معلوم نہیں کیا جاسکتا۔

زیارتِ محمد وآلِ محمد زیارتِ خدا ہے

عن عبدالسلام بن صالح الھروی قال قلت لعلی بن موسی الرضاً يا بن رسول اللہ ما تقول فی الحديث الذی یرویه اهل الحديث ان المؤمنین یزورون ربهم من منازلهم فی الجنة فقال علیه السلام يا ابا یصلت ان الله تبارک و تعالیٰ فضل نبیه محمد اعلیٰ جمیع خلقہ من النبین والملائکة و جعل طاعته طاعته و مبایعته مبایعته و زیارتہ زیارتہ فی الدنيا والآخرة فقال عزوجل من یطع الرسول فقد اطاع الله . فقال ان الذين یایعونک انما یایعون الله ید الله فوق ایدیہم و قال النبی من زارنى فی حیاتی او بعد موتی فقد زار الله و درجة النبی فی الجنة ارفع درجات فمن زاره فی درجته فی الجنة من منزله قد زار الله تبارک و تعالیٰ قال قلت يا بن رسول الله فما معنی الخبر الذی رووه ان ثواب لا الله الا الله النظر الى وجه الله فقال يا ابا یصلت فمن وصف الله بوجه کا لوجه فقد کفر و لكن وجه الله انبیاء و رسله و حججه عليهم صلوات الله هم الذين بهم یتوجه الى الله عزوجل والى دینه و معرفته فقال الله عزوجل کل من عليها فان و یقی وجه ربک . وقال الله عزوجل کل شئی هالک الا و جھه فالنظر الى انبیاء الله و رسله و حججه عليهم السلام فی درجاتهم ثواب عظیم للمؤمنین وقد قال النبی من ابغض

اہلیتی و عترتی لم یرتنی ولم اراه یوم القيمة و قال عليه السلام ان فيکم من لا یرانی بعد ان یفازقني یا ابا الصلت ان اللہ تبارک و تعالیٰ لا یوصف بمکان ولا یدرك بالبصر والا وهام.

(احتیاج طبری)

”عبدالسلام بن صالح ہروی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علی بن موسی الرضا سے عرض کی یا بن رسول اللہ اہل حدیث نے ایک حدیث روایت کی ہے اور وہ حدیث یہ ہے:-

ان المؤمنين يزورون ربهم من منازلهم في الجنة.
”مؤمنین جنت میں اپنی منزل سے اپنے رب کی زیارت کریں گے“
اس حدیث کے بارے میں حضور کا کیا ارشاد ہے۔

پس حضرت نے فرمایا اے ابوصلت پروردگار عالم نے اپنے نبی محمدؐ کو تمام خلق پر فضیلت عطا کی ہے خواہ وہ تمام انبیاء ہوں یا ملائکہ اور خدا نے ان کی اطاعت اپنی اطاعت اور ان کی بیعت اپنی بیعت اور ان کی زیارت دنیا و آخرت میں اپنی زیارت قرار دی ہے۔ خداوند عالم نے فرمایا ہے:-

جو شخص رسولؐ کی اطاعت کرے گا اس نے یقیناً خدا کی اطاعت کر لی اور جو لوگ تمہاری بیعت کرتے ہیں (اے رسولؐ) وہ درحقیقت خدا کی بیعت کرتے ہیں۔ خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے (یعنی حضورؐ کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ فرمایا ہے) اور جناب رسولؐ خدا نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے میری زیارات کی میری حیات میں ہیں وفات کے بعد کی اس نے درحقیقت خدا کی زیارت کی۔ نبی کا درجہ جنت میں سب سے ارفع ہو گا۔ پس جو شخص جنت میں اپنی منزل سے آنحضرتؐ کی زیارت کرے گا اس نے گویا خدائے تبارک و تعالیٰ کی زیارت کر لی۔

ابوصلت کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی یا بن رسول اللہ اس حدیث کے کیا معنی ہیں جس کی روایت اہل حدیث نے کی ہے۔

ترجمہ حدیث: 'لا اله الا الله' کہنے کا ثواب خدا کے چہرہ پر نظر کرنے کی برابر ہے۔ حضرت نے فرمایا اے ابوصلت جو شخص خدا کے لئے دیگر چہروں کی طرح چہرہ بتائے وہ

کافر ہے۔ درحقیقت خدا کا چہرہ اس کے انبیاء و رسول اور نجح اللہ ہیں صلووات اللہ علیہم اجمعین۔ یہ اس لئے وجہ اللہ یعنی خدا کا چہرہ ہیں کہ ان ہی کے ذریعہ خدا کی طرف توجہ کی جاتی ہے اور ان کے ذریعہ اس کے دین و معرفت کی طرف توجہ کی جاتی ہے (یعنی ذریعہ توجہ ہیں اس لئے وجہ اللہ ہیں)۔

خداوند عالم نے خود فرمایا ہے کہ:-

”جو لوگ بھی زمین پر ہیں سب فنا ہو جائیں گے اور تمہارے رب کا وجہ (چہرہ) باقی رہے گا اور ہر شے ہلاک ہو جائے گی مگر خدا کا وجہ ہلاک نہ ہو گا۔ اسی لئے انبیاء و رسول اور نجح اللہ کی طرف ان کے اپنے اپنے درجات میں نظر کرنا مومنین کے لئے ثواب عظیم ہے۔ اور جناب نبی کریمؐ نے فرمایا:-

”جو شخص میرے اہلبیت اور میری عترت سے بغض رکھے گا وہ نہ روز قیامت مجھے دیکھے گا اور نہ میں اس کو دیکھوں گا اور آنحضرتؐ نے فرمایا ہے اے اصحاب تم میں وہ لوگ بھی ہیں جو ہم سے جدا ہونے کے بعد نہیں دیکھ سکیں گے۔

حضرت امام رضاؑ نے فرمایا اے ابو صلت خداوند عالم کے لئے کوئی مکان نہیں بتایا جا سکتا اور نہ اس کا ادراک ہماری آنکھوں کے نور سے ہو سکتا ہے اور نہ ہمارے وہم و خیال ہی اس تک پہنچ سکتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا کی زیارت کا مطلب درحقیقت حضرات محمد وآل محمدؐ کی زیارت ہے۔“

قال امير المؤمنين و مار میت اذر میت ولكن اللہ رفی نسمی
 فعل النبی فعلا له۔
(الحجاج طبری، ص ۱۲۵)

حضرت امیر المؤمنین نے فرمایا ہے کہ خداوند عالم کا ارشاد ہے:-

”اے رسولؐ جب تم نے نگریزے پھیکنے و تم نے نہیں پھیکنے بلکہ خدا نے پھیکنے۔ پس اللہ نے فعلِ نبیؐ کو اپنے فعل کا نام دیا ہے۔ یعنی درحقیقت وقوع فعل نبیؐ سے ہوا ہے مگر خدا نے اس کو اپنا فعل قرار دیا ہے۔“

جناب شیخ صدقؒ فرماتے ہیں:-

قال الصدوق زیارة اللہ زیارة انبیائے و حججه من زارهم فقد

زارا اللہ کما ان من اطاعهم فقد اطاع الله و من عصاهم فقد عصى الله و من تابعهم فقد تابع الله و ليس ذالک على ما قالوا المشبهة تعالى الله عن ذالک علوا كبيراً۔ (مجمع البحرين، ص ۲۲۲)

”جتاب صدق فرماتے ہیں خدا کی زیارت کا مطلب اس کے انبیاء و آئمہ کی زیارت ہے۔ پس جس نے ان ذوات مقدسہ کی زیارت کی انہوں نے خدا کی زیارت کر لی جس طرح جس شخص نے ان کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس شخص نے ان کی نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی اور جس شخص نے ان کی پیروی کی اس نے خدا کی پیروی کی۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ خدا کی شیبہ ہیں جیسا کہ گروہ مشببہ کہتا ہے۔ خدا جسم و جسمانیت سے منزہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء و آئمہ کے ساتھ جو تعلق ہو گا وہ اللہ کی طرف منسوب ہو گا۔“

حجج اللہ پر ظلم خدا پر ظلم ہے

قال امير المؤمنين و اما قوله و ما ظلمونا ولكن كانوا انفسهم يظلمون فهو تبارك اسمه اجل واعظم من ان يظلم ولكن قرن امنائه على خلقه بنفسه و عرف الخليقة جلاله قدرهم عنده و ان ظلمهم ظلمه بقوله و ما ظلمونا ببعضهم اولياءنا و معونة اعدائهم عليهم ولكن كانوا انفسهم يظلمون.

(احجاج طبری، ص ۱۲۸)

حضرت امیر المؤمنین کا ارشاد ہے کہ قول خدا:-

”اور نہیں ظلم کیا انہوں نے ہم پر مگر خود اپنے ہی نفوس پر ظلم کرتے تھے خداوند عالم جس کا اسم صاحب برکت ہے وہ اس امر سے اجل وارفع ہے کہ خود مظلوم ہو ہاں اس نے اپنے ائمہ اپنے مخلوقات پر مقرر فرمائے ہیں انہیں اپنی ذات کا قرین قرار دیا ہے اور مخلوقات کو ان کی جلالت قدر کی معرفی کرائی ہے جو اس نے اپنی بارگاہ میں انہیں عطا کی ہے ان ذوات مقدسہ پر ظلم درحقیقت خدا پر ظلم کے مترادف ہے جس کو خداوند عالم نے اپنے قول ظلمونا

اتکاب حقائق الوسائط بِنْ مُوسَى مُحَمَّدْ أَلْ جَمَّاد

ستہ بیان کیا ہے یعنی ان لوگوں نے ہم پر ظلم کیا کیونکہ یہ ہمارے اولیاء سے بعض رکھتے ہیں اور ان کے دشمنوں کی مدد کرتے ہیں۔ لیکن یہ ظلم انہوں نے اپنے نفسوں پر کیا ہے۔“

اس حدیث مبارک سے واضح ہو گیا کہ خدا پر کوئی ظلم نہیں کر سکتا اور نہ وہ ظلم ہو سکتا ہے بلکہ اس نے اپنے سفراء اور امناء کو اپنے مخلوقات کے پاس بھیجا ہے اور ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور ان کی بیعت کو اپنی بیعت اور ان کی زیارت کو اپنی زیارت اور ان پر ظلم کو اپنے اوپر ظلم کے متراود قرار دیا ہے۔

حضرت امام حسن عسکری کا ارشاد گرامی بھی ارشاد مذکور کے قریب المعنی جیسا کہ تفسیر البرہان جلد ۲ میں مذکور ہے:-

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ فَضْيَلٍ عَنْ أَبِي الْحَسْنِ الْمَاضِي قَالَ قَلْتَ
يَا دُخْلِيْلَ مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَةِ اللَّهِ قَالَ فِي وَلَيْتَنَا وَالظَّالِمِينَ أَعْدَّ اللَّهُمَّ
عَذَابًا إِيمَانًا إِلَّا تَرَى أَنَّ اللَّهَ يَقُولُ وَمَا ظَلَمْنَا وَلَكِنْ كَانُوا
أَنفُسَهُمْ يَظْلَمُونَ قَالَ أَنَّ اللَّهَ أَعْزُوْ وَأَمْنِعُ مِنْ أَنْ يَظْلِمَ وَأَنْ
يَنْسِبَ نَسَبَهُ إِلَى الظَّلْمِ وَلَكِنَّ اللَّهَ أَخْلَطَنَا بِنَفْسِهِ فَجَعَلَ ظَلْمَنَا
ظَلْمَهُ وَوَلَيْتَنَا وَلَا يَتَّهِيْ.

”محمد بن فضیل بیان کرتے ہیں کہ جتاب امام حسن عسکری سے میں نے دریافت کیا قرآن کی اس آیت کا کیا مطلب ہے کہ خدا جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے اس جگہ رحمت کا کیا مطلب ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ اس سے مراد ہماری ولایت ہے یعنی رحمت خدا ہماری ولایت ہے اور ظالمین کے لئے عذاب ایم مہیا کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم پر ظلم کرنے والے خدا پر ظلم کرنے والے ہیں۔ کیا تم نے خداوند عالم کا یہ ارشاد نہیں دیکھا ہے:-

وَمَا ظَلَمْنَا وَلَكِنْ كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلَمُونَ.

یعنی انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا بلکہ خود اپنے نفسوں پر کیا ہے۔“

خداوند عالم قوی تر اور مانع تر ہے اس امر سے کہ وہ خود مظلوم بنے اور وہ خود فرمائے کہ مجھ پر لوگوں نے ظلم کیا ہے بلکہ خداوند عالم نے ہمیں اپنی ذات اقدس کے ساتھ اتنا مالا یا ہے

کہ ہم پر قلم کو اپنے اوپر قلم بتاتا ہے اور ہماری ولایت کو اپنی ولایت ظاہر کرتا ہے۔ اس حدیث سے بھی ظاہر ہو گیا کہ ان ذوات مقدسہ کے افعال کو اور ان سے مخلوقات کے تعلقات کو خدا اپنی ذات کی طرف منسوب کرتا ہے۔

لہذا ان ذوات مقدسہ کے لئے نیابتِ خداوندی تسلیم کر کے لئے ان حضرات سے اپنے تعلقات کو یہ سمجھو کر خدا سے یہ تعلقات ہیں۔ اور پھر جو چاہوان سے مانگو یہی ایمان ہے۔

تفصیرِ اولِ الامر بِكَلامِ معصومین

ہم نے اس آیت کے متعلق سابقہ اور اُراق میں بھی کلامِ معصومین کے ذریعہ استدلال پیش کیا ہے اور لفظ امر کی تحقیق بھی پیش کی ہے۔ لیکن موالیانِ اہلیت کے قلوب صافیہ میں مزید نور ایمان پیدا کرنے کے لئے معلومات میں اضافہ کی سعادت حاصل کرتے ہیں اور یہ تمام احادیث تفسیر صافی، ص ۱۵۰ سے نقل کرتے ہیں۔

يَا اِيَهَا الَّذِينَ آمَنُوا اطِّبِعُوا اللَّهَ وَ اطِّبِعُوا الرَّسُولَ وَ اولى الامر منکم.

”اے ایمان والو خدا کی اطاعت کرو اور رسول و اولی الامر کی اطاعت کرو جو تم میں سے ہیں۔“ جناب امام محمد باقرؑ نے ارشاد فرمایا ہے جبکہ حضرت سے دریافت کیا گیا کہ کیا اولیاء کی اطاعت خدا کی طرف سے فرض ہے؟ حضرت نے فرمایا بے شک فرض ہے اور حضرت نے اسی آیت کو ثبوت میں تلاوت فرمایا اور آیت انما ولیکم اللہ کو بھی استدلال میں بیان فرمایا۔ نیز حضرت صادق آئیٰ محمدؑ سے جب اسی آیت کے متعلق یہ عرض کی گئی کہ لوگ کہتے ہیں خداوند عالم نے علی اہن ابی طالبؑ اور اہلیت طاہرینؑ کا نام کیوں ظاہر نہیں کیا۔ تو حضرت نے فرمایا جو لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں ان سے یہ کہو۔ خدا نے ”نماز نازل کی مگر کعتیں تین یا چار نہیں بتائیں رسول اللہ نے اس کی تفسیر بیان کی اور زکوٰۃ نازل کی مگر خدا نے نہیں فرمایا کہ چالیس درہم میں سے ایک درہم ادا کرو، رسول اللہ نے تفسیر بیان کی اور حج نازل کیا مگر سات مرتبہ طواف کا ذکر نہیں فرمایا۔ رسول اللہ نے اس کی تفسیر بیان فرمائی۔

یہی وہ رسول اللہ ہیں جنہوں نے اطِّبِعُوا اللَّهَ وَ اطِّبِعُوا الرَّسُولَ وَ اولی الامرؑ کی

تفسیر بیان فرمائی ہے اور فرمایا ہے علیٰ کے بارے میں ”من کنت مولاً“ اور وصیت کی اہمیت کے بارے میں اور کتابِ خدا کے بارے میں اور فرمایا کہ یہ دونوں حوضِ کوثر تک جدانہ ہوں گے اور فرمایا کہ اہمیتِ کو علم نہ سکھا وہ تم سے زیادہ علم رکھتے ہیں اور یہ تم کو بابِ ہدایت سے باہر نہیں نکلنے دیں گے اور بابِ ضلالت میں نہیں داخل ہونے دیں گے۔

جابر کہتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا یا رسول اللہ ان کی غیبت میں شیعوں کو فائدہ پہنچے گا؟ آنحضرت نے فرمایا ہے شک۔ اس ذات کی قسم جس نے مجھے نبوت پر فائز کیا ہے شیعہ ان کے نور سے روشنی حاصل کریں گے اور ان کی ولایت سے فائدہ حاصل کریں گے جس طرح لوگ حالت ابر میں آفتاب سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ اے جابر یہ خدا کا راز پوشیدہ اور علم سر برستہ ہے اس کو نا اہلوں سے پوشیدہ رکھنا۔ اس مضمون کو احادیث بکثرت موجود ہیں جن کا احصاء ممکن نہیں ہے۔ (تفسیر صافی)

حضرت امام حسین نے ارشاد فرمایا ہے:-

قال الحسين نحن حزب الله الغالبون و عترة رسول الله لا
تربون و اهل بيته الطيبون واحد ثقلين الذين جعلنا رسول
الله ثانى كتاب الله تبارك و تعالى الذى فيه تفصيل كل
شئي لا ياتيه الباطل من بين يديه ولا من خلفه والمعول علينا
في تفسيره لا يطينا تاويله بل نتبع حقائقه فاطيعونا فان
طاعتنا مفروضة ان كانت بطاعة الله و رسوله مقرونة قال
الله عزوجل اطيعوا الله و اطيعوا الرسول و اولى الامر منكم
فان تنازعتم في شئي فردوه الى الله والرسول ولو ردوه الى
الرسول و الى اولى الا مر منهم لعلمه الذين يستبطونه منهم
ولو لا فضل الله و رحمته لا تبعتم الشيطان الا قليلا.

(احجاج طرسی، ص ۱۵۳)

”حضرت امام حسین نے فرمایا ہے ہم خدا کا غالب گروہ ہیں ہم رسول اللہ کی سب سے زیادہ قرب ابتداء عترت ہیں اور اہم ان کے طیب و طاہر اہمیت ہیں اور ہم دو ثقل میں سے ایک

عقل ہیں جو ہانی کتاب خدا ہے جس کے لئے خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ اس کتاب میں ہر شے کی تفصیل موجود ہے اور اس میں باطل نہ آگے سے آ سکتا ہے اور نہ پس پشت سے اور اس کی تفسیر کے مرجع بھی ہم ہی ہیں (یعنی ہمارے سوا کسی کو تفسیر کا حق نہیں ہے اور نہ تفسیر کر سکتا ہے کیونکہ خدا کی مراد کو بغیر وحی والہام حاصل کرنا ممکن ہی نہیں ہے) ہمیں اس کی تاویل میں کوئی دشواری نہیں بلکہ ہم تو اس کے حقائق کے پیرو ہیں۔ لہذا تمہارا فرض ہے کہ ہماری اطاعت کرو کیونکہ تم پر ہماری اطاعت فرض کی جا چکی ہے کیونکہ ہماری اطاعت خدا اور رسول کی اطاعت سے ملی ہوتی ہے۔ خداوند عالم کا ارشاد ہے:-

”اے ایمان والو اطاعت کرو خدا کی اور اطاعت کرو رسولؐ کی اور اولی الامر کی جو تم ہی میں سے ہیں (یعنی کسی اور دین کے ماننے والے نہیں ہیں) پس اگر تم میں باہمی کسی مسئلہ میں تنازعہ ہو جائے تو (خود فیصلہ نہ کرو بلکہ) خدا اور رسولؐ کی طرف رجوع کرو (یعنی قرآن اور سنت رسولؐ کے ذریعہ حل کرو۔) اور خدا اور رسولؐ نے تمہیں حکم دے دیا ہے کہ اولی الامر کی اطاعت کرو۔ لہذا ان حضرات سے تنازعہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان کی اطاعت فرض ہے اور جس کی اطاعت فرض ہوا سے تنازعہ کیسا۔ کیونکہ تنازعہ ہو گا تو اطاعت فرض نہ رہے گی اور اطاعت فرض ہے تو تنازعہ نہیں ہو سکتا) اور اگر وہ اس معاملہ کو رسولؐ اور اولی الامر کی طرف راجع کر دیتے تو اس کو وہ لوگ معلوم کر لیتے جو ان کے اندر وہی راز سے واقف ہیں اور اگر خدا کا فضل و کرم تم پر نہ ہوتا تو سوائے معدود وہ چند کے سب ہی شیطان کے پیرو ہو جاتے۔“

تفسیر انا انزلناه فی لیلة القدر

حضرت امام محمد الباقرؑ نے فرمایا کہ جو شخص سورہ انا انزلناه فی لیلة القدر، کو معاشر تفسیر کے جانتا ہے اور اس پر ایمان لا یا ہے اس کی فضیلت ایسے شخص پر جو نہیں جانتا اور ایمان نہیں لا یا ہے، اتنی ہے کہ جتنی انسان کو جانوروں پر ہے۔

حضرت امام جعفر الصادقؑ نے فرمایا ہے کہ سورہ انا النزلناه فی لیلة القدر، میں ملائکہ اور روح نازل ہوتے ہیں یہ روح ملائکہ کے علاوہ جو ملائکہ سے اعظم ہے اور ملائکہ میں

سے نہیں ہے یہ روح شبِ قدر میں امام کی خدمت میں حاضر ہوتی ہے۔

امام محمد الباقرؑ نے فرمایا کہ لیلۃ القدر میں تمام سال کے امور نازل ہوتے ہیں آئندہ آنے والی شبِ قدر تک اور ان تمام امور کے تفصیلات ولی الامر کو پہنچائے جاتے ہیں خود اس کی ذات کے متعلق بھی اور تمام لوگوں کے متعلق بھی اور اس کے علاوہ دیگر علوم بھی ولی الامر کو ہر روز کے متعلق خدا اپنے پوشیدہ اور مخصوص علم سے عطا کرتا ہے۔ حضرت نے اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی:-

”اور اگر زمین کے تمام درخت قلم ہوں اور سند ریا ہی بن جائے اس کے ساتھ سات سند را اور مل جائیں، پھر بھی کلماتِ خدا کو ضبط تحریر میں نہیں لایا جا سکتا۔ یعنی یہ لامناہی علوم بھی خدا والی الامر کو عطا کرتا ہے۔“

حضرات آئمہ طاہرین نے فرمایا ہے کہ یہ شبِ قدر قیامت تک آتی رہے گی اور خدا کے کل امر بھی ولی الامر پر نازل ہوتے رہیں گے اور یہ امور زمین پر اترتے ہیں نہ کہ آسمان سے آسمان پر کیونکہ وہاں اطاعت کے ساتھ معصیت نہیں ہے اور امر کا اترتہ اس کی دلیل ہے کہ ولی الامر موجود ہے کیونکہ کل امر لے کر ملائکہ و روح کسی فاسق پر نازل نہیں ہو سکتے ہیں اور نہ یہ ہو سکتا ہے کہ فرشتے امر خدا لے کر آئیں اور زمین پر کوئی شے ہی نہ ہو جس کے پاس آئیں اور چونکہ آیت میں تنزل ہے یعنی نازل ہوتے ہیں اور ہوتے رہیں گے اس لئے ان کا نزول قیامت تک رہے گا۔ اگر رسول خدا پر نزول ختم ہو جاتا تو صیغہِ ماضی کے ساتھ ہوتا اور معنی یہ ہوتے کہ فرشتے کل امر لے کر رسول خدا پر نازل ہوئے تھے۔ مگر ایسا نہیں ہے بلکہ صیغہِ مضارع ہے لہذا شبِ قدر آتی رہے گی اور نزول ملائکہ و امر خدا قیامت تک ولی الامر پر ہوتا رہے گا اس لئے ہمارے آئمہ طاہرین نے فرمایا ہے کہ شیعوں کے مخالفین پر فتح و نصرت کے لئے سورہ انا انزلن باہترین ثبوت و دلیل ہے۔

حضرات مخصوصین نے فرمایا ہے کہ شبِ قدر تین راتیں ہیں۔ اتنیں، اکیس اور تیس ماہ رمضان مبارک۔ ۱۹ ماہ رمضان کو ایک سال کے تمام امور کی تقدیر و تعیین ہوتی ہے اور ۲۱ ماہ رمضان کو فیصلہ شدہ امور کا نزول ہوتا ہے اور ۲۳ ماہ رمضان کو ان کا اجراء ہو جاتا ہے۔

امام جعفر الصادق نے فرمایا ہے کہ چھ ماہِ رمضان کو تورات نازل ہوئی، بارہ ماہِ رمضان

کو نجیل اور انحصارہ ماہ رمضان کو زیور اور لیلۃ القدر میں قرآن نازل ہوا۔ (یعنی ۲۳ ماہ رمضان جیسا کہ اکثر احادیث مخصوصین سے نزول قرآن کے متعلق یہی تاریخ ظاہر ہوتی ہے اور صحیح علم ان ہی کو ہے)۔

امام عفرا صادق نے فرمایا ہے کہ اگر لیلۃ القدر اٹھ جائے تو اسکے ساتھ قرآن بھی اٹھ جائے گا۔ نیز کل امر سے مراد رزق، موت، خیر، شر، سربرزی، قحط اور جملہ احادیث ہیں جیسا کہ علی ابن ابراہیمؓ کی تفسیر میں ہے۔

امام محمد الباقرؑ نے فرمایا کہ کل امور میں خیر و شر، طاعت و معصیت، مولود و اجل اور رزق وغیرہ وہ تمام امور جو خدا نے مقدر فرمائے ہیں سب ہی داخل ہیں۔

الف شہر ہزار سال سے مراد دو ربی امیہ ہے۔

لیلۃ القدر کی عبادت ایسے ہزار ماہ کی عبادت سے افضل ہے جس میں شب قدر شامل نہ ہو۔ ہر شب قدر میں سورکعت نماز پڑھی جائے اگر کھڑے ہونے کی طاعت نہ ہو تو بیٹھ کر ہی پڑھی جائے۔

لیلۃ القدر حضرت آدم سے شروع ہوئی ہے اور یہ اسی طرح جاری رہے گی اور قائم آل محمدؐ عجل اللہ فرجہ اس وقت صاحب الامر میں نزول ملائکہ و روح حضرت ہی کی خدمت میں ہوتا ہے۔

یہ تمام فرشتے خدا کے امور بھی پہنچاتے ہیں اور اول شب سے تا طلوع فجر محمد وآل محمد پر درود وسلام بھی بھیجتے ہیں۔

انسان فطری طور پر محتاج استمداد ہے!

‘ایا کَ نستعین’ کا مطلب

یہ امر بدیہی ہے محتاج دلیل نہیں ہے کہ نوع انسان فطری طور پر اپنے ضروریات زندگی میں محتاج تعاون ہے یعنی افراد انسانی کی کوئی فرد بھی ایک دوسرے کی مدد و اعانت اور استمداد و استعانت کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ نہ اپنے امور خواراک میں اور نہ لباس میں نہ حصول صحت میں نہ رفع مرض میں۔ یعنی جملہ امور معاش میں ایک دوسرے کی مدد کرتے بھی

ہیں اور ایک دوسرے سے مدد لیتے بھی ہیں۔ دنیا میں کوئی شخص تمباز نہ دینیں رہ سکتا۔ ایک قلمہ نان کے لئے کتنے اسباب اور کتنی صفتیں درکار ہیں اور اسی طرح بدن چھپانے کے لئے اور طرح گرمی و سردی سے حفاظت کے لئے لاتعداد اسباب و ذرائع اور بے شمار صنعت و حرفت کی ضرورت ہے۔

اور اس امر میں بھی کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ ہر شخص اپنی مدد کے لئے ایسے شخص کا انتخاب کرتا ہے جس کو وہ اپنی ضرورت و حاجت برداری کے لئے موزوں سمجھتا ہے اور اپنی حاجت و ضرورت کو اس لئے اس کے سامنے پیش کرتا ہے کہ وہ خود تمباہ اس کو انجمان نہیں دے سکتا یعنی اپنے بجز کا معرفہ ہے اور اس کے ساتھ ہی اس کے لئے ایک ایسی قوت اور ایسی قابلیت کا اعتراف و اقرار کرتا ہے جو اس شخص میں موجود ہے۔ قرآن مجید میں ایمان لانے والوں کو خداوند عالم نے امداد و تعاون کی طرف خصوصی توجہ دلائی ہے اور کبھی اس امداد کو صاحب قوت پر واجب کیا ہے اور کبھی سنت قرار دیا ہے اور کبھی مباح فرمایا ہے اور اس کے لئے حدود مقرر کر دیئے ہیں۔

چنانچہ ارشاد و قدرت ہے:-

تعاونو اعلى البر والتقوى ولا تعاونو اعلى الاثم والعدوان.

”بِإِيمَانِ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دَعَاكُمُ الظَّالِمُونَ إِلَيْهِمْ مُّهَاجِرِينَ لِمَا فِي أَنفُسِهِمْ وَمَا لَمْ يُنْهَا نُهُوكُمْ إِذَا هُوَمُهَاجِرٌ إِلَيْكُمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُنْصُرِ“

هو الَّذِي أَيْدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ (انفال)

الہذا مطابق حکم خدا امداد کرنا صاحب قوت کے لئے فعلِ مددوح ہے جبکہ وہ نیکی و پر ہیز گاری میں کسی کی امداد کرے اور اسی طرح صاحب حاجت کے لئے طلبِ مدد کا حکم ہے اور خود فطرت اس کی مجبور کرتی ہے کہ وہ صاحب قوت سے مدد طلب کرے تاکہ ہلاکت سے حفاظہ رہے۔

وَ إِنْ اسْتَنْصَرُوْ كُمْ فِي الدِّينِ تَعْلِيْكُمُ النَّصْرِ (انفال)

ہمارے اس بیان سے دو مطلب واضح ہو جاتے ہیں۔ مطلب اول ہر شخص اپنے ضروریات زندگی میں حاجت مند ہے اور وہ فطری طور پر محتاج استمداد ہے اور صاحب قوت

وقدرت کی طرف طلب حاجت کے لئے رجوع کرنا تقاضائے فطرت ہے۔

ان تنصرو والله ينصركم. (قرآن)

مطلب دوم: صاحب قوت و قدرت پر عقلاء و شرعاً مدد کرنا بھی واجب ہے کبھی سنت اور بھی مباح۔ لہذا صاحب قدرت و قوت سے استمداد یعنی طلب مدد شرعاً و عقلاء منوع نہیں ہے بلکہ تقاضائے فطرت ہے اور مجانب اللہ اس کی ہدایت ہے تاکہ ہلاکت سے محفوظ رہے اور اسی طرح صاحب قوت و قدرت کا مدد کرنا شرعاً و عقلاء منوع نہیں ہے بلکہ مقتضائے انسانیت ہے۔

امداد واستمداد شرک نہیں!

جس طرح حاجت مند کے لئے غیر خدا سے طلب مدد شرک نہیں اسی طرح صاحب قوت و قدرت کے لئے امداد و اعانت کرنا شرک نہیں۔ ان دونوں صورتوں میں شرک اس وقت متصور ہو سکتا ہے جب حاجت مند کسی کو خدا سمجھ کر طلب کرے اور امداد کرنے والا اپنے کو خدا سمجھ کر مدد کرے چونکہ خدا ایک ہی ہے اور اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے لہذا اسکی مددگار کو خدا یا مثل خدا سمجھ کر پکارنا اور مدد طلب کرنا شرک ہے۔ یہی مطلب ہے آیہ ولا تدعوا ملک اللہ الہا اخر کا۔ یعنی خدا کے ساتھ کسی کو دوسرا خدا سمجھ کرنے پکارو۔

اس آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ کسی غیر خدا کو مددگار سمجھ کر مدد نہ مانگو۔ کیونکہ بغیر مدد زندگی محال ہے۔ لہذا جن کی مدد پر اعتماد ہے ان سے مدد مانگنا تقاضائے فطرت کے مطابق ہے۔

شیخ خالصی نے کتاب احیاء الشریعہ میں اس کے خلاف جو کچھ تحریر فرمایا ہے جس کو مولف نے اصول الشریعہ، ص ۱۶۲ پر درج کیا ہے وہ ہرگز درست نہیں ہے۔ شیخ خالصی کا یہ فرمانا کہ دعاۓ فرج یعنی یا محمد و یا علی اکفیانی فانکمانی کافیاں و انصرانی فانکمانا ناصراں۔ یہ کلمات کفر ہیں اور آیہ لا تدعوا ملک اللہ الہا اخر کے منافی ہیں۔ اگر ہم انہیں خدا سمجھ کر پکارتے تو ہم یقیناً کفر و شرک میں بٹلا ہو جاتے۔

مگر حاشا! کہا ہم نے کبھی دوسرا خدا سمجھ کر نہیں پکارا بلکہ خدائے وحدہ لا شریک کا خلیفہ و

ولی سمجھ کر پکارتے ہیں بلکہ خدا کا مقرر فرمودہ وسیلہ سمجھ کر فریاد کرتے ہیں اور ہم ان کو کافی بھی سمجھتے ہیں اور ناصرو مددگار بھی۔ کیونکہ خود ان ذوات مقدسہ نے اپنے لئے یہ کلمات بالحقیقت بیان فرمائے ہیں:

ونحن الولاة والکفاة.

یعنی ہم ہی خدا کی طرف سے تمہارے ناصرو مددگار اور تمہارے لئے کافی و دافی اور تمہارے حامی و محافظ اور تمہارے رائی و حاکم ہیں۔

”ناقابل انکار دلائل قطاعہ و برائیں ساطعہ سے اس امر کو ثابت کیا جا چکا ہے کہ امور تکوینیہ خلق و رزق امانت و احیاء اور شفا وغیرہ میں ان بزرگواروں کا منصب و مقام سفارش کرنا ہے ان کی انجام وہی قطعاً ان کے متعلق نہیں نہ بطور تفویض نہ بطور توکیل اور نہ بطور آلات وغیرہ۔ تو اس سے ارباب عقل سليم وطبع مستقيم کے لئے یہ معنہ خود بخود حل ہو جاتا ہے کہ جب یہ امور ان کے قبضہ و اختیار میں نہیں تو پھر ان امور کو ان سے طلب کرنا اور براہ راست اس سلسلہ میں ان سے استمد او حاصل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ اگر بفرض محال ان لوگوں کے خیال کے مطابق چند لمحات کے لئے تفویض غیر استقلال کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ با مراللہ ان امور کی انجام دہی ان کے سپرد ہے تاہم ان امور میں ان کی طرف رجوع کرنا بے معنی ہے۔ کیونکہ بنا بریں کرتا تو پھر بھی سب کچھ خدا ہے صرف ظہور ان سے ہوتا ہے۔ اپنی مرضی و منشاء سے وہ کچھ نہیں کرتے اور نہ کر سکتے ہیں۔“ (أصول الشریعہ، ص ۱۳۲)

دوسرہ حالت ملاحظہ فرمائیے۔

”جب خلاق عالم نے امور تکوینیہ خلق و رزق اور امانت و احیاء و شفا یہ امراض وغیرہ کی انجام دہی سرکار محمد وآل محمد کے سپرد فرمائی ہی نہیں۔ بلکہ ان امور میں ان کا کام صرف سفارش کرنا ہے تو پھر اس سلسلہ میں ان بزرگواروں سے سوائے استدعا سفارش کے اور کیا عرض کیا جاسکتا ہے۔“ (أصول الشریعہ، ص ۱۵۶)

مولف صاحب کی یہ بجوبلح حضرات محمد وآل محمد کے باب میں کس قدر حیرت انگیز گستاخانہ کردار ہے کہ جس پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ایک ایک لفظ سے تتفصیل اہلیت کا پہلو نمایاں ہے۔

مگر ہم موالیاں اہلیت سے اتنا ضرور عرض کریں گے کہ جب یہ حضرات معصومین اپنی مرضی و نشاء سے کچھ نہیں کرتے اور نہ کہ سکتے اور بامر خدا بھی نہیں کر سکتے ہیں تو یہ حضرات عالی درجات پھر سے بھی معاذ اللہ کتر ہو گئے کہ بامر خدا پھر نظام چلا سکتا ہے مگر یہ بزرگوار اس کے برابر بھی نہیں ہیں۔

اب موافق کے اس اعتراف کے بعد کہ محمد و آل محمد کچھ کرہی نہیں سکتے ہیں عقیدہ مجرہ بالکل واضح ہو گیا لہذا ان کی گواہی مردود ان کی اقتداء میں نماز باطل زکوٰۃ دینا گناہ، ذبیحہ حرام۔ کیونکہ بالکل صاف طور پر کر سکتے، کی غنی کر دی ہے جس کو جبر کرتے ہیں۔ لہذا فرقہ مجرہ میں ان کا شمار خود دان کی تحریر اور اقرار و اعتراف سے ثابت ہے۔ انا اللہ و انا الیہ راجعون۔

ایاکَ نستعينِ کی تفسیر

مؤلف صاحب نے آیہ مبارکہ کی تفسیر میں حضرت علامہ بلا غیٰ کی تفسیر آلاء الرحمن، ص ۵۹ سے مندرجہ ذیل عبارت اپنے مقصد کے ثبوت میں اصول الشریعہ کے ص ۱۳۸ پر تحریر فرمائی ہے ملاحظہ کیجئے۔

قالَ اللَّهُ تَعَالَى فِي سُورَةِ الْمَائِدَةِ تَعَاوُنُوا عَلَى الْبُرُو التَّقْوَىٰ .
امام المعاونة فی المناجات فھی احسان امر اللہ بہ ایضا فی
کتابہ بقولہ تعالیٰ فی سورۃ النحل ان اللہ ی امر با العدل والا
لسان. و فی سورۃ البقر و آل عمران ان اللہ یحب
المحسینین. والمعلوم ینضروة من سیرۃ البی و اصحابہ
والائمه والمسلمین انہم یستعینون فی غالب امور ہم
المباحة باللالات والدابة والخادم و الزوجة والصاحب
والرسل والاجواء وغيرهم و فی سورۃ البقر استعینوا بالصبو
الصلوٰۃ و فی سورۃ النساء ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جاء
وک فاستغفرو اللہ واستغفر لهم الرسول لوجد واللہ
توا بارحیما. فقد لا مہم علی عدم محینہم لا استعانا علی

المغفرة باستغفار الرسول و هكذا يكفى في الجنة والدلائل على ان الا عانة ليست بجميع اقسامها منحصرة با الله و على انه لا يلزمها ان نعقر استعانتنا بقول مطلب على الله تعالى و تفصيل ذلك هو انتظار الى استعانت البشر قوله و عملا فنراها تكون على نحوين (النهوا الاول) هو الا ستعانة بالوسائل المجعلة من الله لنيل المقصود التي هي وما فيها من التسبب من جعل الله تعالى و خلقه (النحو الثاني) وهو الا ستعانة بالله بما هو له معين بالهيته و قدرة الذاتية المطلقة الفائقة ولا ريب في ان النحو الثاني من الا ستعانة هو المتيقن في قصره على الله لان الا ستعانة هذا النحو اذا كانت لغير الله كانت تاليها لذلك الغير و اشاراً كاً بالله و مما ذكرنا من الآية والسيرة واقتران ايامك نعبدوا ايامك نستعين في سياق توحيد الله و تمجيده بالمجد الا لهى تقوم الحجة و تنتصح الالة على ان هذا التحوم من الا ستعانة هو التمام المقصود على الله دون النحو الاول.

خداوند عالم نے سورہ المائدہ میں ارشاد فرمایا ہے:-

”نیکی و پر ہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔ ہاں مباح کاموں میں بھی مدد کرنا نیک سلوک ہے جس کے لئے سورہ نحل میں حکم دیا ہے:-
یقیناً خدا تمہیں انصاف کرنے اور نیک سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے اور سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران میں فرمایا ہے کہ خدا نیک سلوک کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ جناب رسول خدا اصحاب و آئمہ معصومین کی سیرت سے بالکل واضح طور پر معلوم ہے کہ وہ اپنے اکثر مباح کاموں میں مدد لیتے تھے آلات و سواری و خادم و زوجہ اور ساتھی اور قاصد و نوکر وغیرہ سے اور سورہ بقرہ میں ہے:-

صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔ اور سورہ نساء میں ہے:-

اور اگر وہ لوگ جبکہ گناہ کر چکے تھے تمہاری خدمت میں حاضر ہو کر خدا سے معافی مانگتے اور رسول ان کی مغفرت کی سفارش کر دیتے تو یقیناً خدا کو تو بہ قبول کرنے اور رحم کرنے والا پاتے۔ اور خداوند عالم نے ان لوگوں کی ملامت کی ہے کیونکہ رسول کی خدمت میں سفارش حاصل کرنے کے لئے حاضر نہ ہوئے یعنی رسول خدا سے مدد حاصل نہ کرنے کی وجہ سے خدمت کی ہے۔ یہی پیش کردہ آیات اس امر کے ثبوت و جھٹ کے لئے کافی ہیں کہ ہر قسم کی امداد خدا کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اور نہ ہم پر یہ لازم ہے کہ ہر قسم کی امداد خدا ہی سے مانگیں۔ اور اس کی تفصیل میں یہ ہے کہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ ہر بشر قویٰ و عملی مدد مانگتا رہتا ہے اس کے مدد مانگنے کی دو فرمیں ہیں۔

قسم اول یہ ہے کہ ہر بشر ان وسیلوں سے مدد لیتا ہے جو خداوند عالم نے حصول مقصد کے لئے مقرر فرمائے ہیں یہ وسیلے خداوند عالم کی طرف سے حصول مقصد کے لئے معین کئے گئے ہیں اور ان میں حصول مقصد کی جو سیریت پائی جاتی ہے وہ خدا ہی کی خلق کردہ ہے۔ لہذا اس اعتراف کے ساتھ ان وسائل سے مدد مانگنا شرک نہیں ہے کیونکہ خدا ہی نے ان کو حصول مقصد کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ ہاں جن کو خدا نے وسیلہ نہیں قرار دیا ہے ان سے مدد مانگنا شرک ہے جیسے بتوں سے مدد مانگنا۔

دوسری قسم یہ ہے کہ معبود کو معبود سمجھ کر مدد مانگی جائے کہ وہ اپنی معبدیت اور قدرت ذاتیہ مطلقہ فالقہ کی شان سے معین و مددگار ہے تو یہ طلب مدد بالیقین خدا ہی کے لئے منحصر ہے اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اگر کسی کو معبود سمجھ کر مدد طلب کی جائے گی تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ایک دوسرا معبود خدا کے سواتلیم کر لیا گیا ہے اور خدا کا شریک قرار دے لیا گیا ہے۔“

اور ہم نے سابق میں جو آیات اور سیرت پیش کی ہے ان کی روشنی میں اور ایسا کَ نَعْبُدُ کے ساتھ ایسا کَ نَسْتَعِينُ کا اتصال خاص اور تو حید و تجید خدا کا اس کی بزرگی کے ساتھ ایک ہی کڑی میں بیان ہونا اس امر کی جھٹ و دلیل واضح ہے کہ صرف یہی قسم استعانت یعنی طلب مدد خدا کے ساتھ مخصوص اور اسی کی ذات کے لئے منحصر ہے پہلی قسم مخصوص نہیں ہے۔ علامہ بلا غی کی اس تفسیر سے مسئلہ استعانت یعنی طلب مدد بالکل واضح ہو گیا کہ کسی کو

معبد سمجھ کر اس کی عبادت کرنا اور معبد سمجھ کر ہی مدد طلب کرنا شرک ہے، کفر ہے، ضلالت ہے، گمراہی ہے، خروج از دین ہے۔ مگر کسی کو وسیلہ مقررہ خدا سمجھ کر اس سے مدد مانگنا دین ہے، ایمان ہے، معرفت ہے، یقین ہے۔

اس اعتقاد کے ساتھ حضرات محمد وآل محمد سے مدد طلب کرنا درحقیقت خدا ہی سے مدد طلب کرنا ہے کیونکہ خود اسی نے ان ذوات مقدسه کو وسیلہ قرار دیا ہے بلکہ ان کی غرض خلقت ہی وسیلہ بنانا ہے اور حصول مقصد ان حضرات کے بغیر ممکن نہیں ہے خواہ اس کا تصور داعی کو ہو یا نہ ہو۔

اللہ کی طرف سے ہیں مشکل کشاء علیٰ!

موالیان الہبیت اسی مصربہ کو ایمان سمجھتے ہیں اور خصوصیت کے ساتھ حضرت امیر المؤمنین کو اپنی ہر مشکل و حاجت میں براہ راست پکارتے ہیں کیونکہ حضرت کو خداوند عالم نے وسیلہ نصرت خود مقرر فرمایا ہے اور جناب رسالت مأبؐ کو حکم دیا ہے کہ ہم سے اپنے لئے ناصر و مددگار طلب کروتا کہ ہمارے مقرر کردہ ناصری سے طلب مدد کرتے رہو۔ جب ضرورت پڑے اسی مددگار کو پکارو۔ چنانچہ ارشاد قدرت ہے:-

قل رب ادخلنی مدخل صدق و اخر جنی مخرج صدق
واجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا۔ (بنی اسرائیل)

”(اے رسول) یوں دعا کرو میرے پالنے والے مجھے داخل کر (شہر میں) سچائی کا داخلہ اور مجھے نکال شہر سے سچائی کا خروج اور قرار دے میرے لئے اپنی جناب سے طاقتوں مددگار۔“

خداوند کریم نے اپنے نبیؐ کی دعا مقبول فرمائی اور انہیں علی اہن ابی طالب عطا فرمائے گئے۔
(تفسیر البرہان، جلد اول، ص ۶۱)

حضرت امیر المؤمنین نے مجھ اصحاب میں فرمایا۔

قال نشدتکم بالله هل فيکم احد قال له رسول الله اجعله لي

عونا و عضدا ونا صرا غير قالوا الا۔ (احجاج طبری، ص ۲۹)

”میں تم لوگوں سے خدا کی قسم دے کر دریافت کرتا ہوں کیا تم میں کوئی ایسا ہے جس

کے لئے میرے سوار رسول خدا نے خدا سے یہ دعا کی ہوا۔ خدا اسکو میرے لئے عون یعنی اعانت کرنے والا عضد یعنی میرا قوت بازو، ناصر یعنی میرا مددگار بنادے۔ تمام اصحاب نے جواب دیا ہیں آپ کے سوا کسی کے لئے یہ دعا نہیں کی۔“

درحقیقت یہ دعا نے رسول تعالیٰ امر خدا ہی ہے۔ کیونکہ بغیر مشیت وامر خدا حضور سرورِ دو عالم پکجھ نہیں کرتے تھے اور دعا کا حکم آیت مذکورہ سے ثابت ہوا کہ اے رسول، اپنے لئے معین و مددگار مانگو، خدا کے حکم سے آنحضرت نے اپنے لئے عون، عضد، و ناصر علی ابی طالبؑ کو مانگا۔ خدا نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور اپنی جناب سے علی ابی طالبؑ کو عطا فرمایا۔

اس آیت کے ظاہری کلمات سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کو طاق تو مر مد دگار مانگنے کا حکم جو نصیر ہو یعنی دوامی مدد کرنے والا۔ اگر خدا کو غیر سے استعانت ناپسند ہوتی تو مر مد دگار مانگنے کے لئے خود حکم نہ دیتا اور نہ آنحضرتؐ ہی ذات خدا سے مر دمانگنے کے بجائے کوئی مددگار مانگتے۔ اس سے صاف ثابت ہے کہ خدا کا معین کرده مر مد دگار اور اس سے طلب مر دو استعانت نہ شرک ہے نہ کفر، نہ حرام ہے نہ گناہ۔ لہذا شیخ خالصی نے جو کچھ احیاء الشریعہ میں تحریر فرمایا ہے کہ ان ذوات مقدسہ سے براہ راست مر دمانگنا کفر و شرک ہے یہ شیخ صاحب کی اپنی رائے ہے اور ایسے قیاس موالیان اہلیت کی نظر میں کوئی وقعت نہیں رکھتے جبکہ قرآن و حدیث سے استعانت و طلب امداد غیر خدا سے ثابت ہے مگر اس ہستی سے کہ جس کو خدا خود مقرر کرے۔

علی ناصر کل انبیاء سرزاً و جہراً

لَقَدْ أَرْسَلْنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ
النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَاسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعٌ لِلنَّاسِ
وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَنِ يَنْصُرُهُ وَرَسْلُهُ بِالْغَيْبِ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ.

(سورہ حدیید، پارہ ۲۷)

”یقیناً ہم نے اپنے سفیروں کو مجذرات دے کر بھیجا ہے، ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور میزان کو نازل کیا تاکہ لوگ راہ راست پر قائم رہیں اور ہم نے خاص لوہے کو نازل کیا ہے جس میں سخت رعب و قوت اور لوگوں کے قائدے ہیں تاکہ خدا کو علم ہو جائے (یعنی لوگوں کو

اتباب حقائق المسائط
تینی معرفت محمد وآلہ

ہتا دے) کہ وہ کون شخص ہے جو خدا اور اس کے رسولوں کی پوشیدگی کے ساتھ مدد کرتا ہے۔
یقیناً خدا از بر دست غالب ہے۔“

سابقہ اور اس میں قرآن و حدیث اور دلائل عقلیہ کے ذریعہ ثابت ہو چکا ہے کہ محمد وآلہ
محمد مخلوق اول ہیں اور لاشے سے پیدا ہوئے ہیں اور تمام عوالم میں تعلیم عبادت ان ہی
ذوات مقدسہ کا فیض ہے۔ فرائض نبوت و امامت کی انجام دہی ان ہی حضرات سے متعلق
رہی ہے۔ یہی حضرات معدن نبوت اور مہبہ سر خدا و مرکز ولایت ہیں۔

ملائکہ کو تفہیج و عبادت اور جرائیل کو تعلیم معرفت خلائق کی نصرت و ہدایت فرماتے رہے
ہیں۔ اس آیت میں میزان سے مراد امام ہے جیسا کہ تفاسیر الہمیت سے ثابت ہے۔ چنانچہ
تفسیر قمی جلد ۲، ص ۳۵۲ طبع بخف میں ہے۔

قال المیزان الامام۔ (یعنی میزان سے مراد امام ہے۔)

اور تفسیر البرہان جلد ۲، ص ۱۰۹۳ میں امام محمد الباقرؑ کا ارشاد ہے:-

نَحْنُ الْمِيزَانُ وَذَالِكَ قَوْلُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ فِي الْإِمَامِ لِيَقُومَ
النَّاسُ بِالْقَسْطِ وَمَنْ كَبَرَ بَيْنَ يَدَيِ الْإِمَامِ وَقَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ كَتَبَ اللَّهُ لَهُ رَضْوَانُهُ إِلَّا كَبَرَ يَجْمَعُ بَيْنَهُ
وَبَيْنَ إِبْرَاهِيمَ وَمُحَمَّدَ وَالْمُرْسَلِينَ فِي دَارِ الْجَلَالِ قَلَتْ وَمَا
دارَ الْجَلَالُ قَالَ نَحْنُ الدَّارُ وَذَالِكَ قَوْلُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ تَلَكَ
الْدَّارَ الْآخِرَةُ لِلَّذِينَ لَا يَرِيدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادَ وَالْعَاقِبَةُ
لِلْمُتَقِينَ قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ
وَالْأَكْرَامِ نَحْنُ جَلَالُ اللَّهِ وَكَرَامَتُهُ الَّتِي أَكْرَمَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى
الْعِبَادُ بِطَاعَتِهِمْ.

”ہم ہی میزان ہیں جو ہر نبی کے ساتھ بھیجے گئے ہیں تاکہ لوگ راہ راست پر قائم
رہیں۔ اور خدا کا مقصد ان میزان سے امام ہے۔ جو شخص حضور امام میں تکبیر کہے اور لا الہ الا
الله وحده لا شریک کلمہ ادا کرے تو خداوند عالم اس کے لئے رضوان اکبر لکھ دے گا اور اس کو
حضرت ابراہیم و محمد مصطفیٰ و مرسلین کے درمیان دارالجلال میں جمع کر دے گا۔ راوی کہتا ہے

میں نے دریافت کیا کہ دارالجلال کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ہم دارالجلال ہیں اور اس کا ذکر خدا کے اس قول میں ہے۔ یہ دارآختر صرف ان کے لئے ہے جو زمین میں تکبروفسانہیں کرتے ہیں اور عاقبت متقین کے لئے ہے۔ خدا نے فرمایا ہے۔ ”تمہارے رب کا نام مبارک ہے جو صاحب جلال و اکرام ہے۔ پس ہم ہیں جلال خدا اور کرامت خدا جن کی اطاعت کی وجہ سے خداوند عالم نے بندوں کو عزت بخشی ہے۔

نیز تفسیر البرہان اور انوارنعمانیہ و مدینۃ العاجز میں حضرت امیر المؤمنین کا نصرت انبیاء کرنا ثابت ہے۔ چنانچہ ان کتب متداولہ میں تحریر ہے کہ ایک جن حضرت رسولؐ کی خدمت میں حاضر تھا کہ جناب امیر المؤمنین تشریف لانے لگے وہ جن جناب امیرؐ کو دیکھ کر گھبرا یا اور اپنے کو چھپانے کے لئے چڑیا کی شکل میں ہو گیا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ مجھے پناہ دیجئے۔ حضرتؐ نے دریافت کیا کہ کس سے پناہ چاہتا ہے اس نے عرض کی اس جوان سے جو سامنے سے آ رہا ہے۔ حضرتؐ نے فرمایا کیا وجہ ہے اس نے عرض کی یا رسول اللہ میں کشتی نوخ میں سوراخ کرنے لگا تھا کہ کشتی معہ سواروں کے غرق کر دوں۔ میں نے یہ کام شروع ہی کیا تھا اور کشتی طوفان میں تھی کہ یہ جوان ظاہر ہوا اور ایک ضرب مجھ پر لگائی، میرا ہاتھ کٹ گیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ بیٹک تو درست کہتا ہے، یہی وہ جوان ہے۔

(مدینۃ العاجز، ص ۲۰ تفسیر البرہان، جلد ۲، ص ۱۳۷ و انوارنعمانیہ وغیرہ۔)

نیز دوسری یہ واقعہ تحریر ہے کہ ایک روز جناب رسالتہابؐ کی خدمت میں ایک جن حاضر تھا کہ جناب امیر المؤمنین تشریف لائے۔ جنی نے آنحضرتؐ کی خدمت میں استغاثہ کیا اور عرض کی مجھے اس جوان سے بچائیے۔ حضرتؐ نے فرمایا اس جوان نے تیرے ساتھ کیا کیا ہے اس نے عرض کی میں نے سلیمان پیغمبرؐ کے حکم سے سرکشی کی تھی تو انہوں نے کچھ جنات میری گرفتاری کے لئے بھیجے تھے مگر میں ان کے قابو میں نہیں آیا۔ پھر یہ جوان فارس میرے سامنے آیا اور مجھے گرفتار کیا اور مجھے ضرب لگا کر زخمی کر دیا۔ یہ نشان اب تک اس کی ضرب کا موجود ہے۔ (مدینۃ العاجز، ص ۲۰)

جناب رسالتہابؐ کی طرف سے جنات پر کچھ سردار مقرر تھے جو آنحضرت سے احکام شریعت و آیات قرآن کی تعلیم حاصل کر کے اپنی قوم کو تعلیم دیتے تھے۔ آنحضرتؐ کی وفات

کے بعد وہ تمام سردار ان جن جانب امیر المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور آپ ہی ان کو سردار یا عطا فرماتے تھے اور ان کے بھگڑے چکاتے تھے۔” (مدینۃ المعاجز، ص ۲۰)

تفسیر البرہان جلد ۲، ص ۹۰۷ میں زیر تفسیر آئیے:-

سنند عضد ک باخیک و نجعل لکما سلطانا

”تحریر ہے کہ جب حضرت موسیٰ وہارون دربار فرعون میں داخل ہوئے اور انہیں کچھ خطرات محسوس ہوئے تو فوراً ایک جوان فارس ان کے آگے ہو گیا اور فرعون سے کہا کہ ان دونوں پیغمبروں کی بات سنو ورنہ تم کو قتل کر دوں گا۔ فرعون نے ڈرتے ہوئے کہا کہ صحیح جواب دوں گا۔ پس جب موسیٰ وہارون دونوں باہر چلے گئے تو فرعون نے پہرہ داروں کو بلا یا اور غصہ میں کہا کہ یہ جوان فارس ہمارے دربار میں کس طرح داخل ہو گیا ہماری اجازت کے بغیر۔ پہرہ داروں نے فرعون کی عزت کی قسم کھا کر کہا کہ ان دونوں پیغمبروں کے سوا اس دروازہ سے کوئی داخل نہیں ہوا۔ یہ جوان فارس ہی علی ہیں جن کے ذریعہ تمام پیغمبروں کی مدد خداوند عالم نے کرائی ہے پوشیدہ طور پر۔ اور محمدؐ کی مدد کرائی ہے علائیہ طور پر اور یہی علی خدا کا کلمہ کبریٰ ہیں جن کو خدا نے اپنے اولیاء کی مدد کیلئے جس صورت میں چاہا بھیجا ہے اور ان ہی کے ذریعہ مدد کی ہے اور اسی کلمہ کے ذریعہ خدا کے اولیاء دعا کرتے ہیں اور خدا قبول فرماتا ہے اور انہیں مشکلات سے نجات دیتا ہے۔ اسی مطلب کو خداوند عالم نے موسیٰ وہارون کے لئے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے اے موسیٰ وہارون ہم تمہارے لئے ایک ایسا طاق تو رجوان اپنے معجزات کے ذریعہ مقرر کرتے ہیں کہ فرعون اور اس کے ہم نموا تم دونوں تک دسترس نہیں ہو سکتے تم اور تمہارے پیروی یہ غالب رہیں گے۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ یہ آیت کبریٰ بھی جوان فارس ہے (نیز خود حضرت امیر المؤمنین نے فرمایا ہے کہ میں آیت کبریٰ ہوں۔ صراحت میں جانب رسالت متابؓ نے آیت کبریٰ کو دیکھا تھا جیسا کہ آیت کی تفسیر معصومین میں معصومین کا ارشاد ہے)۔

حضرت علامہ جزا الریٰ اپنی طلیل القدر کتاب میں تحریر فرماتے ہیں۔

محققین جمہور سے صاحب کتاب قدیمات نے جانب رسالت متابؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؓ نے جانب علی مرتضیٰ سے ارشاد فرمایا ہے کہ مجھے میرے رب نے بتایا ہے

کہ میں نے علیٰ کو تمام انبیا کے ساتھ پوشیدہ طور پر بھیجا ہے اور تمہارے ساتھ ظاہری طور پر ۔
جناب علامہ جزاً ری اس روایت کو نقل فرمانے کے بعد اپنی تخلیقی ائمہ کا یوں اظہار
فرماتے ہیں:-

اقول هذَا الَّذِي رَوَاهُ مِنْ بَعْدِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِاطْنًا قَدْرُهُ
مَضْمُونُهُ فِي أخْبَارِ أهْلِ الْبَيْتِ عَنْ عَلِيٍّ ابْنِ أَبِي طَالِبٍ وَهُوَ
إِشَارَةٌ إِلَى سِرِّ الْهَبَّى فِي الْغَايَةِ الْقَصُورِيِّ مِنَ التَّحْقِيقِ.

یعنی میں کہتا ہوں کہ صاحب قدیمات نے جو حدیث رسولؐ بیان کی ہے کہ خداوند
عالم نے حضرت علیٰ کو ہر نبی کے ساتھ باطن میں بھیجا تھا۔ یہی مضمون احادیث اہلبیت میں
بھی مردی ہے اور یہ انتہائی تحقیق میں خدائی راز کی طرف اشارہ ہے۔ (اسی لئے حضرت علیٰ کا
لقب سراللہ فی العالمین ہے۔ یعنی علیٰ خدائی راز ہیں تمام عالمین میں اور یہ خدائی راز علیٰ کا ہر
نبی کے ساتھ بھیجا جانا ہے۔ اس لقب مبارک کو مولف نے بھی اصول الشریعہ میں تحریر کیا
ہے۔ یہ حق کی چوٹ ہے جو باطل پر لگائی گئی ہے۔ کیونکہ حضرت علیٰ کی ولایت کا یہ اعجاز ہے
کہ مکر مدد بھی حضرت کو سراللہ مانے پر مجبور ہے۔

اللَّهُ كَيْ طَرْفٍ سَے ہِيْ مشَكَلٌ كَشَاءُ عَلِيٍّ!

ہم نادِ علیٰ کے ذریعہ بڑی بڑی مشکلیں حل کرائیتے ہیں حاجتیں پوری کرائیتے ہیں۔
مگر مولف صاحب بقول علامہ مجلسی عدمِ معرفت اہلبیت کی وجہ سے قاصرین و عاجزین
میں شامل ہیں اور ان کے ہم مشرب ساتوں مولوی صاحبان معد خاصی صاحب کے ان
فیوض و برکات سے محروم ہیں۔ ہم ان کے لئے دعائے ہدایت کے سوا اور کیا کر سکتے
ہیں۔ مگر جب یہ لوگ سرکار محمد وآل محمد کی شان میں گستاخی پر اتر آتے ہیں تو ہم بھی بے
ثمار پر اتر آتے ہیں۔

نادِ علیٰ کے برکات

جناب علامہ مجلسی نے حیات القلوب میں تحریر فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے حیات

القلوب جلد ۲، ص ۵۶۳ طبع لکھنو۔

شارح دیوان حضرت امیر نے قصہ لافتی بیان کرنے کے بعد بسند ہائے بیار روایت کی ہے اور جنگ احمد میں ندا آئی:-

ناد علیاً مظہر العجائب. تجدہ عونا لک فی النوائب. کل هم و غم سینجلی بولایتک یا علی یا علی یا علی۔
(مؤلف فرماتے ہیں) مشہور یہ ہے کہ ناد علی کی ندا جنگ خبر میں آئی تھی جیسا کہ اس کے بعد مذکور ہو گا انشاء اللہ۔

جناب علامہ مخلصی کتاب بحوار الانوار جلد ۲ باب غزوه احمد میں تحریر فرماتے ہیں:- عکرمہ نے حضرت علی سے اور جناب امیر نے جناب رسول سے روایت کی کہ آنحضرت نے فرمایا اے علی تم اپنی مدح و شاشامت کر رہے ہو۔ ایک فرشتہ جس کا نام رضوان ہے وہ اعلان کر رہا ہے لاسیف الا ذوالفقار ولا فتی الاعلی۔ راوی کہتا ہے کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آنحضرت گواں روز یہ ندا کی گئی۔

ناد علیاً مظہر العجائب. تجدہ عونا لک فی النوائب. کل هم و غم سینجلی، بولایتک یا علی، یا علی، یا علی۔ بعض حضرات نے کہا ہے ناد علی میں لفظ حشم سے مراد وہ فکر ہے جو مشکل و مصیبت میں پیدا ہوتی ہے جس کے پیدا ہونے سے انسان خوف زدہ ہوتا ہے اور اس کے رفع ہونے کی امید کرتا ہے اور لفظ حشم سے مراد ہے جس میں یہ فکر نہیں ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ گزشتہ معاملہ سے تعلق رکھتا ہے۔ ”کلامِ شارح ختم ہوا۔“

فرشتوں کی طرح جتنات بھی خادم ہیں!

احجاج طبری، ص ۱۱۲ میں حضرت امیر المؤمنین کا احجاج طویل یہودیوں کے مقابلہ میں مندرج ہے حضرت امیر المؤمنین نے فرمایا:-

لقد اعطی محمد افضل من هندا ان الشیاطین سخرت لنبوة
محمد الشیاطین بالا یمان فاقبل اليه من الجن التسعة من

اشرافهم واحد من جن نصيبيں والشمان من بنی عمر و بن عامر
الاحجۃ منهم شضاه و مصاه و الہملکان والمربیان
والمازمان و نصاه و هاضب و هضب و عمر و هم الذين
يقول الله تبارک اسمه فيهم واذ صرنا اليك نفر امن الجن
يستمعون القرآن و هم التسعة فا قبل اليه الجن والنبو بیطن
النخل فاعذر و ابانهم ظنو اکما ظنتم ان لن يبعث الله احد
اولقد اقبل اليه احد و سبعون الفا منهم فبایعوه و هذا افضل
اما اعطي سليمان سبحان من سخرها لنبوه محمد بعد ان
كانت تتسمى تو تزعم ان الله ولد اولقد شمل مبعثه من الجن
والانسان مالا يحصى.

حضرت رسالتما بکو خداوند عالم نے جو کچھ عطا کیا ہے وہ سلیمان پیغمبر سے کہیں زیادہ
ہے سلیمان پیغمبر کے لئے جنات مسخر تھے مگر وہ کفر کی حالت میں رہے۔ اور آنحضرت کے لئے
جنات مسخر تھے مگر وہ ایمان لائے۔ چنانچہ نونفس رداراں جن آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے
ایک سردار قوم نصیبیں میں سے تھا اور آٹھ بنی عمر و بن عامر میں سے تھے۔ ان کے نام یہ ہیں:-
شضاه، مصاه، ہملکان، مربیان، مازمان، نصاه، هاضب، هضب، عمر و

ترجمہ آیت:-

"اور ہم نے تمہاری طرف بھیج دیئے کچھ افراد جنات میں سے جو بغور قرآن کو سنتے
تھے، اور یہ نونفس رداراں جن تھے۔ جب حضرت" بطن نخل میں تشریف فرماتھے انہوں نے
قرآن مجید سن کر اپنا عذر پیش کیا کہ ہم بے خبر تھے، ہمیں علم نہ تھا کہ خدا نے نبی بھیجا ہے۔ پھر
یہ سرداراں جن اپنی قوم کو لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے۔ ان
کی تعداد اکابرتر ہزار تھی۔"

جناب امیر نے فرمایا کہ یہ وہ فضیلت ہے جو سلیمان کو حاصل نہیں تھی۔ ہر عیب سے پاک
ہے وہ ذات جس نے ان جنات کو محمد مصطفیٰ کے لئے مسخر کر دیا۔ پہلے یہ جنات سرکش تھے اور خدا
کیلئے ولد (یعنی اڑکا) کے قائل تھے۔ جناب رسالتما بکی بعثت جن و انس دونوں کے لئے ہے۔

حضرت امیر المؤمنین نے فرمایا کہ میں بھکر رسول جنات کو شریعت کے احکام سکھاتا ہوں اور میں ہی ان کی تبلیغ پر مأمور تھا۔ قومِ جنات میں مومن بھی ہیں اور کافر بھی، یہودی بھی اور مجوہ بھی، نصاری بھی ہیں اور ناصیبی بھی۔

احجاج طبری، ص ۳۶ پر ہے کہ جناب امیر المؤمنین نے خلافتِ رسول کے دعویداروں سے فرمایا کہ بتاؤ کہ تم میں سے کسی کو آنحضرت نے احکامِ شریعت پہنچانے کے لئے قومِ جنات کی طرف بھیجا ہے سب نے اقرار کیا کہ نہیں۔ پھر کیونکہ ایسے لوگ خلیفہ ہو سکتے ہیں جو آنحضرت کی امت کو دیکھ بھی نہیں سکتے۔

جناب رسالت مآب کی جانب سے قومِ جنات پر سردار مقرر تھے جدا اجداد قبیلوں کے جدا سردار تھے اور وہ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے حضرت امیر المؤمنین ان کے پاس بھی جاتے رہتے تھے۔ بیراعلم کی جگہ کافر جنات ہی سے ہوئی تھی۔ انشاء اللہ مکمل حالات قومِ جن آئندہ مفصل طور پر پیش کئے جائیں گے۔

ایک مغالطہ کا ازالہ

مؤلف اصول الشریعہ نے حضرت امیر المؤمنین کے آسمان کی طرف تشریف لے جانے اور ملاعہ اعلیٰ کا قضیہ چکانے اور واپس تشریف لانے اور ذوالقار سے خون پشکنے والی روایت پر غلط تبصرہ فرمایا ہے۔ کیونکہ اس روایت میں فرشتوں کا ذکر ہی نہیں ہے بلکہ آسمان اور زمین کے درمیانی مخلوق کا ذکر ہے اور جانبِ آسمان تشریف لے جانے کا ذکر ہے نہ کہ آسمان پر فرشتوں کا جھگڑا چکانے کا۔

اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نے قومِ جن کا جھگڑا چکایا ہو گانہ کہ فرشتوں کا جو مخصوص ہیں اور جھگڑا نہیں کرتے ہیں۔ اور قومِ جن میں کافر، یہودی، نصاری بلکہ ناصیبی بھی ہیں جو مومنِ جنات کے دشمن ہیں۔ لہذا بہت ممکن ہے کہ ان کا فیصلہ کرنے تحریف لے گئے ہوں، نہ کہ ملائکہ کا۔ لہذا مولف صاحب کو چاہیے کہ وہ فضائلِ الہبیت کو اگر نہ سمجھ سکیں تو یہ معاملہ ان ہی ذوات مقدسہ کے سپرد کر دیں، اپنے خیال و قیاس سے رونہ کیا کریں۔ کیونکہ یہ مومنِ متین کی شان کے خلاف ہے جیسا کہ حضرت علامہ مجذوبی کی فصیحت

ہے جن کے مقابلہ میں یہ صاحب خاکِ پا کے برابر بھی نہیں۔

ثبت فضائل و مراتب الہبیتؐ کے لئے خبر واحد کافی ہے

مؤلف صاحب کو یہ غلط فہمی ہو گئی ہے کہ عقائد کے معاملہ میں جب تک خبر متواتر نہ ہو اس وقت تک کسی چیز کو عقیدہ قرار دینا غلط ہے۔

حالانکہ خود ان کا یہ فیصلہ غلط ہے۔ کیونکہ فضائل و کمالات اور مراتب و مقامات محمد و آل محمدؐ کیلئے قرآن و حدیث میں دلائل عقلیہ سے ثابت ہے کہ ان ذوات مقدسہ میں وہ تمام کمالات موجود ہیں جو جستہ جستہ دیگر انبیاء کو عطا ہوئے ہیں بلکہ ان سے بھی زائد اسی لیے ان حضرات کا مقابلہ کسی بھی مخلوق سے نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اول الخلقات و افضل الموجودات ہیں اور یہ مسلم ہے کہ اول المعمولات اقوی المعمولات ہوتا ہے لہذا ہر کمال میں افضل الخلاقات ہیں۔

اس عقیدہ حقة اور اس دلیل محکم و بربان مُحکم کے بعد کسی کمال سے ان ذوات قدیمہ کو محروم سمجھنا اور اخبار احادیث کا بہانہ پیش کرنا سخت نالائق ہے۔ اسی لئے جناب علامہ مجلسیؒ نے فرمایا ہے:-

و ما ورد من الاخبار الدالة على ذلك كخطبة البيان و امثاله
فلم توجد الا في كتب الغلاة و اشباعهم مع انه ممكن حملها
على ان المراد بها كونهم عملة غائية لا يجاذب جميع
المكوفات و انه تعالى جعل لهم مطاعافي الارضين والسموات
ويطيعهم باذن الله تعالى كل شئ حتى الجمادات و انهم
اذاشاؤ امر لا يردا لله مشيتهم لكنهم لا يشاون الا يشاء الله.

(مرآۃ العقول شرح اصول کافی، جلد ا، ص ۹۲ اور بخار الانوار، جلد ۷، ص ۳۹۵)

یعنی جو احادیث واردہ اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ ذوات مقدسہ تمام مخلوقات پر حکمران ہیں اور تمام امور کائنات خداوند عالم نے ان حضرات کے پر درکردیے ہیں جیسا کہ خطبة البيان اور اسی قسم کی دیگر احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔ تو یہ چیز اگر غالبوں ہی کی کتابوں میں مرقوم ہوتی بھی اس کو رد نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ان اخبار و احادیث کا صحیح مقصد

یہ ہو سکتا ہے کہ یہ حضرات جمیع موجودات کی علت غائی ہیں۔ اور خداوند عالم نے موجودات کے لئے ان حضرات کو حاکم و مطاع قرار دیا ہے۔ کل زمین و آسمان کا حاکم بنایا ہے اور کل کائنات باذن اللہ ان کی مطیع و فرمانبردار قرار دی ہے۔ حتیٰ کہ جمادات بھی تابع حکم ہیں۔

حضرت امیرؑ کی نصرتِ خلیفہ ثانی

جتاب جابر بن عبد اللہ النصاری کا بیان ہے کہ جتاب عمر بن خطابؓ ایک دن بہت گھبرائے ہوئے حضرت امیر المؤمنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی لشکرِ اسلام نہادوند کی جنگ پر گیا ہوا ہے اور اس لشکر میں عمرو بن معدی کرب بھی تھا جو نہادوند میں قتل ہو گیا ہے۔ لشکر کا مفصل حال معلوم نہیں ہے سخت فکر ہے آپ مد فرمائیے۔

حضرت امیر المؤمنینؑ نے فرمایا کہ لشکرِ اسلام وادی میں ہے اور مخالف لشکر ان کو ٹھیکرے میں لے رہا ہے۔ اگر مسلمانوں کا لشکر پہاڑ پر چڑھ کر پناہ حاصل کر لے تو وادی میں محصور ہو جانے اور شکست کھانے سے فتح جائے گا۔ جتاب عمرؓ نے عرض کی پھر کسی طرح ان کی مدد کی جائے۔ آپ نے فرمایا کہ تم اپنی آنکھوں سے ان کا حال دیکھو اور ان کو پیغام دو کہ وہ پہاڑ سے پناہ حاصل کریں۔ جتاب عمرؓ نے عرض کی میں کس طرح دیکھوں اور کس طرح پیغام دوں۔ جتاب امیر المؤمنینؑ نے انہیں منبر پر بٹھایا اور خود بھی ساتھ بیٹھئے اور ان کے چہرہ پر ہاتھ پھیکر کر فرمایا اب دیکھو چنانچہ انہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کا لشکر وادی میں ہے اور مخالف لشکر ان کو ٹھیکرے میں لینا چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا تم ان کو آواز دو اور یہ کہو کہ جبل سے پناہ لو۔ چنانچہ انہوں نے کہا ساریۃ الجبل یا ساریۃ الجبل۔ اے ساریہ پہاڑ سے پناہ لو، اے ساریہ پہاڑ سے پناہ لو۔ فوراً لشکر نے آوازن لی اور آواز کو پہچان بھی لیا۔ اور پہاڑ سے پناہ لی اور محفوظ ہو گئے اور جنگ فتح کر کے واپس آئے۔

جابر بن عبد اللہ النصاریؓ کہتے ہیں کہ ہم تو اسی وقت ایمان لے آئے کہ جو کچھ ہمارے مولا و آقا نے فرمایا ہے اور دکھایا ہے اور آواز پہنچائی ہے حرف حرف درست صحیح ہے مگر کچھ لوگوں نے اس میں شک کیا اور جب لشکر جنگ فتح کر کے واپس آیا تو لوگوں نے تمام واقعہ

دریافت کیا۔ انہوں نے بتایا کہ ہم وادی میں تھے اور گھیرے میں آگئے تھے کہ ہمیں آواز خلفیہ تھی آئی کہ پہاڑ سے پناہ لو اور ہم نے فوراً اپنا رخ پہاڑ کی طرف کر دیا اور گھیرے سے پنج گئے اور شکر خالف پر غالب آگئے۔

مولف صاحب بتائیں کہ یہ مد شریعت کے مسائل میں تھی جس کے لئے مشہور ہے کہ اگر علیٰ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتے۔ یا یہ مد تکوینی امور میں ہے۔ لہذا اب منبروں پر بینہ کر شیعوں کو یہ فریب نہ دیں کہ مولائے کائنات صرف شرعی مسائل میں مشکل کشا ہیں بلکہ امور تکوین کا بھی ذکر کریں ورنہ آپ کو منبر پر بینہ کا حق نہیں ہے کیونکہ یہ منبر فریب دینے کے لئے نہیں ہے بلکہ گلے چھاڑ چھاڑ کر (بقول مولف) ذکر مشکل کشائے تشریع و تکوین کے لئے ہے۔ (مدیرۃ العاجز)

احیاء موتیٰ و اماتت احیاء

حضرت محمد وآل محمدؐ کے کمالات میں مردوں کو زندہ کرنا اور زندوں کو مردہ کرنا دونوں ہی شامل ہیں۔ جیسا کہ حضرت امیر المؤمنین نے بھکر رسول قبرستان میں تشریف لے جا کر مردوں کو پکارا وہ زندہ ہو گئے اور پھر ان کو اصلی حالت پر مردہ کر دیا جس کا تذکرہ سابقہ اوراق میں گزر چکا ہے۔

جاہڑ کا بیان ہے کہ میں جناب امیر المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوا تھا کہ آپ نے وادی برہوت میں دو شخص شیبو نہ اور جرت کو دیکھا کہ ان پر عذاب ہو رہا تھا اور آپ ان سے گفتگو فرمائے تھے میں نے سنا کہ آپ نے فرمایا 'میں یہ نہیں کروں گا' یہ نہیں ہو سکتا، اور آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:-

اگر ان کو دنیا میں واپس کر دیا جائے تب بھی یہ باز نہیں آئیں گے یہ جھوٹے ہیں۔
میں نے دریافت کیا مولا آپ کس سے کلام فرمائے ہیں۔ آپ نے دونام لئے شیبو نہ اور جرت۔ اور فرمایا کہ یہ دونوں میرے سخت دشمن تھے، ان پر عذاب ہو رہا ہے۔ مجھے دیکھ کر کہنے لگے کہ ہمیں واپس دنیا میں کر دیں ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کی تعمیل حکم کریں گے۔ میں نے ان کے سامنے آیت پڑھی۔

'ولوردو العادو العما نہو اعنہ و انهم لکاذبون'

اُنْقَابِ حَقَائِقِ الْوَسَانِطِ مِنْ مَعْنَى الْمَوْلَدِ وَالْمَهْرَ

اور ان کو بتایا کہ میں یہ نہیں کروں گا اور یہ بات اب نہیں ہو سکتی۔ (بخار الانوار جلد ۷، ص ۲۲۳)

امام جعفر الصادقؑ نے فرمایا کہ حضرت امیر المؤمنین کی خدمت میں نبی مخزوم کا ایک جوان شخص حاضر ہوا اور عرض کی مولانا میرا جوان بھائی مر گیا ہے اس کے صدمہ سے میں بے قرار رہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تو اپنے بھائی کو دیکھنا چاہتا ہے؟ اس نے عرض کی جی ہاں۔ پس آپ قبرستان میں تشریف لے گئے اور کچھ الفاظ زبان مبارک پر جاری فرمائے اور قبر کو خونکر ماری وہ قبر سے باہر نکل آیا اور وہ فارسی بولنے لگا۔ آپ نے فرمایا تو مرد عرب ہو کر فارسی بولتا ہے۔ اس نے عرض کی ہم فلاں اور فلاں کی سنت پر مرے تھے اس لئے ہماری زبان بدل گئی۔ (بخار الانوار، جلد ۲، ص ۳۶۳)

ابو بصیر کا بیان ہے کہ میں نے امام محمد الباقرؑ سے عرض کی مولانا میں آپ کا غلام شیعہ ہوں کمزور و ضعیف ہوں اور ناہب ہوں۔ مجھے جنت کی صفات دیجئے حضرت نے فرمایا کہ میں آئندہ طاہرین کی ایک علامت عطا کر دوں میں نے عرض کی مولانا آپ کے لئے کیا مشکل ہے۔ حضرت نے فرمایا ’چاہتے ہو، میں نے عرض کی جی ہاں حضرت نے میرے چہرہ پر دستِ مبارک پھیرا۔ میں نے سقیفہ کی تمام سرگزشت اپنی آنکھوں سے دیکھ لی آپ نے دریافت کیا اے ابو محمد کیا دیکھ رہے ہو؟ میں نے عرض کی مولانا کچھ بندرا اور کچھ سنگ و خزیر نظر آ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ ہمارے دشمن ہیں جو من ہو گئے ہیں پھر حضرت نے دستِ مبارک پھیرا وہ پھر اصلی حالت پر آ گیا۔ (بخار الانوار جلد ۷، ص ۲۵۹)

ابو بصیر کا بیان ہے کہ میں حضرت کے ساتھ مکہ میں موسم حج میں تھا۔ اس سال کثرتِ حاج سے شہر مکہ تک نظر آتا تھا۔ میں نے عرض کی اس سال کس قدر حاجی آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا حاجی کم ہیں شور و غل زیادہ ہے۔ اس ذات کی قسم جس نے محمد عربی کو مجموع فرمایا اور پھر اپنے پاس بآ لیا، حج ان ہی کا قبول ہے جو ہمارے دوست اور موالي ہیں جس طرح تم محبت رکھتے ہو۔ (بخار، جلد ۷، ص ۲۵۹)

حضرت امام جعفر الصادقؑ نے فرمایا کہ حضرت امیر المؤمنین نے خطبہ میں فرمایا کہ میں قلب اللہ ہوں لسان اللہ ہوں اور خدا کی رحمت کا ہاتھ ہوں۔ جو تمام حق پر حاوی ہے۔ (بخار)

ابو بصیر سے روایت ہے کہ حضرت امیر المؤمنین نے فرمایا:-

انا ملجماء کل ضعیف و ما من کل خائف.

”میں ہر کمزور کی جائے پناہ اور ہر خوفزدہ کی جائے امن و امان ہوں۔“ (بخار)

امام محمد باقرؑ نے فرمایا:-

نحن عصمت لمن لجاء اليهم و امن لمن استجار بهم.

”ہم پناہ حاصل کرنے والوں کے لئے پناہ ہیں اور امن و امان لینے والوں کے لئے امن ہیں۔“

امام جعفر الصادقؑ نے فرمایا کہ خداوند عالم کے ارشاد ان فی ذالک لا یات لا ولی النھیٰ ہیں اور ہم ہی خدا کی طرف سے اس کے خلوقات پر قوام ہیں یعنی حکمران ہیں اور اس کے دین کے خزانے بھی ہیں۔ (بخار)

جابر بن عبد اللہ الانصاری نے روایت کی ہے کہ جناب رسالت مأبؐ نے ایک خطبہ میں فرمایا میری عترت و ذریت و اہلیت میرے خلفاء ہیں اور خداوند عالم نے اپنی کرامت سے اُنکو شرف کیا ہے اور اپنے راز و دیعت کئے ہیں اور اپنا غیب عطا کیا ہے اپنے بندوں کا رائی بنایا ہے اور اپنے ملائکہ کو ان کا خدمت گار بنا دیا ہے اور اپنی مملکت میں تصرفات کا حق دیا ہے اور اپنے کلمات کے لئے منتخب کیا ہے اور اپنا امر ان کو عطا کیا ہے اور نشان دین و گواہ اپنے بندوں کے لئے بنادیا ہے اور شہروں میں ان کو اپنا امین قرار دیا ہے یہی آئمہ مهدی ہیں اور یہی عزت ذکی ہیں اور ذریت نبوی ہیں اور سردار ان علوی ہیں اور یہی امت و سلطی اور کلمہ علیا ہیں اور تمام دنیا کے سردار ہیں اور یہی خدا کی رحمت موصده ہیں یہی پناہ لینے والوں کی پناہ ہیں اور تمکن کرنے والوں کی نجات ہیں وہ سعید ہے جو ان سے محبت کرے اور وہ بد بخت ہے جو ان سے عداؤت رکھے جو ان کی پیروی کرے گا عذاب سے محفوظ رہے گا جو ان سے تخلف کرے گا نا امید ہو گا یہ خدا کی طرف دعوت دیتے ہیں اور خدا ہی کی طرف سے کہتے ہیں اور خدا ہی کے امر پر عمل کرتے ہیں ان کے گردوں میں تنزیل اتری ہے اور ان ہی کے پاس جبراً میل بھیجے جاتے ہیں۔ (بخار الانوار، جلد ۷، ص ۳۳۶)

باب جنت پر کلمہ مکتبہ

جناب رسالت مأبؐ نے فرمایا کہ شبِ معراج میں نے دروازہ جنت پر یہ کلمہ لکھا ہوا دیکھا ہے:-

لا إله إلا الله محمد رسول الله، على حبيب الله ، الحسن
والحسين صفوة الله ، فاطمه امة الله على جا غضهم لعنة الله .
(بخار الانوار، جلدے، ص ۳۵۹)

حقیقت مخلوق اول کا ادراک ضعب و متصعب ہے

میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ جلد دوم میں جو کچھ پیش کیا جا رہا ہے وہ ناپیدا کرنا سمندر کے مقابلہ میں ایک قطرہ کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ ان کی حقیقت اور آثارِ حقیقت کا احاطہ اور احصاء ناممکن ہے۔ حضرت غواس بخار اخبار اہل بیت اطہار علامہ مجلسی نے اپنی کتاب مراث العقول میں اس عبارت کے ذریعہ اطہار عجز و قصور فرمایا ہے:-

وَالَا خُبَارُ فِي ذَلِكَ مُسْتَفِيْضَةُ، أَوْ رُدُّثُ أَكْثَرَهَا فِي الْكِتَابِ
الْكَبِيرِ لِكُنْ فَهُمَّهَا صَعْبُ، عَلَى الْعُقُولِ وَالَا وُلِيَ الْإِيمَانُ بِهَا
بِجُمْلًا وَرُدُّ عِلْمُهَا إِلَيْهِمْ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ.

”ان ذات عالیہ کی خلقت اولی روحانی نورانی کے باب میں بے شمار احادیث وارد ہیں۔ ان میں سے اکثر احادیث کو میں نے اپنی کتاب بکیر (بخار الانوار) میں درج کر دیا ہے۔ لیکن ان کی حقیقت کا ادراک ہمارے عقول کے لئے دشوار ہے۔

لہذا ہمیں یہ ایمان تو رکھنا چاہیے کہ ان کی شان اس قدر بلند ہے جسے ہماری عقول پا نہیں سکتیں لیکن ان حقائق کی تفصیلات کا علم ان ہی ہستیوں کے حوالہ کر دینا چاہیے۔“

خواص بخار احادیث اہل بیت حضرت علامہ مجلسی جیسی ہستی نے ان حضرات والا درجات کی حقیقت کے فہم و ادراک میں اپنی عاجزی کا اظہار فرمایا کہ ایمان اجمانی کو اپنا مسلک قرار دیا ہے۔ احادیث کیش کو رو نہیں کیا ہے بلکہ ان احادیث کے حقیقی صحیح علم کو ان ہی حضرات کے سپرد کر دینے کی تلقین فرمائی ہے۔ نیزاً اپنی کتاب ”بلدیہ“ میں فرمایا ہے کہ ان احادیث کو تسلیم کرو۔ اور جس قدر سمجھ سکو۔ اس پر تفصیلی ایمان لے آو۔ اور جو تمہاری عقل نہ سمجھ سکے اسے رد نہ کرو۔ بلکہ ان پر بھی ایمان اجمانی دیکھو۔ کیونکہ یہ ممکن ہے کہ یہ حدیث ان ہی حضرات کا کلام ہو۔ اور تم اپنی ضعیف عقل کی وجہ سے رد کر دو تو یہ یکنذ یہ خدا ہوگی۔

یہ اجمالی ایمان اُسی طرح ہو گا جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہمارا ایمان ہے کیونکہ اسکی ذات کا علم محال ہے۔ یعنی صرف یہ ایمان لانا ضروری ہے کہ وہ ہے اور اس کا کوئی مثل نہیں ہے۔ جیسا کہ ان ہی ذوات مقدسہ کا ارشاد ہے۔

هُوَ خَارِجٌ عَنِ الْحَدِيْنِ حَدِ الْأَبْطَالِ وَ حَدِ التَّشْبِيْهِ

”وَهُوَ حَدُولٌ سَمِيْعٌ بَاهِرٌ بِهِ هُوَنَا“ اور دوسری حد کسی کے مثل ہونا، یعنی وہ ہے مگر کسی کے مانند نہیں۔“

لہذا اس کی حقیقت اور ماہیت کا ادراک ہمارے عقول سے بالاتر ہے۔ اس کا تفصیلی علم محال ہے۔ لہذا اجمالی علم ہی ہو سکتا ہے جس کو ایمان اجمالی کہتے ہیں۔

یہی شان مخلوق اول کی ہے جس کی حقیقت و ماہیت کا ادراک ہمارے عقول کی درستی سے باہر ہے۔ لہذا علم اجمالی ہو سکتا ہے۔ جس کو ایمان اجمالی کہتے ہیں۔ لیکن ان دونوں میں فرق ہے۔ خداوند عالم کا وجود بالذات ہے اور ان حضرات کا وجود باغیرہ ہے مگر دونوں کی حقیقوں کا ادراک ہمارے افہام سے بلند ہے۔

اسی طرح کائنات میں ایسے حلقے موجود ہیں جن کی حقیقت تک ہماری سائی ناممکن ہے۔ لیکن ان کے وجود پر بھکم خدا اور رسول ایمان اجمالی رکھتے ہیں۔ جیسے روح، ملک، جن، برزخ، صراط، میزان، حشر و نشر وغیرہ ان کے حلقے اور تفصیلات کا علم اجمالی ہے۔ لہذا ایمان بھی اجمالی ہے۔ اسی لئے امتیازات بھی اجمالی ہیں جن کے ذریعہ جنس و فعل و نوع کا تعین ہوتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قائلین و حدث نوع نے ان حضرات عالی درجات کی حقیقت کو کس وجہ والہام کے ذریعہ پالیا۔ جبکہ علامہ مجاسی ہمیسی اپنے عجز و قصور کا اظہار فرمائے گئے ہیں۔ حضرات محمد و آل محمدؐ کی حقیقت کا ادراک جب ہمارے عقول سے بلند ہے جس کو خدا جانتا ہے یا خود یہ حضرات جانتے ہیں تو ان حضرات کو کسی نوع میں اسی وقت و حالت میں داخل کیا جاسکتا ہے۔ جب ان کی تمام ماہیت وکل حقیقت کا علم حاصل ہو۔ لہذا اقربی طور پر تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان کی نوع تمام مخلوقات سے جدا گانہ ہے۔ کیونکہ ان کی تمام حقیقت کا علم نہیں ہے۔ صرف ظہور کمالات اور آثار صفات کے ذریعہ امتیازات کا تصور ہوتا ہے جو ان ذوات مقدسہ کے لئے تمام خلائق سے جدا گانہ ثابت ہیں۔

قالمین وحدت نوع کی نئی منطق

ہم نہایت افسوس کے ساتھ قالمین وحدت نوع کے سرخیل کے ایک خط کی چند سطور پیش کر رہے ہیں جو انہوں نے جناب الحاج سید جیل حسین صاحب رضوی کو لکھا ہے۔ جو ہمارے پاس محفوظ ہے۔

تحریر فرماتے ہیں:-

”بنا بریں جب یہ احادیث مشابہ ہیں تو کیا کوئی عقلمندو انسان مشابہات پر اپنے عقائد کی دیوار کو استوار کر سکتا ہے؟ مشابہات پر صرف ایمان رکھا جاتا ہے مگر عقیدہ مکملات کے مطابق رکھنا لازم ہے۔“

اس تحریر سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک ایمان و عقیدہ میں یہ فرق ہے کہ کسی شے پر ایمان ہو سکتا ہے مگر عقیدہ نہیں ہو سکتا۔ یعنی ایمان کا وجود بغیر عقیدہ ہوتا ہے۔

اولاً تو خداوند عالم نے قرآن مجید میں اور انہیاء و آئندہ طاہرین نے اپنے ارشادات میں تمام خلائق کو ایمان لانے ہی کی تلقین وہدایت فرمائی ہے۔ ہر مقام پر لفظ ”امنو“ ہی کا حکم ہے۔ کہیں بھی لفظ ”اعتقدوا“، قرآن مجید میں نہیں ملتا۔ لہذا ہماری شرعی تکلیف یہی ہے کہ ایمان لائیں۔

ثانیاً یہ امر بدیہی ہے کہ ہر عقیدہ حق نہیں ہوتا ہے۔ دنیا میں کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جس کے ماننے والے اس کے معتقد نہ ہوں۔ سب ہی اپنے اپنے مذہب پر عقیدہ رکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ کفار بھی اپنے مذہب پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ مگر یہ سب مومن نہیں ہیں۔ کیونکہ ایمان کے معنی ہیں اعتماد جازم مطابق واقع، یعنی وہ اعتقاد و جو قلب میں مستحکم ہو۔ اور جس پر عقیدہ ہے وہ حق ہو۔ واقعی ہو غلط نہ ہو باطل نہ ہو۔

کتب منطق میں علم کے اقسام اور مقسم و قسم تفصیل ایمان کے گئے ہیں۔ ابتدائی کتب ہی کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہم ظن، شک، یقین، تشکیک مختلطی، تشکیک مصیب کسی مفہوم کے اقسام ہیں۔ افسوس ہے کہ بڑے بڑے القاب سے متصف ہو کر یہ بھی نہیں جانتے کہ جب مركب بھی اعتقاد ہی کی ایک قسم ہے جس میں بہت سے لوگ بتلا ہیں۔ خداوند عالم قالمین وحدت نوع کو اس طرف سے ہٹا کر ایمان کی طرف لائے۔

متباہات کتاب و سنت جاہلوں کیلئے متباہات ہیں

احادیث کثیرہ متواترہ کو اپنے زعم میں متباہات ظاہر کر کے قائلین وحدت نوع نے ان ذوات مطہرہ کی خلقتو نوری کے باب میں لکھ دیا ہے کہ:-

”یہاں وار و شدہ لفظ‘نور سے مراد ان کے بدن و جسم نہیں ہیں بلکہ انکی ارواح مقدسہ مراد ہیں۔ اور چونکہ ان کے اجسام مقدسہ ان کے ارواح مطہرہ کے حامل ہیں۔ اس مناسبت سے ان کو من باب المجاز“ نور کہہ دیا گیا ہے۔“ (اصول الشریعہ، ص ۲۹)

یعنی کہنا تو نہیں چاہیے تھے خواہ مخواہ کہہ دیا گیا ہے کیا یہ انداز تو ہیں آمیز نہیں؟ معلوم ہوتا چاہیے کہ لفظ‘متباہات’ قرآن و حدیث میں ان جاہلوں کی نسبت سے مستعمل ہوا ہے جو حقیقی معنی، ان آیات و احادیث کے نہیں جانتے ہیں۔ اور اپنی جہالت کی وجہ سے غلط تاویلیں کر کے فتنہ و فساد پیدا کرتے ہیں۔ لیکن خداوند عالم خود جانتا ہے اور وہ ہستیاں بھی جن کو خداوند عالم نے ان کی تخلیق میں علم عطا کر دیا ہے۔ لہذا حضرات محمد و آل محمد کے لئے کوئی آیت و حدیث متباہات نہیں ہے۔ ان کے لئے پورا قرآن ہی محکمات و بینات ہے۔

بَلْ هُوَ آيَاتٌ، بَيِّنَاتٌ، فِيْ صُدُورِ الَّذِينَ أُوْتُوا الْعِلْمُ.

”یہ قرآن ان ہستیوں کے سینوں میں روشن آیات ہے جن کو علم دیا جا چکا ہے۔“

ان ذوات مقدسے نے جن لوگوں کو صحیح معنی سمجھا دیئے ہیں ان کے لئے بھی یہ آیات متباہات نہیں ہیں۔ ہر امام نے اپنے اپنے معتمد اصحاب کرام کو تزییل و تاویل سمجھا دی ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ ہر لفظ اپنے حقیقی معنی ہی میں مستعمل ہوتا ہے مگر جب مجازی معنی میں استعمال کرنا مقصود ہو تو اس کے لئے کسی ایسے لف کا اس کے ساتھ استعمال کرنا لازم ہے جو اصلی و حقیقی معنی مراد لینے سے مانع ہو یا حقیقی معنی مراد لینا عقلآ محل ہوں تب کہیں اس کے معنی مجازی مراد لئے جائیں گے۔

ہم لفظ نور کے حقیقی معنی گذشتہ صفات میں پیش کر چکے ہیں لفظ نور کے حقیقی معنی ظاہر بنفسہ مطہر لغیرہ ہیں۔ خواہ اس کا ظہور حواس ظاہری کے ذریعہ ہو یا حواس باطنی کے ذریعہ بنا بریں حضرات انبیاء و آئمہ کے لئے لفظ نور اپنے حقیقی معنی میں استعمال ہے۔ ان کے ذریعہ

تمام خلائق کی روشنی نصیب ہوئی ہے اور ہوتی رہے گی۔ کیونکہ جس طرح ظاہری تاریکیاں ظاہری نور سے ظاہری حواس کے ذریعہ دور ہو کر روشنی سے مبہل ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح باطنی تاریکیاں باطنی نور سے باطنی حواس کے ذریعہ مبدل بہ روشنی ہو جاتی ہیں یہی نور کے حقیقی معنی ہیں اس کو مجازی معنی کہنا قطعاً غلط ہے۔ کیونکہ ان کو نور کہنا عقلائی محال نہیں ہے۔ لہذا حضرات محمد وآل محمد بالتحقیق نور ہیں۔ معنی مجازی مراد لینے کے لئے یہ شرط ہے کہ حقیقی معنی کا مراد لینا عقلی ہو جو حواس مقام پر ثابت نہیں ہے۔

لیکن اگر نور کے معنی علمائے قشرین کی فرضی اصطلاح میں ظاہری روشنی کے ہیں جو آنکھوں سے نظر آئے تو اس معنی سے بھی حضرات محمد وآل محمد نور ہیں جس کا اظہار و اخفا خدا وند عالم نے ان کے اختیار میں دے دیا ہے۔ چنانچہ ان حضرات نے موقعہ بہ موقعہ حسب مصلحت اپنے نور کا اظہار فرمادیا ہے۔

جناب علامہ جزا الریحی نے اپنی کتاب انوارنعمانیہ میں ایک حدیث تحریر فرمائی ہے ملاحظہ کجئے۔ ایک مرتبہ جبرائیل حضرت سیدہ صلوات اللہ وسلامہ علیہا کے دردولت پر حاضر ہوئے۔ اور مصروف گفتگو ہوئے۔ جناب سیدۃ نے یا عُم کہہ کر خطاب فرمایا۔ جب جبرائیل نے آنحضرتؐ کی خدمت میں یہ گفتگو پیش کی۔ اور یہ عرض کیا یا رسول اللہ ہم مخلوق نوری ہیں اور آپ حضرات کی خلقت طین سے ہے پھر یا عم یعنی اے چچا کیوں فرمایا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اے جبرائیل نَحْنُ أَيْضًا مُخْلُقُونَ مِنَ الْوُرْدِ، ہم بھی نور سے خلق ہوئے ہیں۔ پھر آنحضرتؐ نے حضرت امیرؐ کو بلا یا اور اپنی پیشانی جناب امیرؐ کی پیشانی سے ملا کر ذرا گزدی اس نے اس قدر نور ساطع ہوا کہ لوگوں کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اے جبرائیل اس نور کو پہچانتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا رسول اللہ یہ تو وہی نور ہے جس کو ہم عرش پر دیکھا کرتے تھے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اسی لئے میری بیٹی نے یا عُم کہا تھا۔

ثبت نور میں حضرات معصومینؐ کا حل斐یہ بیان

ہم نور کی بحث کو ارشادات معصومینؐ میں سے صرف ایک حدیث پر ختم کرتے ہیں۔ جناب شیخ محمد یعقوب کلمیؒ نے کافی میں ایک باب قرار دیا ہے جس کا عنوان ہے ”إِنَّ الْأَئِمَّةَ

اتاب حقائق المسلم - مفت نور، تالیف محمد

نور اللہ عزوجل "باحتقین آئمہ طاہرین خداۓ عزوجل کا نور ہیں۔ ابو خالد کابلی نے حضرت امام محمد باقرؑ سے آئی:

فَامِنُوا بِاللَّهِ وَالنُّورُ الَّذِي أَنْزَلْنَا (سورة تہران)

"پس ایمان لا و اللہ پر اور رسول پر اور اس نور پر جس کو ہم نے اتنا را۔"

کی تفسیر دریافت کی تو حضرت نے فرمایا اے ابو خالد آلبی محدثین سے آئمہ قیامت تک واللہ نور ہیں۔ اور وہ واللہ خدا کا وہ نور ہیں جس کو اس نے اتنا را اور وہ واللہ آسمان میں زمین میں نور ہیں۔ واللہ اے ابو خالد یقیناً امام کا نور قلوب مؤمنین میں آفتاب سے زیادہ روشن ہے۔ واللہ وہ قلوب مؤمنین کو منور کرتے ہیں اور خداۓ عزوجل ان کے نور کو جن سے چاہتا ہے روک دیتا ہے۔ پس ان کے قلوب تاریک ہو جاتے ہیں۔ واللہ اے ابو خالد کوئی بندہ ہم سے محبت توارکھی نہیں سکتا۔ جب تک اس کے قلب کو خداوند عالم پہلے ظاہرنہ کر دے۔ اور خداوند عالم اس کے قلب کو پاک نہیں کرتا۔ جب تک وہ ہماری ولایت کو قبول نہ کر لے اور ہمارے سامنے سرتسلیم خم نہ کر لے۔ جب وہ ہمارے سامنے جھک جاتا ہے تو خداوند عالم اس کو سخت حساب سے چھالیتا ہے۔ اس حدیث مبارک میں حضرات آئمہ معصومین کو قسم بخدا کے ساتھ نور قرار دیا گیا ہے۔ واللہ نور ہیں، واللہ نور ہیں، واللہ نور ہیں۔

اب اس کے بعد بھی کوئی شخص انکار نہ کر سے اور قسم بھی کھائے کہ واللہ نور نہیں ہیں۔ تو مؤمنین پر واجب ہے کہ علی الاعلان کہیں کہ واللہ تو جھوٹا ہے۔ اگر اب بھی باز نہ آئے تو علی الاعلان کہیں واللہ تجوہ پر لعنت ہے۔

جناب رسالت مآب کا ارشاد ہے کہ جب تم اہل بدعت و شک کو دیکھو کہ وہ نبی نہیں چیزیں پیدا کر رہے ہیں اور لوگوں کے دلوں میں شک ڈال رہے ہیں تو ان سے قطع تعلق کرو۔ اور ان کو کثرت سے سب و شتم کرو اور ان کی خوب برائیاں کرو اور ان کی غیبت بھی کرو اور ان کو لعن و طعن کا نشانہ بناؤتا کہ وہ دین میں فتنہ و فساد پیدا کر رکھیں اور لوگوں کو ڈڑا کر کہ ان سے تعلق نہ رکھیں۔ اور ان سے بدعین نہ کھیں اللہ تعالیٰ تمہارے حنات میں اضافہ کر دے گا اور تمہارے درجات بلند کر دے گا۔ (حکی، ص ۵۶)

منکرِ نور معاوین میں داخل ہے

آنہ معصومین نے نعلیٰ موننوں کی ایک قسم 'معاوین' فرمائی ہے۔ اس کے معنی ہیں "ظاہری ایمان کا اقرار کرتے ہیں۔ باطن میں وہ ہمارے منکر ہیں۔ ان کی پیچان یہ ہے کہ ان کے اقول لوگوں کے سامنے کچھ اور ہوتا ہے اور عمل کچھ اور ہوتا ہے۔ وہ ہماری طرف کذب کی نسبت دیتے ہیں اور جو ہم نے بیان کیا ہے اس کو تسلیم نہیں کرتے۔ ایسے نعلیٰ موننوں کے لئے کلی حسرت ہے، کلی ندامت ہے، کلی ولیل ہے۔" (کافی)

'معاوین' درحقیقت یہی ہیں جو موصیین کرام کے سامنے حضرات آئندہ طاہرین کے فضائل بیان کر دیتے ہیں اور اپنی کتابوں میں اقوال و ارشادات معصومین کی تاویلیں کرتے ہیں۔ کبھی معنی بدلتے ہیں کبھی حقیقت سے انکار کر کے مجاز کی رٹ لگاتے ہیں۔

معرفتِ صحیحہ علوم اہل بیت پر موقوف ہے

ہم عزم کر چکے ہیں کہ اس کتاب میں ان حضرات کے وہ تمام احادیث جو اس وقت ہمارے ہاتھوں میں ہیں۔ خدا کی تائید و توثیق سے درج کریں۔ بحث و مباحثہ کے موجودہ دور میں جو طریقے رائج ہیں۔ ان سے صحیح اعتقاد اور صحیح عبادت کا حصول نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قیاسی آراء اور اجتہادی متانج کے اختلاف کی وجہ سے شک و شبہ بڑھ جاتا ہے۔ دل خخت ہو جاتا ہے۔ سرتسلیم ختم کرنے سے دوری ہو جاتی ہے۔ (کیونکہ ہر شخص اپنے رائے اور اپنی عقل سے اپنا عقیدہ اور مسلک جدا جدا بنایتا ہے۔ اس لئے دل میں اضطراب پیدا ہو جاتا ہے۔) لہذا ہر شخص عاقل کے لئے دو صورتوں میں سے ایک ہی صورت صحیح طور پر حاصل ہو سکتی ہے اور وہ دو صورتیں حسب ارشادات معصومین مندرجہ ذیل ہیں۔

کن عالما او متعلمما ولا تكن الثال فنهلك.

"یعنی تم عالم ہو جاؤ یا متعلم تیرانہ بنو ورنہ بلاک ہو جاؤ گے۔"

نیز ارشاد فرمایا:-

نحن العلماء و شيعتنا المتعلمون و سائر الناس غشاء

”یعنی ہم اہل بیت عصمت و طہارت علماء ہیں اور ہمارے شیعہ متعلم ہیں اور باقی لوگ سیالب کے ساتھ بننے والے کوڑا کرکٹ ہیں (یعنی صحیح علم و اعتقاد صرف وہی ہے جو حضرات محمد و آل محمدؐ کے ارشادات کے مطابق اور ان ہی حضرات کے ارشادات سے ماخوذ ہو)۔

مناظرہ اقوال معصومین کے ذریعہ کرنا چاہیے

اہل بیت طاہرین نے مناظرہ کی اجازت اور جدل و کلام کی رخصت صرف اس صورت میں عطا کی ہے کہ معاندین و منکرین سے مناظرہ میں جو بیان کیا جائے وہ ان ہی کے ارشادات ہوں۔ جن کے ذریعہ فتح و نصرت حاصل کی جائے۔ اپنی رائے اور قیاس سے نہ ہو جو غلط ہونے کی صورت میں دین حق کے لئے ضرر رسان ہو جائے۔ اسی لئے حضرت امام رضاؑ نے فرمایا کہ اس کا ضرر اس کافی نفع سے زیادہ ہے۔

(دین خدا میں رائے اور قیاس و تجھیں کی بنیاد مخالفین اہل بیت نے رکھی ہے کیونکہ ان کے پیشواؤں کا براؤ راست رابطہ بذریعہ وحی والہام خدا کے ساتھ نہ تھا۔ اس لئے وہ قیاس و تجھیں کو دین میں داخل کرنے لگے اور اسی وجہ سے وہ لوگ ارشادات معصومینؐ کو اپنی ناقص عقل کے مطابق نہ بجھ کر باطنی علوم کے منکر ہو گئے حالانکہ قرآن و حدیث میں باطنی علوم کے بکثرت امثلہ موجود ہیں۔

حافظتِ دین کا انتظام

جب وفات حضرت رسول خدا کے بعد لوگوں نے فتنہ و فساد کی بنا دیں استوار کیں۔ اور اپنے خواہشات کے مطابق دین کو موڑ نے لگے تو خداوند عالم نے کچھ ہستیوں کو بچالیا اور سفینہ اہلبیت کے ذریعہ انہیں ان طوفانوں سے نجات اور نکلیں کے ساتھ تمک کی توفیق عطا فرمائی۔

ان متمسکین اہل بیت نے دین خدا کو سینوں سے لگالیا۔ اور اپنی جان کو بچاتے ہوئے دین کو اپنے سینوں میں مستحکم رکھا۔ ان ہی کی وجہ سے امیت محمدیہ میں رقم شریعت باقی رہی۔

ان کی مدد و تائید کے لئے خداوند عالم امام کے بعد امام مبعوث فرماتا رہا اور شیعوں کے سلف کے بعد خلف قائم کرتا رہا۔ چنانچہ شیعوں کی جماعت مسلسل حضرات معصومینؐ کے ارشادات

کی حامل رہی۔ اور یہی گروہ احادیث کو حفظ کرتا رہا اور دفاتر میں جمع و تدوین کرتا رہا اور برابر ایک دوسرے کو پہنچاتا رہا۔ یہاں تک کہ احادیث آئندہ طاہرین آج ہم تک پہنچیں۔

امورو دین میں قیاس و تجھیں کی وجہ

حافظین احادیث اور ناقلين اخبار تبعین اہل بیت الطہارہ اپنے عقائد و اعمال میں احادیث ہی کو دلیل صحت قرار دیتے تھے اس وقت نصوص مسومہ ہی جلت و ثبوت صحت تھے۔ نہ قیاس کی حاجت تھی اور نہ رائے زنی کی۔ یہی حالت اس وقت تک رہی جب تک آئندہ طاہرین کا ظہور اور ان حضرات کے سفراء کا دور باقی رہا۔

لیکن جب غیبت کبریٰ کا عہد آگیا اور شیعوں کا رابطہ سفراء سے بھی منقطع ہو گیا۔ اور حکومتوں نے شیعوں پر ظلم و تشدد کو روکا کھا۔ جس کے بعد شیعہ اور غیر شیعہ مخلوط ہو گئے۔ اور ان کی اولاد نے صغریٰ میں حکومتوں کے جاری کردہ مدارس اور تحریر کردہ کتب دیکھے اور مساجد و مدارس کے درس و تدریس میں مجبور اشکست کی اور وہی مروجہ علوم و فنون حاصل کئے جو اس دور حکومت میں مخالفین اہلبیت نے جاری کئے تھے۔

ایسے دور تشدد میں بھی ہمارے علماء نے ان کے خلاف اور ان کی رو میں کتابیں تالیف کیں اور ان کے وضع کردہ اصول میں غلطیاں نکالیں (اگرچہ اس جرم میں شہید بھی کئے گئے) رفتہ رفتہ بحث و مباحثہ اور جدل و مناظرہ جاری ہو گیا مگر پھر بھی ہمارے علماء نے احادیث اہل بیت طاہرین کی حفاظت کی۔ اور پہلے سے زیادہ اس امر کی سعی کی کہ ارشادات معصومین صحیح طور پر جمع ہو جائیں۔

علماء محمد شین کی بے مثال خدمت

چنانچہ جناب محمد بن یعقوب کلینیٰ نے جن احادیث کو اپنی نظر میں قابلِ اعتقاد مل پایا۔ جمع فرمائ کر کتاب کافی تالیف کی۔ جیسا کہ اول کتاب میں تحریر فرمایا ہے۔

میں نے اپنے ان احباب سے کہا جنہوں نے تالیف کتاب کی فرمائش کی تھی۔ تم چاہتے ہو کہ تمہارے پاس ایسی کتاب ہو جو کافی ہو اور اپنی جامعیت کے لحاظ سے ایسی کتاب ہو جس

میں علوم دین کا ایسا ذخیرہ ہو جو متعلم کے لئے کافی اور ہدایت حاصل کرنے والوں کے لئے مرجع اور خواہشمندان علوم دین کے لئے ماخذ ہو تو ایسی کتاب 'کافی' ہے۔ کیونکہ اس میں ہلہبیت طاہریت کے آثار صحیح اور وہ طرق جن پر عمل جاری ہے۔ درج کئے گئے ہیں جن کے ذریعہ فرض خداورست نبی ادا کئے جاسکتے ہیں۔

اسی طرح جناب ابن بابویہؒ نے اپنی کتاب 'من لا سخذه الفقیه' کے متعلق تحریر فرمایا ہے۔ میرا رادہ اس کتاب کی تالیف میں یہ نہیں ہے کہ دیگر مولفین کی طرح تمام روایات جمع کر دوں بلکہ میرا مقصد یہ ہے کہ اس کتاب میں وہ احادیث جمع کروں جن کے مطابق میں فتویٰ دیتا ہوں اور جن کی صحت کا میں فیصلہ کر چکا ہوں اور جن کے متعلق میرا یہ اعتقاد ہے کہ یہ روایات میرے اور میرے خدا کے درمیان جلت ہیں اور یہ سب روایات ان کتب مشہورہ سے لی گئی ہیں جن پر مکمل اعتماد ہے اور جن کو اصل و مرجع قرار دیا گیا ہے۔

اسی طرح جناب شیخ الطائف ابو جعفر محمد بن حسن طویؑ نے اپنی دونوں کتاب استبصار و تہذیب کے متعلق تحریر فرمایا ہے۔ میں نے ان کتابوں میں وہی احادیث و اخبار جمع کئے ہیں جو اصول معتمد کے مطابق ہیں۔

جناب محمد بن شہر آشوب ماٹندرائیؑ نے کتاب معالم العلماء میں جناب شیخ مفیدؓ سے نقل کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ علماء شیعہ امامیہ نے عہد حضرت امیر المؤمنینؑ سے عہد حضرت امام حسن عسکریؑ تک چار سو کتب احادیث تحریر کی ہیں جن کو اصول کہا جاتا ہے۔ یعنی ان کتب حدیث کو مرجع و ماخذ قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کے بیان کی تائید کے لئے اصل موجود ہے، یعنی ان کتب میں موجود ہے۔

احادیث مذکورہ کا نتیجہ

مندرجہ بالا احادیث اور دلائل سے ثابت ہے کہ قرآن مجید ہر زمانہ کے لئے اور قرآن زندہ ہے مردہ نہیں ہے۔ اور قرآن میں تنزیل کے ساتھ تاویل بھی ہے۔ اور ظاہر کے ساتھ باطن بھی اور اس کے تاویلات و بطور اپنے اپنے وقت اور اپنے اپنے موقعہ محل پر ظاہر ہوتے ہیں اور ہوتے رہیں گے یہی وجہ ہے کہ اس کی تاویل خداوند عالم اور راخون فی العالم

کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

فصل هانی: ان احادیث کے بیان میں ہے جن سے ثابت ہے کہ تاویل و باطل قرآن کا تعلق زیادہ تر محمد و آل محمد اور ان کی ولایت کے ساتھ ہے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل ارشادات مخصوصیں سے ثابت ہے۔

جناب امام جعفر الصادق فرماتے ہیں:-

اے ابو محمد قرآن میں جنتی آیات جنت و اہل جنت کے فضائل و مراتب بیان کرتی ہیں۔ وہ سب ہمارے اور ہمارے دشمنوں کے لئے ہیں۔ اور جنتی آیات دوزخ و اہل دوزخ کی رسائی اور برائی کا ذکر کرتی ہیں وہ ہمارے مخالف اور دشمنوں کے لئے ہیں۔

اے ابو محمد جب تم یہ سنو کہ خداوند عالم نے اس امت کی کسی قوم کا ذکر نیکی کے ساتھ فرمایا ہے تو تم سمجھ لو کہ وہ ہم ہیں اور جس قوم کی بُرا ای کا ذکر سنو تو سمجھ لو کہ وہ ہمارے مخالفین و دشمن ہیں۔

ہمارے ساتھ کسی شخص کا قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن مجید ہماری شان میں نازل ہوا ہے یعنی جو ماسن ہیں وہ ہمارے لئے اور جو قبائح ہیں وہ ہمارے دشمنوں کے لئے۔

جناب امام موی الکاظم نے فرمایا ہے:-

قرآن مجید میں خدا کا ارشاد ہے:-

انما حرم ربی الفواحش ما ظهر منها و ما طبعن.

”یعنی خداوند عالم نے قرآن میں ظاہر و باطن بیان فرمائے ہیں۔ پس جو چیز خدا نے اپنی کتاب میں حرام بیان کی ہے وہ ظاہر قرآن ہے۔ اور باطن قرآن ظالم و جابر پیشوایں اور اسی طرح جو چیز خدا نے اپنی کتاب میں حلال بیان کی ہے وہ ظاہر قرآن ہے اور باطن قرآن آئند حق ہیں۔“

اور احتجاج طبری میں ہے کہ جناب رسول خدا نے خطبہ خدیر میں فرمایا:-

اے لوگو! یا علی! سب سے زیادہ میرے حق دار اور سب سے زیادہ میرے قریبی ہیں۔ اور میں اور خدا ان سے راضی ہیں۔ قرآن میں جنتی آیات رضا ہیں وہ سب ان کے لئے ہیں اور جہاں جہاں اللذین امنوا قرآن میں ہے اس کی ابتداء یہی ہے۔ اور جنتی آیات مدح ہیں

وہ ان ہی کے لئے ہیں۔ اے لوگو جو فضائل علی خدا کے نزدیک ہیں جن کو مجھ پر خدا نے نازل کیا ہے ان کا احصاء ناممکن ہے۔ پس جو شخص کوئی فضیلت ان کی بیان کرے تو تم اس کی تصدیق کرو۔ کیونکہ ان کے فضائل کا احصاء نہیں ہو سکتا جتنا تمہیں علم ہے۔ اتنی ہی فضیلت نہیں ہے بلکہ ان کے فضائل شمار سے بالاتر ہیں اور تمہیں جو کچھ علم ہے وہ محدود ہے۔

قرآن مجید کی کوئی ایسی آیات نہیں ہے جس کے اول میں یا ایسا الدین آمنو ہوا در علی اہن ابی طالب اس کے امیر اور قائد و مدرسہ ہوں۔

کتاب کافی میں ہے کہ سعد حفاف نے امام محمد باقرؑ سے سوال کیا۔ یا بن رسول اللہ کیا قرآن تکلم کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا اے سعد نماز بھی تکلم کرتی ہے اس کی صورت و شکل خلقی ہے۔ وہ امر بھی کرتی ہے اور نبی بھی۔

یہ سن کر میرا رنگ بدل گیا اور میں نے عرض کی مولا یہ بات لوگوں کے مجمع میں ہم بیان کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ کیونکہ یہ مطلب عوام کے عقول سے بالا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ لوگوں نے ہمارے شیعہ مراد ہیں یعنی الناس کے باطنی معنی ہمارے پیرو ہیں۔ جو شخص نماز کی معرفت نہیں رکھتا تو اس نے ہمارے حق کا انکار کیا پھر آپ نے فرمایا اے سعد خدا و ند عالم کا ارشاد ہے:-

أَنَّ الصَّلَاةَ تَنْهِيُ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرِ اللَّهِ أَكْبَرُ.

”یعنی نماز نبی کرتی ہے فحشا اور منکر سے اور ذکر خدا اکبر ہے۔“

اے سعد نبی کرنا کلام ہے اور فحشاء و منکر سے مراد لوگ ہیں اور ہم ذکر اللہ ہیں اور ہم اکبر ہیں۔

اس آیت میں نبی کرنا فعل ہے۔ جس کے لئے نبی کرنے والی کی ضرورت ہے۔ جو تکلم ہے۔ ظاہری نماز تکلم نہیں کرتی ہے اسی لئے نماز سے مراد محمد وآل محمد ہیں۔ یہی نماز کے باطنی معنی ہیں اور امام محمد باقرؑ نے فرمایا ہے: کہ جو شخص ظاہری نماز پڑھتا ہے۔ اور حقیقی نماز کو نہیں جانتا تو اس نے ہمارے حق کا انکار کر دیا اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ حقیقی نماز صاحب صورت و شکل خلقی ہے جو تکلم ہے۔ وہی امر و نبی کرتی ہے۔ لہذا باطنی آئمہ ظاہرین ہیں۔ اسی آیت ذیل میں:-

وَاسْتَعِنُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلْوَةِ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاطِئِينَ...الخ.
”یعنی تم مدد مانگو صبر اور نماز سے۔ اور نماز لوگوں پر گراں ہے۔ مگر خدا کے خاشع بندوں پر گراں نہیں ہے۔“

صبر سے مراد رسول اللہ ہیں اور صلوٰۃ سے مراد علی ابن ابی طالب ہیں۔ حضرت ہی کی ولایت گراں گزرتی ہے۔ مگر خدا کے سامنے جھکتے والے بندوں پر گراں نہیں گزرتی۔ ان دونوں آیتوں کو ملا کر غور کیا جائے تو ان کے تاویلی معنی سے ثابت ہوتا ہے کہ ان حضرات سے مدد مانگنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مگر ظاہری معنی روزہ و نماز ہیں جو ظاہری مسلمانوں کے لئے ہیں اور یہ بھی درست ہیں کیونکہ قرآن کا ظاہر و باطن آپس میں مختلف و متناقض نہیں ہوتا۔ ظاہری لوگ ظاہری نماز سمجھتے ہیں اور باطنی افراد دونوں کو قبول کرتے ہیں اور ان حضرات سے مدد مانگتے ہیں۔ کیونکہ نماز و روزہ کا مادی وجود نہیں ہے ان ہی حضرات کے حرکات و سکنات حقیقی نماز و روزہ ہیں جن کے ذریعہ ہیئت نماز و روزہ کا وجود ہوا۔

امام نے فحشاء اور منکر کے باطنی معنی رجال (لوگ) ارشاد فرمائے ہیں۔ یعنی جس طرح نماز کے باطنی معنی آئمہ ظاہر ہیں ہیں۔ اسی طرح فحشاء و منکر سے مراد ان کے دشمن و مخالف ہیں اور یہ دو قسم کے ہیں اول فحشاء یعنی حدود خدا کو توڑنے والے علانية گناہ کے مرتكب اور دوم منکر یعنی خدا کے ناپسندیدہ فعل کے مرتكب۔ مخالفین و دشمن اہل ہیئت ان دونوں گناہوں کے مرتكب ہیں لہذا وہ فحشاء بھی ہیں اور منکر بھی۔ کیونکہ فحشاء و منکر کا مادی وجود نہیں ہے لہذا یہ لوگ فحشاء و منکر ہیں۔

اس فصل میں جن احادیث کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ تاویل قرآن یعنی باطنی معنی قرآن کا تعلق محمد و آل محمد سے ہے۔

فصل سوم: اس امر کے بیان میں ہے کہ ظاہری معنی قرآن اور باطنی معنی قرآن میں کوئی اختلاف اور تضاد نہیں ہے۔ بلکہ دونوں معنی مقصود خدا ہیں۔ اور ان دونوں معنی کا مراد یعنی اسلوب کلام کے خلاف نہیں ہے بلکہ قرآن میں یہ استعمال شائع و ذائع ہے اور اسی طرح احادیث میں بھی مستعمل ہے۔ جیسا کہ ہمارے علماء محققین نے تحریر فرمایا ہے۔

باتحقیق احکام خدا حقیقت کلی اور مرتبہ نوعی کے مطابق جاری ہیں۔ یعنی کسی شخص یا فرد

کے ساتھ مخصوص و مخصوص نہیں ہیں۔ اسی لئے جس قوم کے ساتھ خدا نے مخاطبہ فرمایا ہے اور کسی فعل کی نسبت اس کی طرف دی ہے۔ اس خطاب و نسبت میں وہ تمام قویں داخل ہیں جو اس وقت نہ مخاطب تھیں اور نہ ان کی طرف نسبت فعل دی گئی تھی مگر چونکہ ان قوموں میں وہی خصلت اور وہی طبیعت پائی گئی۔ اس لئے یہ قویں بھی اتحاد خصلت و طبیعت کی وجہ سے مخاطب اور منسوب الیہ قرار پائے گی۔

اس حدیث کی توضیح یہ ہے کہ جو آیات ظاہر آن لوگوں کے حق میں نازل ہوئیں۔ جنہوں نے رسول اکرمؐ کی دعوت تو حید و نبوت کی مخالفت یا نافرمانی کی وہ تمام آیات باطنی طور پر ان لوگوں کے حق میں بھی ثابت ہوں گی۔ جنہوں نے دعوت و لایت و امامت کی مخالفت یا نافرمانی کی کیونکہ مخالفت یا نافرمانی دونوں میں یکساں ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں دعوت رسول کے اجزاء ہیں۔ اسی طرح جن لوگوں نے اپنی مرضی سے اپنے لئے بتوں کو شفیع بنالیا اور بغیر امر خدا ان کی تعلیم و عزت کرنے لگے اور ان کو اپنامد و گارقرار دے دیا۔ ایسے لوگوں کے لئے جو آیات ظاہر آن اسی وہ تمام آیتیں ان لوگوں کے لئے بھی باطنی طور پر ثابت ہوں گی۔ جنہوں نے اپنے لئے امام اور رہنماء پنی مرضی سے بغیر حکم خدا بنائے اور ان کی عزت و تعظیم کرنے لگے اور ان کو شفاعت کا درجہ دے دیا اور اس حکم میں وہ بھی شامل ہوں گے جو عصر حاضر میں ان کی پیروی میں وہی عقیدہ رکھتے ہیں جو ساقین کا تھا۔

جناب امام جعفر الصادقؑ نے مندرجہ ذیل آیت کی تفسیر میں ارشاد فرمایا ہے:-

قول خدا: و ظلم ممدود و ماء و فاكهه كثيرة لا مقطوعة ولا ممنوعة
”يعني موئيin پھیلے ہوئے سایہ اور بہتے ہوئے پانی میں اور ایسے کثیر میوہ جات میں ہیں جو منقطع نہیں ہوں گے۔ اور نہ ان کا حصول ممنوع ہوگا۔“

ان نعمات سے مراد ظاہری نعمتیں ہی نہیں ہیں۔ جیسا کہ عام لوگ سمجھتے ہیں بلکہ باطنی طور پر اس سے مراد عالم زمانہ یعنی امام ہے اور اس کے وہ علوم جو اس سے ظاہر ہوتے ہیں وہ سب نعمتیں ہیں۔

اس کی تشریح یہ ہے کہ جن آیات میں ظاہری طور پر جسمانی طور پر جسمانی غذاوں اور مادی لذتوں کا ذکر ہے وہ آیات باطنی طور پر روحانی غذاوں اور روحانی لذتوں کے لئے بھی

ہیں۔ اور اسی طرح ظاہری طور پر جو آیات ظاہری موت و ہلاکت کے لئے ہیں وہ باطنی طور پر جہالت و ضلالت کے لئے بھی ہیں یعنی جس نے اپنے امام و ولی کو نہیں پہچانا ہے۔ وہ بھی مردہ اور ہلاک ہے کیونکہ علم زندگی ہے اور جہالت موت ہے۔ اگرچہ دیکھنے میں وہ زندہ ہیں مگر درحقیقت وہ مردہ ہیں دیکھنے میں وہ انسان ہیں مگر درحقیقت وہ جانور بلکہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔

لہذا ظاہری طور پر عبادات اور معروفات و مأمورات جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صبر، تحمل، سخاوت، ایثار وغیرہ اعمال ہیں مگر چونکہ یہ تمام اعمال و عبادات بوسیلہ مُحَمَّد وآلِ مُحَمَّد وجود میں آئے ہیں اور یہی ذوات مقدسہ ان کی اصل ہیں۔ کیونکہ ان ہی حضرات کے ذریعہ سے ان عبادات و اعمال کو قبول کیا گیا ہے۔ لہذا باطنی طور پر یہ ذوات مقدسہ خود نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صبر، ایثار وغیرہ ہیں اور اسی طرح وہ لوگ جن سے قبائل و معاصی و خبائث ظہور میں آئے ہیں۔ جیسے ظلم، فتن، فجور، کفر شرک وغیرہ وہ باطنی طور پر چونکہ اصل ہیں لہذا وہ خود کفر و فسق و عصيان ہیں۔

اس قسم کی تعبیرات احادیث میں بھی ہیں اور قرآن مجید میں بھی مثلاً۔

حُبُّ الْيَكْمِ الْإِيمَانِ وَ زِينَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَ كَرَهُ الْيَكْمِ الْكُفُرِ وَ
الْسُوقِ وَالْعَصَيَانِ اولُكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ.

”یعنی خدا نے تمہارے لئے ایمان کو محبوب بنادیا اور اس کو تمہارے قلوب میں زینت دی اور کفر و فسوق و عصيان کو مکروہ بنایا ہی لوگ راشدین ہیں۔؟“

باطنی طور پر ایمان سے مراد مرد ہے اور اسی طرح کفر و فسوق و عصيان سے مراد بھی مرد ہیں۔

روايات کثیرہ سے ثابت ہے کہ خدا کی معرفت و عبادت اور مخالفت اور خدا کا افسوس و ظلم اور رضا مندی و ناراضی وغیرہ کی تاویل بطور معنی باطنی امام کی معرفت و اطاعت اور مخالفت سے کی گئی ہے اور اسی طرح افسوس و ظلم و رضا و ناراضی امام سے کی گئی ہے۔ اسی طرح عین اللہ، یہاں اللہ، حب اللہ، قلب اللہ کی تاویل بھی امام ہی سے کی گئی ہے۔ بلکہ وہ تمام چیزیں جواز یں قبل ہیں جن کو خدا نے اپنی طرف نسبت دی ہے ان سب سے مراد مخصوص طور پر امام ہی ہے۔

حتیٰ کہ احادیث میں روح اللہ اور نفس اللہ بلکہ لفظ اللہ اور لفظ اللہ اور لفظ رب کی تاویل بھی امام سے کی گئی ہے۔

دلیل ان سب کی یہ ہے کہ جس طرح سلاطین و امراء اپنے امر و حکم سے اپنے کارندے مقرر کرتے ہیں اور ان کے افعال کو اپنی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور انکی تعظیم و توہین کو اپنی تعظیم و توہین قرار دیتے ہیں تا کہ ان کی جلالت سے خود بادشاہوں اور امراء کی جلالت ظاہر ہو۔ ان کارندوں کے فائدے اور نقصان اور اطاعت و مخالفت کو اپنی طرف منسوب کرتے ہیں اور اپنے کارندوں کے ساتھ جو سلوک ہواں کو وہ اپنے ساتھ سلوک گردانے ہیں۔

اسی طرح خداوند عالم نے اپنے اولیاء و آئمہ کے لئے وہی نسبت قرار دی ہے جو امراء و سلاطین اپنے کارندوں کی طرف دیتے ہیں۔
 چنانچہ امام جعفر الصادق نے فرمایا:-

با تحقیق خداوند عالم ہماری طرح افسوس نہیں کرتا۔ بلکہ اس نے اپنے لئے اولیاء خلق کے ہیں۔ وہ افسوس بھی کرتے ہیں اور راضی بھی ہوتے ہیں اور وہ اخلاق سے متاثر بھی ہوتے ہیں جو خدا کے مر بوب ہیں۔ خدا نے ان کی رضا کو اپنی رضا اور ان کی ناراضی کو اپنی ناراضی قرار دیا ہے۔ کیونکہ ان حضرات کو خود اس نے داعی و رہنمایا پنی جانب سے مقرر فرمایا ہے۔ اس لئے ان حضرات کو یہ شان حاصل ہے۔

دوسری روایت میں اس طرح ہے خدا خود متاثر نہیں ہوتا ہے لیکن اس نے ہم کو اپنے ساتھ ذکر کیا ہے اور ہم پر جو ظلم ہوتا ہے وہ اس کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے اور ہماری محبت کو اپنی محبت قرار دیتا ہے اور اس نے اپنے نبی پر جو قرآن نازل کیا ہے اس میں یہ سب بیان کر دیا ہے۔ اس مضمون کے کافی روایات موجود ہیں جو آئندہ بیان کئے جائیں گے۔

نیز ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ بادشاہوں کو جب اپنے وزیر پر مکمل اعتماد ہوتا ہے اور وہ امور سلطنت اور نظام حکومت میں اپنی قابلیت و صلاحیت سے مقام بلند کھاتا ہے تو بادشاہ کہتا ہے کہ یہ وزیر میرا دست راست ہے اور یہ وزیر یہ میری تکوار ہے بلکہ یہ تو میری آنکھ ہے بلکہ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ یہ میری روح میری جان بلکہ یہی بادشاہ ہے اور ایسے وزیر کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور اس کی مخالفت کو اپنی مخالفت قرار دیا ہے۔

ان تمام امور کو اپنے دل میں جگہ دو اور یاد رکھو کہ اکثر روایات اور آیات میں ایسے ہی اسلوب کلام کا استعمال ہوا ہے۔

فصل چہارم: اس فصل میں بیان کیا جاتا ہے کہ ظاہر و باطن اور تنزیل و تاویل سب پر ایمان لانا انسان کے لئے واجب ہے جس طرح محکم و تشابہ ناخ و منسوخ اور مفصل و محمل پر ایمان لانا واجب ہے چنانچہ امام محمد باقرؑ نے فرمایا۔

با تحقیق خداوند عالم نے اپنے رسولوں کو کتاب اور اسکی تاویل دے کر مبعوث فرمایا ہے۔ پس جو شخص کتاب یا اس کی تاویل کا انکار کرے گا تو وہ کافر مشرک ہے۔
امام جعفر الصادقؑ نے فرمایا:-

با تحقیق جو قوم ظاہر قرآن پر ایمان لائے اور باطن کا انکار کر دے اس کو یہ ایمان کوئی فائدہ نہ دے گا اور جو قوم باطن قرآن پر ایمان لانے اور ظاہر کا انکار کر دے اس کو بھی ایمان کا کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ ظاہر پر ایمان بغیر باطن کے اور باطن پر ایمان بغیر ظاہر کے کمکل نہیں ہو سکتا۔
امام جعفر الصادقؑ نے مندرجہ ذیل آیت کی تفسیر میں فرمایا:-

وَمَا يَعْلَمُ تَاوِيلهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ.

با تحقیق رسول اللہ افضل راشدین فی العلم ہیں جو کچھ خدا نے قرآن میں تنزیل و تاویل نازل کی ہے سب کے علم ہیں۔ خداوند عالم کی یہ شان نہیں ہے کہ قرآن نازل کر دے اور تاویل کا علم عطا نہ کرے۔

آنحضرتؐ کے بعد آپؐ کے اوصیاء اسی طرح عالم تاویل ہیں جس طرح آنحضرتؐ تھے۔ ہمارے شیعہ بذاتِ خود عالم تاویل نہیں ہیں مگر جب امامؐ سے دریافت کرتے ہیں اور امام نہیں اپنے خداداد علم سے سمجھا دیتا ہے تو وہ کہتے ہیں۔

يقولون أمنا به كُلُّ مَنْ عَنِدِ رَبِّنا.

”کہ ہم ایمان لے آئے اس پر جو امام نے ہمیں بتایا ہے وہ سب ہمارے رب کی جناب ہی سے ہے۔“

قرآن میں عام و خاص، ناخ و منسوخ محکم و تشابہ ہے جس کو راسخون فی العلم ہی جانتے ہیں۔

اس حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ شیعوں کی علامت یہ ہے کہ تاویل امام نے بیان فرمائی ہو اس کو من جانب اللہ تسلیم کر کے ایمان لاتے ہیں۔ لہذا جو شخص تاویل امام کو قبول نہ کرے یا تاویل امام سن کر منہ بگاز لے وہ شیعہ نہیں ہے۔

ہمارے ان دلائل کا ثبوت حدیث امام جعفر الصادق ہے جو جناب مفضلؑ کے دریافت کردہ مسائل کے جواب میں تحریر فرمائی کرالن کو ارسال فرمائی ہے جس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔

حدیث مفضل کا خلاصہ

جناب مفضلؑ نے حضرت کشاف الحقائق امام جعفر الصادقؑ کی خدمت میں تحریر اعرض کیا۔ کہ یہاں ایک ایسی جماعت ہے جو دین کا مقصد رجال، بھجتی ہے۔ یعنی دین سے مراد اشخاص ہیں۔ جس نے ان اشخاص کو پہچان لیا اس نے دین حاصل کر لیا۔ اسی طرح یہ جماعت بھجتی ہے کہ نماز و روزہ، زکوٰۃ، حج و عمرہ، مسجد الحرام و بیت اللہ۔ مشعر الحرام و شہر الحرام وغیرہ بھی اشخاص ہیں۔ جب ان بزرگ اشخاص کی معرفت حاصل ہو جائے تو روزہ و نماز اور حج زکوٰۃ وغیرہ اعمال کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح یہ جماعت بھجتی ہے کہ شراب و قمار، سود و حم خزیر اور میہدہ وغیرہ فوایش بھی اشخاص ہیں۔ جب ان اشخاص سے نفرت و بیزاری کر لی جائے تو ان چیزوں سے اجتناب و پرہیز کی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت نے جواباً ارشاد فرمایا:-

اے مفضل اس جماعت نے جو کچھ سناتھا اس کو سمجھا نہیں ہے بلکہ اپنے قیاس سے تحریف کر دی ہے۔ اصل حقیقت کو تبدیل کر دیا ہے۔

اے مفضل یہ بالکل صحیح و درست ہے کہ دین، بھی رجل ہے یعنی شخص ہے اور نماز و روزہ، حج و زکوٰۃ بھی رجل ہیں۔ اسی طرح شراب و قمار حم خزیر و میہدہ بھی رجل یعنی شخص ہیں۔ میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں۔ با تحقیق دین یعنی اصل دین رجل ہی ہے اور یہ رجل ہی ایمان ہے اور یہی امام امت ہے۔ یوں سمجھو کہ امام ہی اپنے اہل زمانہ کے لئے دین ہے۔ جس نے امام زمانہ کی معرفت حاصل کر لی۔ اس نے خدا اور اس کے دین کی معرفت حاصل کر لی۔ جس شخص نے امام کا انکار کیا اس نے خدا اور اس کے دین کا انکار کیا۔ جو شخص معرفت

امام سے جاہل رہا وہ خدا اور اس کی معرفت سے جاہل رہا۔

بغیر امام نہ خدا کی معرفت حاصل ہو سکتی ہے نہ دین خدا کی نہ حدود دین کی نہ اس کے شرائع کی۔ تبھی مطلب ہے اس عبارت کا کہ دین خدا رجل ہے یعنی مرد ہے یعنی شخص ہے۔ اے مفصل میں تمہیں دوسرے لفظوں میں تبھی سمجھاتا ہوں۔

اگر میں یہ کہوں کہ روزہ، نماز، حج، زکوٰۃ، بیت اللہ الحرام، مشعر حرام وغیرہ دراصل ہمارے نبی ہیں جو خدا کی جانب سے ان فرائض کو لائے ہیں تو میں اس قول میں صادق ہوں گا کیونکہ یہ تمام فرائض صرف نبی ہی کے ذریعہ پہنچائے گئے ہیں۔ اگر نبی کی معرفت نہ ہوتی۔ ان پر ایمان نہ ہوتا۔ ان کی فرمائش پر مستلزم ختم نہ کیا جاتا تو ان فرائض کی معرفت ہرگز نہ ہوتی۔ لہذا یہ تمام فرائض نبی ہیں۔ یعنی درحقیقت ان کی اصل نبی ہی ہیں۔ اور یہ فرائض ان کی فرع ہیں۔ نبی ہی نے ان کی طرف دعوت دی۔ رہنمائی کی، معرفت کرائی اور ان کی تعییل کا حکم دیا اور ہر امر میں تعییل کو واجب اور اطاعت کو فرض گردانا۔

لہذا میرے لئے نبی سے جہالت کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور گنجائش کس طرح ہو سکتی ہے جب کہ میرے اور میرے خدا کے درمیان صرف یہی نبی ہیں پھر کیوں اس مرد کی معرفت ہی فرائض مذکورہ کی معرفت نہ ہو جب کہ یہی مرد وہ ہے جو خدا کی جانب سے فرائض لے کر آیا ہے۔ لہذا اس کا انکار دین کا انکار ہے۔ کیونکہ خداوند عالم نے خود اس بات کو پسند کیا ہے کہ اس کی معرفت رجال ہی کے ذریعہ کی جائے اور اس کی اطاعت بھی ان کی اطاعت کے ذریعہ کی جائے۔

اسی لئے ان کو سبیل اللہ اور وجہ اللہ قرار دیا جائے۔ جن کے ذریعہ بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوا جاتا ہے۔ انکے بغیر بندوں کا کوئی عمل بھی خدا قبول نہیں کرے گا۔ خدا جو کچھ کرے اس سے باز پرس نہیں کی جاسکتی۔ ہاں بندوں سے باز پرس کی جائے گی۔

خداوند عالم نے اپنے اس رجل (نبی) سے اپنی محبت کا اظہار اس طرح فرمایا ہے:-

من يطع الرسول فقد اطاع الله.

”جو شخص رسول کی اطاعت کرے گا پس یقیناً اس نے خدا کی اطاعت کر لی۔“

لہذا جو شخص ہمارے بیان کردہ حدود کو سمجھتے ہوئے اگر یوں کہے کہ یہ کل فرائض درحقیقت

رجل ہیں تو وہ صادق القول ہے کیونکہ فرائض کی اصل رجُل ہے اور وہ اس کی فروع ہیں۔ لیکن اگر اس 'رجُل' کی اطاعت ترک کر دے اور پھر یہ کہے کہ اس رجُل کی معرفت ہی کافی ہے۔ فرائض ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے تو ایسا شخص کاذب ہے۔ کیونکہ فروع کو چھوڑ کر اصل سے تمسک کرنا کافی نہیں ہو سکتا۔

جس طرح ایک شخص لا الہ الا اللہ کی گواہی دیتا ہے مگر محمد رسول اللہ کو ترک کر دیتا ہے تو یہ اس کے لئے کافی نہیں ہے (اسی طرح نبی کی معرفت حاصل کر لیا اور اس کے بیان کردہ فرائض کو ترک کر دیتا کافی نہیں ہے بلکہ اصل کے ساتھ فروع کا تسلیم کرنا بہر حال ضروری ہے۔

(۱) مفضل! ہر ایک نبی خدا کی طرف سے نیکی اور عدل اور محاسن اخلاق کے حدود لے کر (عمل کرنے کے لئے) آیا ہے اور اسی طرح فواحش و اخلاق بد کے حدود لے کر (روکنے کے لئے) آیا ہے۔

خداوند عالم نے کسی نبی کو اپنی معرفت کی دعوت دینے کے لئے ہرگز اس حالت میں نہیں بھیجا ہے کہ نبی کے امر و نبی میں اس کی اطاعت بندوں پر واجب نہ کی ہو۔ اس لئے کسی کا عمل اس وقت تک درگاہِ خداوندی میں قبول نہیں ہوگا۔ جب تک کہ فرایض عمل لانے والے کی معرفت اور اس کے امر و نبی میں اس کی اطاعت فرض نہ ہو وہ خدا کی طرف سے یہ فرائض لے کر آیا ہے اور ان پر عمل کرنے کی دعوت خدا ہی کی طرف سے دیتا ہے۔

لہذا اولاً نبی کی معرفت واجب ہے۔ اور اس کے بعد ان تمام فرائض میں اس کی اطاعت واجب ہے جن کے ذریعہ وہ خدا کی طرف دعوت دیتا ہے۔

لہذا دین درحقیقت یہی نبی ہے اور جو فرائض لایا ہے اس کی اصل بھی درحقیقت یہی نبی ہے۔ یہی نماز ہے۔ یہی روزہ ہے، یہی حج ہے، یہی مشر المحرام ہے، یہی بیت اللہ المحرام ہے۔ کیونکہ ان سب کی اصل یہی ہے اور وہ سب اس کی فروع ہیں۔ پس دین ظاہری طور پر یہی فرائض ہیں جن پر عمل کیا جاتا ہے اور یہ سب فروع ہیں ان کی اصل نبی اور امام ہیں۔ جن کے ذریعہ ان فروع کا ظہور ہوتا ہے۔ درحقیقت دین باطنی طور پر نبی و امام ہیں۔ لہذا ظاہر پر عمل کرنا بغیر باطن کے اور باطن پر عمل کرنا بغیر ظاہر کے کافی نہیں ہے۔ بلکہ

دونوں کو تسلیم کرنا واجب ہے۔

ای طرح فواحش و قبائح مثل اشراب و قمار و میتہ و حم خزیر سے باطنی طور پر رجال یعنی اشخاص مراد ہیں جبکہ ظاہری طور پر حرام اشیاء مراد ہیں۔ کیونکہ جن سے یہ فواحش صادر ہوئے باطنی طور پر وہ لوگ ہی ہیں۔ وہی لوگ فواحش کی اصل ہیں اور یہ فواحش جوان کے ذریعہ ظاہر ہوئے ان کی فرع ہیں۔

لہذا باطنی طور پر فرق و فجور، شراب و قمار وغیرہ وہ لوگ ہیں جو دشمنانِ انبیاء و اوصیاء ہیں جن سے نفرت واجب ہے۔ اور تفسیر ظاہر کی بنا پر فواحش و قبائح سے حرام اشیاء مراد ہیں ان کا ارتکاب حرام ہے۔ لہذا ہر تیکی باطن نبی و امام ہیں اور ہر بدی باطن میں دشمنانِ نبی و امام ہیں۔

حصول معرفتِ خدا میں معصومین سے استغنا ممکن نہیں

عصر حاضر کے قایلوں نے چند سال سے حضرت محمد وآل محمدؐ سے مخرف کرنے کی مہم جاری کر رکھی ہے اور مختلف انداز میں اپنے مقصد کو نہایت ہوشیاری سے پیش کر رہے ہیں۔ چنانچہ مسئلہ توحید باری عز اسمہ کے ضمن میں تصور و وجود خدا کو فطری وہی ثابت کرتے ہوئے کلام آئمہ معصومین نقش کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ خدا کی معرفت خدا ہی کے ذریعہ حاصل کرنا چاہیے۔ کسی غیر کو معرفت خدا کا ذریعہ بنانا معرفت کی پست منزل اور اقرار تو توحید کا گھٹیا درجہ ہے۔ نہایت ہوشیاری سے معصومین کے ذوات مقدسہ کو غیر ضروری قرار دیتے ہوئے ان ذوات مقدسہ سے انحراف کی مہم چلائی ہے تاکہ ان حضرات کی طرف توجہ ہی نہ ہو سکے۔ حالانکہ خدا کے ذریعہ خدا کی معرفت کا درجہ بلند صرف انہی کی ذوات مقدسہ کے ساتھ مخصوص ہے کسی دوسرے کے لئے ممکن ہی نہیں۔

جناب سلیمان فارسی اور ابوذر غفاریؓ ان ذوات مقدسہ کے مراتب کی معرفت نہ کر سکے۔ اپنی عاجزی کا اعتراف کر کے دفات پا گئے جن سے معرفت میں کوئی کیا سبقت لے جا سکتا ہے۔ عرفاء شامخین اور مونین کا ملین تو یہی تھے۔ مگر ان بزرگوں نے بھی خدا کو ان ذوات مقدسہ ہی کے ذریعہ پہچانا۔ پھر کون سے عرفاء شامخین ہیں جن کو بتدریج محمد وآل محمدؐ کا مرتبہ دیا جاسکتا ہے۔

حضرات مخصوصین نے اپنے ارشادات و ادعیہ میں خدا ہی کے ذریعہ معرفت کا طریق اپنے ہی ذوات عالیہ کے ساتھ تختص فرمایا ہے جس میں کوئی فرد بشر یا فرد ملک سہیم و شریک نہیں ہے۔ حضرات مخصوصین نے اپنی معرفت کو خدا ہی کا عطیہ قرار دیا ہے اور دیگر خلائق سے اپنے استغنا کا اظہار کیا ہے۔ یعنی یہ حقیقت ظاہر فرمائی ہے کہ ہم دوسرے مخلوقات کی طرح حصول معرفت خدا میں غیر خدا کے محتاج نہیں ہیں۔

کیونکہ ہماری تخلیق میں خلائق عالم نے اپنی معرفت خود و دیعت فرمادی ہے اور ہمیں تمام کائنات کا معلم قرار دیا ہے۔ ہمارے بغیر خدا کی معرفت ممکن ہی نہیں ہے جیسا کہ امام جعفر الصادقؑ نے فرمایا:-

لولا اللہ ما عرفنا ولو لا ماعرف اللہ.

”اگر خدا نہ ہوتا تو ہم نہ پہچانے جاتے اور اگر ہم نہ ہوتے تو خدا نہ پہچانا جاتا۔“ یعنی ہماری معرفت کرانے والا خدا ہے۔ جس نے ہمیں اقتدار و مکالات عطا فرمایا کہ کائنات کو ہمارے سامنے سرگاؤں کر دیا۔

لہذا ہماری معرفت کا سبب صرف خدا ہے اور بس، ہم اس کی مخلوق اول ہیں۔ ہماری تخلیق میں خود قادر مطلق نے اپنی معرفت و دیعت فرمادی کرتا ہے کہ کائنات کے لئے ہمیں سبب معرفت قرار دیا ہے۔ ہم ہی معلم ملکوت اور معلم ناسوت ہیں۔ تمام عالمین کے لئے ہم ہی بسداء معرفت ہیں۔ بلکہ ہماری تخلیق کی غرض و غایت ہی قادر مطلق کی معرفت ہے۔ چنانچہ عقائد شیخ صدوقؑ میں بھی ان حضرات کو عالم ارواح میں معلم انبیاء تحریر کیا گیا ہے۔ قالیوں نے کس چالاکی سے اپنی کتاب کے ایک باب کی سرخی عوام کو گراہ کرنے کے لئے خوش آئند طریقے پر یہ تحریر کی ہے۔ استدلال یہ وجود خدا بطریقہ عرفائے شامخین اس عنوان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے ماتحت وجود خدا ثابت کیا جائے گا۔ جس میں عرفائے شامخین کا طریقہ استدلال برائے اثبات وجود خدا پیش کیا جائے گا۔

مگر لکھا یہ ہے کہ معرفت خدا کے لئے غیر خدا کو وسیلہ بنانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ آئمہ مخصوصین کو وسیلہ معرفت قرار دینا مسلک عرفائے شامخین کے خلاف ہے۔

ملاحظہ فرمائے ان کی عبارت۔

حضرت امام زین العابدین دعائے ابو حمزہ ثمانی میں تحریر فرماتے ہیں۔

اللہی بک عرفک و انت دللتی علیک ولو لا انت لم ادر ما انت.

”اے میرے معبود تو نے ہی اپنی معرفت کے متعلق میری رہبری فرمائی۔ اگر تو نہ ہوتا تو میں یہ سمجھتی نہ سکتا کہ تو کون ہے۔“ (حسن الفوائد، ص ۵۷)

اسی طرح امیر المؤمنین کے بعض فقرات دعائے صباح کو اسی عنوان کے ماتحت تحریر کیا گیا ہے ملاحظہ فرمائیے ان کی عبارت۔

”حضرت آئندہ طاہرین چاہتے تھے کہ بت درج اپنے موالیاں با تکمیل کو عرفان کی ان آخری مقاماتِ عالیہ کی سیر کرائیں جن پر وہ خود فائزِ المرام تھے۔ ان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ خداۓ قدوس کی معرفت خداہی کے ذریعہ کرتے ہیں اور بجائے اس کے کہ وہ مخلوقات کو خالق کا معرف اور آلہ معرفت بنائیں۔

اس کے برعکس وہ مخلوق کو خالق کے ذریعہ پہچانتے ہیں اور اسی طریقہ کارکی کاملیں کو تعلیم بھی دیتے ہیں۔ چنانچہ سید الموحدین حضرت امیر المؤمنین دعائے صباح میں خداوند عالم کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:- یا من دل علیٰ ذاتہ بذاته اے بزرگ و برتر جو اپنی ذات پر خودہی دلالت کرتا ہے۔ اسی سلسلہ میں امام اشقلین امام حسین کا دعائے عرفہ والا کلام حق ترجمان پہلے پیش کیا جا چکا ہے جس میں آپ فرماتے ہیں:-

کیف یُسْتَدَلَّ بِمَا هُوَ فِي وَجْهِهِ مُغْتَرِ الِيَكِ ... الخ

بار الہا ان چیزوں سے تیری ہستی پر کیونکہ استدلال کیا جا سکتا ہے جو اپنی ہستی میں خود تیری محتاج ہیں۔ (حسن الفوائد، ص ۵۷)

عبارت مذکورہ کو بغور ملاحظہ فرمائیے تو مولف کی باطنی خواہش کا پردہ چاک ہو جاتا ہے اور دام ہرگز میں کے ذریعہ موصیین کے ارواح ایمان کوشکار کرنے کا اندر و فی جذبہ ظاہر ہو جاتا ہے۔ حضرات معصومین کے کلام سے کس ہوشیاری کے ساتھ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ معرفت توحید کے لئے کسی غیر خدا کو آلہ معرفت قرار دینا عارفین کے معیار سے پست درجہ ہے۔ کس چالاکی سے خدا کو خداہی کے ذریعہ پہچانے کا طریقہ صرف عرفائے

شائخین کا معیار بتایا گیا ہے۔ یعنی معصومین کو جو خود مخلوق خدا ہیں ذریعہ معرفت قرار دینا گویا ان بزرگواروں کی تعلیم کے بھی خلاف بتایا گیا ہے۔ اور عارفین کا ملین کے طریقہ کار کے بھی منافی۔ مقصد یہ ہے کہ ان کو درمیان میں نہ لایا جائے۔ خدا کو خدا سے پہچانا جائے۔ تاکہ بذریعہ محمد و آل محمد کا مقام حاصل ہو جائے جس پر دہ فائز ہیں۔

ہم اس عبارت کا تجزیہ کر کے کام معصومین کا صحیح مفہوم پیش کرتے ہیں تاکہ شیرینی میں لپیٹ کر جو زہر دیا گیا ہے۔ اس کا ظاہر و باطن جدا ہو جائے۔ اور مونین کرام اس مہم کا شکار نہ ہو سکیں۔

تو حید باری عز اسمہ کے باب میں تفکر کی دو حیثیتیں

حضرت اقدس اللہی کے باب میں ایک حیثیت مذکور تفکر یہ ہے کہ اس کا وجود تسلیم کیا جائے۔ اور دوسری حیثیت یہ ہے کہ اس کی ایسی معرفت حاصل کی جائے کہ اپنے مساوا ممتاز ثابت ہو۔ پہلی حیثیت یعنی وجود خدا کا اثبات جدا گانہ مستقل موضوع ہے۔ اس کے لئے دلائل بھی جدا گانہ ہیں۔ دوسری حیثیت یعنی وجود خدا تسلیم کر لینے کے بعد اس کے امتیازات سے بحث کی جائے۔ اور مختصات خدا کے ذریعہ اس کی معرفت حاصل کی جائے۔

ان کل ما تصوره احد فی عقله او وهمه او خیاله فاللہ سبحانہ غیرہ

دورانہ لا نہ مخلوق وال مخلوق لا یکون من صفات الخالق.

جو شخص اپنی عقل اپنے وہم اپنے خیال میں ذات خدا کی حد بندی کرے گا تو وہ تصور اس کا ذہنی مخلوق ہو گا۔ خدا اس کے سوا اور ماوراء ہے۔ وہ حد بندی سے بالاتر ہے۔ مخلوق کبھی صفت خالق کا حامل نہیں ہو سکتا۔

لَا يَنَالَهُ غُصَنُ الْفَطْنَ وَلَا يَدْرِكُهُ بَعْدُ الْهَمْ

”اس کی ذات تک دانشمندی کی انتہائی گہرا سیاں نہیں پہنچ سکتیں۔ اور انتہائی بلند ہستیں اس کا ادرار ک نہیں کر سکتیں۔“

نیز دعائے مشمول میں حضرت کا ارشاد ہے:-

يَا مَنْ لَا يَعْلَمُ مَا هُوَ لَا إِنْ هُوَ لَا كَيْفُ هُوَ الْأَهْوَ.

”اے وہ کہ نہیں جانتا کیا ہے وہ کہاں ہے۔ وہ کیسا ہے وہ مگر جانتا ہے وہ۔“

حضرت امام زین العابدین نے فرمایا ہے:-

کلت الا لسن عن غایۃ صفتہ والعقول عن کنہ معرفتہ.
زبانیں اس کی حدِ صفت بیان کرنے سے اور عقول اس کی کنہ معرفت حاصل کرنے سے عاجز ہیں۔

معرفتِ خدا کا ذریعہ مخلوقات ہی ہو سکتے ہیں

جب یہ امر ثابت و محقق ہو چکا کہ ذاتِ خدا کی کنہ کا ادراک محال ہے تو اب ذریعہ معرفتِ خدا صرف اس کے مخلوقات ہی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ہر غیر خدا مخلوق خدا ہے۔ صرف اسی کا وجود بالذات ہے اور سب کا بالغیر۔
اسی لئے حضرات آئمہ طاہرین نے فرمایا ہے۔

تَكَلَّمُوا فِي خَلْقِ اللَّهِ وَلَا تَكَلَّمُوا فِي اللَّهِ إِيَّاهُ كَمْ وَالْتَّفَكُّرُ فِي
اللَّهِ وَلَكُنْ إِذَا رَادْتُمْ أَنْ تَنْظُرُوا إِلَيْيَ عَظَمَتِهِ اللَّهُ فَانْظُرُوا إِلَيْ
(وَافِي كَاشَانِي) عَظِيمِ خَلْقِهِ.

خدا کی ذات میں غور و فکر نہ کرو۔ ہاں اس کی مخلوق میں مدد و تفکر کرو۔ دیکھو اپنے نفوس کو ذاتِ خدا میں مدد و تفکر کرنے سے بچاؤ۔ البتہ جب بھی اس کی عظمت پر نظر کرنا چاہو تو اس مخلوق عظیم میں فکر و نظر کرو۔

اس مضمون کی احادیث سے تپ محدثین مملو ہیں۔ تطویل کے خیال سے ہم ترک کرتے ہیں۔ لہذا طالبین معرفتِ خدا کے لئے مخلوق خدا میں تفکر و مدد بر سے رموز تخلیق و اسرار صنعت اور مصالحت و حکم خلقت معلوم کر کے خدا کی معرفت حاصل کرنا ضروری ولازمی ہے اور یہی اس کی معرفت کا طریقہ ہے۔

معرفتِ خدا کا مطلب اُس کے مساوا سے امتیاز ہے

خدا کی معرفت کا مطلب اس کی ذات احادیث کا تمام مساوا سے امتیاز حاصل کرنا ہے۔ یعنی ایسے آثار و صفات کے ذریعہ اس کو پہچاننا ہے جو صرف اس کی ذات سے منحصر ہوں کسی دوسرے

میں نہ پائے جائیں تاکہ وہ ان کے ذریعہ اپنے غیر سے ممتاز سمجھا جائے۔ اور اس میں کوئی شریک و سہیم نہ ہو سکے۔ ایسے امتیازات و تعینات یقیناً غیر ذات و خارج از ذات خدا ہوں گے۔ لہذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ خدا کی معرفت ذات کا ذریعہ غیر ذاتِ خدا ہی ہو سکتا ہے کیونکہ کہنہ ذات کا ادراک محال ہے۔ لہذا اس کی ذات میں غور کرنا ہلاکت ہے اور اسکے مخلوقات میں غور کرنا را وہ نجات و سہیل معرفت ہے۔ لہذا مخلوق اعظم میں تدبیر سے ایمان کامل و معرفت کامل حاصل ہو گی۔

مخلوقات اپنے تخلیقی کمال اور حکمت و صلحت کے لحاظ سے بلند و پست ہیں

عند اعقل یہ امر مسلم ہے کہ مخلوقات کے مختلف درجات ہیں۔ بدایتہ معلوم ہے کہ تمام یکساں نہیں ہیں۔ روح، نفس، عقل، جوہر، عرض جسم، بدن وغیرہ اور اسی طرح جمادات، نباتات، حیوانات، انسانات، جنات، ملائکہ اور اسی طرح نہش، قمر، نجوم، زمین، آسمان وغیرہ سب مخلوقات خدا ہیں مگر اپنی تخلیق، اپنے اپنے کمال، اپنی اپنی صنعت، اپنی اپنی قدرت، اپنے اپنے علم، اپنے اپنے فہم کے لحاظ سے جدا جدا آثار الگ الگ صفات علیحدہ علیحدہ اقتدار رکھتے ہیں۔ لہذا جس مخلوق میں جتنا کمال ہوگا اس میں تدبیر و فکر سے اتنے ہی اندازہ کا کمال اس کے خالق کی معرفت کا ذریعہ قرار پائے گا۔ یعنی ہم یہ امتیاز حاصل کر سکیں گے کہ جب مخلوق میں یہ کمال ہے تو جس نے اس کو پیدا کیا ہے وہ کس کمال کا مالک ہوگا۔ یہ تحریر ہی حقیقی معرفت ہے نہ کہ اس کے لئے حدود معین کرتا۔

فضل معرفت افضل مخلوق سے ظاہر ہو گی

جب مخلوقات میں مختلف درجات و کمالات ہیں اور حکم و مصالح کے لحاظ سے پست و بلند ہیں اسی طرح غرض و غایت تخلیق کے اعتبار سے بھی بلند و پست ہیں۔ جس کی غرض خلقت سب سے بلند ہو گی وہ مخلوق سب سے بلند ہوگا۔

عند اعقل یہ مسلم ہے کہ اکمل و افضل مخلوقات کے ذریعہ جو معرفت خدا حاصل ہو گی وہ بہر حال اس معرفت سے افضل ہو گی جو مفضول و مرجوح کے ذریعہ حاصل کی جائے گی بلکہ

اس میں نقص کا امکان ہو گا لہذا حصول معرفتِ خدا کے لئے ہمیں عظیم مخلوق میں تدبر و تفکر کرنا لازمی ہو گا تاکہ معرفت صحیح نصیب ہو جیسا کہ کلام مخصوصین سے ثابت ہے:-
ناظر و الی عظیم خلقہ۔ ”خدا کی عظیم مخلوق میں تدبر و تفکر کرو۔“

معرفتِ خدا کے لئے ناقص امتیاز ناقص تدبر کا اثر ہے

نیز عند اعقل یہ بھی مسلم ہے کہ عقول میں بھی درجات ہیں۔ ناقص و انفصال اور کامل و اکمل اور یہ بھی مسلم ہے کہ ہر شخص کی عقل خداوند عالم کے حکم و مصالح اور رموز و اسرار تحقیق اور غرض و غایت خاقت خاک نہیں پہنچ سکتی۔ ہر شخص کا تدبر و تفکر خدا کی حکمتوں اور مصلحتوں کو کما حقہ نہیں سمجھ سکتا۔ حالانکہ تفکر و تدبر ہی ذریعہ معرفت ہے۔ کیونکہ اس کے سوا کوئی اور ذریعہ ممکن ہی نہیں۔ مخلوقات میں تدبر و تفکر ہی کے ذریعہ تحلیقی حکمتوں کا علم ہو سکتا ہے اور اسی کے ذریعہ امتیازات حاصل ہو سکتے ہیں جو ذریعہ معرفتِ خدا قرار پاتے ہیں۔ لہذا جب تدبر و تفکر ناقص ہو گا تو معرفتِ خدا کے لئے جو امتیازات حاصل کئے جائیں گے وہ بھی ناقص ہوں گے کیونکہ ہر شخص اپنے فہم و عقل کے مطابق ہی حکمت و رمز تحلیق کا ادراک کر سکے گا اور اسی کو ذریعہ معرفتِ خدا قرار دے گا۔ لہذا یہ بہت ممکن ہے کہ ایک مقصر نے اپنی عقل کے مطابق جو امتیازات معرفتِ خدا کے لئے تجویز کئے ہوں۔ وہ درحقیقت ذاتِ خدا سے مختص ہی نہ ہوں بلکہ وہ امتیازات اس کی مخلوق عظیم میں پائے جائے ہوں مثلاً ایک مقصر نے احیاء موتی اور شفاۓ امراض کو معرفتِ خدا کا امتیازی نشان قرار دے لیا مگر ایک عارف بصیر اس کو خدا کی ذات سے مختص نہیں سمجھتا بلکہ وہ اس کو وجہ اللہ کی بھی نشانی جانتا ہے۔ اور مردہ زندہ کرنے والے اور شفا مجذثے والے ہیں۔

خود ساختہ وسائل کو ذریعہ تقرب خدا قرار دینا شرک ہے

درحقیقت مشرکین منکر و جو خدا نہ تھے بلکہ موجود عالم کو فطری و بدیہی جانتے تھے۔
چنانچہ ارشاد رب العزت ہوتا ہے:-

ولَئِن سَالَهُمْ مِنْ خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لِيَقُولُنَّ اللَّهُ.

الْحَقَّ حِقَانُ الْوَسَاطَةِ لِنَبِيِّ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَسَلَّمَ

”اور اگر تم ان سے دریافت کرو گے کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو یقیناً وہ کہیں گے اللہ نے۔“

معلوم ہوا کہ مشرکین وجود خدا کے قائل و معتقد تھے مگر انہیں پھر بھی مشرک کہا گیا۔ اس کی وجہ قرآن مجید میں صاف طور پر یوں مذکور ہے۔

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أُولَاءِ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيَقْرَبُونَا إِلَى اللَّهِ
زلفی

(سورہ زمر)

”اور جن لوگوں نے خدا کے سوا از خود کار ساز بنائے ہیں ان کا کہنا ہے کہ ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں خدا سے زیادہ قریب کر دیں۔“

آیہ واقعیہ ہدایت سے بالصراحت ثابت ہے کہ مشرکین منکر خدا نہ تھے بلکہ انہوں نے وجود خدا کو تسلیم کرتے ہوئے تقرب خدا حاصل کرنے کے لئے خود ویلے بنائے تھے۔ جن کی بنابر انہیں مشرک کہا گیا ہے۔ کیونکہ تقرب خدا کا وسیلہ مقرر کرنا خدا کے اختیار میں ہے۔ وہ جس کو چاہے وہ خود پیدا کرے اور وسیلہ قرار دے۔ جیسا ارشادِ قدرت ہے۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لِهِمُ الْخَيْرَةُ سُبْحَانَ اللَّهِ
تعالیٰ عَمَّا يُشَرِّكُونَ.

(سورہ فصل)

”اور تمہارا رب جس کو چاہے خلق کرے۔ اور منتخب کر لے لوگوں کو انتخاب کا حق نہیں ہے۔ خدا ہر شخص و عیب سے پاک اور جس میں لوگ شرک کرتے ہیں اس سے بلند و برتر ہے۔“

آیہ مذکورہ سے واضح طور پر ثابت ہے، کہ خود ساختہ وسیلہ کو ذریعہ تقرب خدا قرار دینا شرک ہے کیونکہ وسیلہ تقرب کی تخلیق و تعمین خود خدا کے اختیار میں ہے۔ ان دونوں آیتوں کو ملا کر پڑھنے اور غور و فکر کرنے سے بآسانی اس نتیجہ پر پہنچا جا سکتا ہے کہ اگر خدا و ند عالم کے مقرر رہ وسیلہ تقرب کو کار ساز تسلیم کیا جائے اور اسی کو ذریعہ تقرب خدا سمجھا جائے تو شرک نہیں ہے بلکہ ایمان کی نشانی اور معرفت صحیح ہے۔

اسماءُ حُسْنَى مُحَمَّدٌ وَآلُ مُحَمَّدٍ هُنَى

اَرْشَادُ بِالْعَزْتِ ہوتا ہے:-

وَلِلَّهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنَى فَادْعُوهُ بِهَا وَذُرِّ وَالَّذِينَ يَلْحِدُونَ فِي اسْمَاهِ

”اور خداوند عالم کی معرفت حاصل کرنے کے لئے اسائے حسنی اچھے بہترین نام ہیں تو تم اسے ان ہی کے ذریعہ پکارو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے اسائے حسنی میں طعن کرتے ہیں۔“

امام جعفر الصادقؑ نے فرمایا خدا کی قسم ہم ہی خدا کے اسائے حسنی ہیں۔ ہماری معرفت کے بغیر خدا کسی کے عمل کو قبول نہیں کرے گا۔ خدا کی معرفت صحیح جب تک نہ ہو کوئی عبادت و عمل قبول نہیں ہو گا۔ معرفت صحیح ان کے بغیر ہونہیں سکتی۔ لہذا ان کی معرفت کے بغیر جو بھی عمل کرے گا۔ قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ معرفتِ خدا حاصل کر کے عمل نہیں کیا گیا بلکہ اپنے قیاسی خدا کے حکم پر عمل کیا گیا ہے خواہ اس کا عمل اتفاقی تھے بھی ہوتے بھی قبول نہیں کیا جائے گا۔ لہذا اسائے حسنی یعنی محمد وآل محمد کی معرفت کے بغیر معرفتِ خدا حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہی وہ اسماء اللہ ہیں جن کے وجود مبارک سے خدا پہچانا گیا۔

امام رضاؑ نے فرمایا:

جب تم پر کسی قسم کی بلا و مصیبت آپڑے تو ہمارے ذریعہ خدا سے مدد حاصل کرو کیونکہ خدا کے ارشاد و للہ لا اسماء الحسنی فادعوہ بھا کا مقصد یہی ہے کہ اپنے مشکلات حل کرنے کے لئے ہم سے تمک کرو۔

امام جعفر الصادقؑ نے فرمایا:-

لا يطاع من لا يعرف من لا يطاع (شمس طالعہ، ص ۶)

”کسی شخص کی اطاعت نہیں کی جا سکتی۔ جب تک اس کی معرفت حاصل نہ کی جائے اور اسی طرح کسی کی معرفت حاصل نہیں کی جا سکتی۔ جب تک وہ مطاع نہ ہو۔ یعنی اس کی اطاعت کرنی ضروری نہ ہو لہذا جب تک محمد وآل محمد کی اطاعت فرض نہ ہوگی اس وقت تک ان کی معرفت حاصل نہیں کی جائے گی۔ اور جب تک ان کی معرفت حاصل نہ کی جائے گی تو ان کی اطاعت نہ ہو سکے گی اور جب اطاعت ہی نہ ہوگی تو اس کے ہدایت و ارشادات پر عمل ہی نہ ہو گا۔“

جب تک ان کے ارشادات کی تعمیل نہ ہوگی معرفتِ خدا حاصل نہ ہو گی۔ لہذا کوئی عمل قبول نہیں ہو سکتا۔ جب تک ان ذوات مقدسہ کی معرفت اور ہدایت کے مطابق معرفتِ خدا حاصل نہ ہو جس کے بعد عمل قابل قبول ہوتا ہے۔

ویگر احادیث میں جہاں بھی اللہ کو اللہ سے پہچانے کا صراحت یا کنایت تذکرہ نظر آئے اس کا مطلب بھی یہی ہو سکتا ہے جو ہم نے بیان کر دیا ہے۔ اصحاب آئندہ نے بھی جہاں اس مضمون کا ذکر کیا ہے اس کا مطلب وہی سمجھنا چاہیے جو ہم نے درج کر دیا ہے۔

چنانچہ منصور بن حازم نے حضرت امام جعفر الصادقؑ سے اپنے مناظرہ کا ذکر کرتے ہوئے عرض کیا کہ میں نے ان لوگوں سے کہا۔

انَّ اللَّهَ جَلَ جَلَالَهُ أَجْلٌ وَاعْزُوْ أَكْرَمٌ إِنْ يَعْرَفُ بِخَلْقِهِ بَلْ
الْعَبَادُ يَعْرَفُونَ بِاللَّهِ .

”یعنی اللہ جل جلالہ کی ذات بلند و بالا ہے اس سے کہ وہ اپنی مخلوق کے ذریعہ پہچانا جائے۔ بلکہ بندگاں خدا خود اللہ کے ذریعہ پہچانے جاتے ہیں۔“

حضرت نے منصور کا کلام سن کر فرمایا خدا تم پر حم کرے۔

اس معرفت سے مراد معرفت کہنا ذات ہے کیونکہ وہ مخلوقات کے ذریعہ سے بھی حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ عقلًا اس کا حصول محال ہے۔ ہاں بندگاں خدا کی حقیقت خدا کے ذریعہ پہچانی جاتی ہے کیونکہ وہ جن کو علم عطا کرتا ہے۔ وہی حقائق کو پہچانتے ہیں۔

لہذا عبارت مذکورہ کا مطلب یہ ہوا کہ کہنا ذات خدا اس کے مخلوقات کے ذریعہ نہیں پہچانی جاسکتی وہ اس سے اجل وارفع ہے۔ عقول و افہام اس کے ادراک سے عاجز ہیں۔ البتہ اس کے بندے خود اس کے ذریعہ پہچانے جاتے ہیں کیونکہ انہیں علم و فہم اور قوت و قدرت عطا کرنے والا وہی ہے وہ اگر انہیں کمال نہ دیتا تو یہ ہرگز نہ پہچانے جاتے۔

کلام منصور ابن حازم کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ خدا کی معرفت اس معنی سے بھی ناممکن ہے کہ اس کی ذات اپنے مساوا سے ممتاز ہو کیونکہ معرفت خدا کا مطلب ہی یہی ہے کہ وہ کسی شے کے مشابہ نہ سمجھا جائے بلکہ ہر شے سے ممتاز ہونہ کہ اس کی کہ معلوم کی جائے جو کسی بھی مخلوق کے ذریعہ ممکن نہیں ہے۔ اسی معرفت کی نفی کی گئی ہے۔ لہذا صحیح معرفت اسی وقت حاصل ہوگی۔ جب اس کی عظیم مخلوق میں غور و فکر و مدد بر کیا جائے گا نہ کہ اس کی ذات میں جو شرعاً و عقلًا ممنوع ہے۔ خداوند عالم نے آیات کثیرہ میں اپنے مخلوقات میں مدد و فکر کا

حکم اسی لئے دیا ہے کہاں کی معرفت ان کے ذریعہ حاصل ہو۔

شہوت خدا کے لئے بھی آئمہ طاہرین نے فطرت کو جنگجوئے کے لئے یہی طریق استدلال بیان فرمایا ہے جیسا کہ ہم درج کر چکے ہیں۔ صحیفہ کاملہ کی دعا کا بھی یہی مطلب ہے کہ خدا کی گندہ ذات اس کے مخلوقات کے ذریعہ حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ خود اس کی ذات کے محتاج ہیں پھر کیونکہ مخلوق محتاج اس کی گندہ ذات کی رہنمائی کر سکتا ہے۔ البتہ اس کے ذریعہ امتیاز خدا حاصل ہو سکتا ہے۔ جب کہ اس کی تخلیقی حکمتوں میں غور و خوض کیا جائے نہ کہ ذات خدا میں جو سبب ہلاکت ہے اور طرق معرفت بھی اس کی توفیقات سے حاصل ہوتے ہیں۔ کیونکہ ذرائع معرفت کا خالق وہی ہے۔

اہلیت مسخر کرنے کی معاندانہ مہم جب ش باطن کی دلیل ہے

قالیوں نے اپنے موالفات و بیانات میں مہم جاری کی ہے کہ خدا کو خدا سے پہچانو۔ اور کسی کو درمیان میں نہ لاؤ۔ جس کا مقصد ہے محمد و آل محمدؐ کو خدا اور بندہ کے درمیان سے ہشادو۔ شیطانی عقیدہ پر عمل کرو۔ خدا کے سوا کسی کی عظمت کو تسلیم نہ کرو۔ اور نہ کسی کے کمالات کے سامنے سرنگوں ہو اور نہ کسی کو مشکلات میں پکارو اور نہ کسی کو خدا تک پہنچنے کا ذریعہ بناؤ، اور نہ اس کی معرفت حاصل کرنے میں کسی سے مدد لو یعنی مخلوق کو والہ معرفت نہیں بنانا چاہیے۔ بلکہ خدا کو خدا ہی کے ذریعہ پہچاننا چاہیے۔ یہی مولوی خاصی کی تعلیم ہے بلکہ ان کو عاجز بندہ اپنی طرف سمجھو۔ مچھر مکھی کے مانند بلکہ مچھر مکھی سمجھو اور اپنے جیسا بشر قرار دو اور بس اللہ اللہ خیر سلآل۔

الحمد لله ہمارے سابقہ مضامین سے یہ مہم ناکام ہو گئی۔ کیونکہ ہم نے دلائل عقلیہ سے ثابت کر دیا کہ تمام مخلوقات اپنارابطہ خدا سے پیدا کرنے میں وسیلہ کے محتاج ہیں۔ اور وہ مخلوق اول ہے جو مجب معرفت و عبادت خدا ہے۔ بلکہ مبداء معرفت ہے سلسلہ معرفت کا نقطہ اڈی ہے۔

دلیل نمبر ۱: حضرت امام رضا نے فرمایا:-

اَنَا اَذَّلِّتُنَا اَنْ لَنَا خَالقًا صَانِعًا مَعْالِيًّا عَنَّا وَعَنِّجْمِيعِ مَا خَلَقَ وَ كَانَ
ذَلِكَ الصَّانِعُ حَكِيمًا لَمْ يَجِزَّ اَنْ يَشَاهِدَهُ خَلْقُهُ وَ لَا اَنْ يَلَا مَسْوِهُ وَ
انِي اَشَرِّهُمْ وَ يَأْشِرُوهُ وَ يَحْاجِهُمْ وَ يَحْاجِجُوهُ ثَبَّتَ اَنَّ لَهُ سَفَرَاءً فِي
خَلْقِهِ وَ عَبَادِهِ

(احتجاج طبری، ج ۲، ص ۱۷۳)

”حضرت امام رضاؑ نے ایک زنداق کے جواب میں جب وجود صانع ثابت کر دیا تو اس نے سوال کیا کہ نبی و امام کا وجود کس طرح ثابت ہے۔ حضرت نے فرمایا جب ہم نے یہ تسلیم کر لیا کہ یہ ناممکن ہے کہ اس کا مشاہدہ کر سکیں۔ اور یہ بھی ناممکن ہے کہ اس کو چھو سکیں اور یہ بھی ناممکن ہے کہ وہ مخلوقات سے اور مخلوقات اس سے ہم صحبت ہوں اور یہ بھی ناممکن ہے کہ وہ مخلوقات سے اور مخلوقات اس سے مباحثہ کریں۔ صانع عالم چونکہ حکیم ہے اس لئے اس نے اپنی مخلوقات اور اپنے بندوں کے لئے اپنے سفراء پیدا کئے الہذا اس کے سفراء (نبی و امام) کا وجود ثابت ہے۔“
دونوں معصوموں کے بیان سے بالکل واضح ہو گیا کہ مخلوقات اور خدا کے درمیان جو ہستیاں واسطہ و وسیلہ ہیں ان کی حقیقت جدا گانہ ہے الہذا یہ حضرات جدا گانہ نوع ہیں۔

دلیل نمبر ۲: حضرت امیر المؤمنین نے فرمایا:-

نَحْنُ أَسْرَارُ اللَّهِ الْمُوْدَعَةُ فِي الْهَيَا كُلُّ الْبَشَرِيَّةِ مِيتًا لَمْ
يَمْتُ وَغَائِبًا لَمْ يَغْبُ تَرْلُوا نَا عَنِ الرَّبُوبِيَّةِ وَارْفَعُوا عَنَا خَطُوطَ
الْبَشَرِيَّةِ فَإِنَا مُبَدِّعُو عَمَّا يَجُوزُ عَلَيْكُمْ مِنْزَهُونَ ثُمَّ قُولُوا إِنَّا
أَسْطَعْتُمْ فَإِنَّ الْبَحْرَ كَيْنَزْفُ وَسَرَالْغَيْبِ لَا يَدْرُكُ وَكَلْمَةُ
اللَّهِ لَا تَوْصِيفَ.

(طَوَالِعُ الْأَنْوَارُ، ص ۳۳)

”ہم خدا کے راز ہیں جن کو بشری ہی کل میں رکھا گیا۔ ہماری کوئی میت مرتی نہیں ہے اور ہمارا کوئی غائب پوشیدہ نہیں ہوتا۔ ہمیں مرتبہ توحید سے پست رکھو اور لوازمات بشر کو ہم سے ہٹا دو۔ ہم ان لوازمات سے بالکل منزہ اور دور تر ہیں جو تمہارے لئے جاری ہیں۔ پھر ہماری شان میں اپنی استطاعت پھر جو ہو سکے کہو کیونکہ سمندر چلوؤں سے خالی نہیں کیا جا سکتا اور غیبی راز نہیں پایا جا سکتا اور کلمۃ اللہ کی توصیف نہیں کی جا سکتی۔“

اس بیان حق ترجمان سے بالکل واضح ہو گیا کہ بشری شکل میں ان کو ظاہر کیا گیا ہے۔ ان میں وہ لوازمات بشری نہیں ہیں جو ہر بشر میں ہوتے ہیں۔ اور یہ حضرات مرتے بھی نہیں۔ غائب بھی نہیں ہوتے الہذا ان کی نوع جدا گانہ ہے۔

دلیل نمبر ۳: امام محمد باقرؑ نے فرمایا:-

يَا جَابِرَ كَانَ اللَّهُ وَلَا شَيْءٌ غَيْرُهُ وَلَا مَعْلُومٌ وَلَا مَجْهُولٌ فَأَوْلَى

من ابتدءه من خلق خلقہ اللہ ان خلق محمدًا و خلقنا اهل
البیت معہ من نور عظمته نار قضنا اظلlea خضراء بین یدیه
حیث لا سماء والارض ولا مکان ولا لیل ولا نهار ولا
شمس ولا قمر يفصل نورنا من نور ربنا کشعاع الشمسم من
الشمس۔ (بخار الانوار، ص ۲۵۶، غایی المرام، ص ۲)

”اے جابر خدا تھا اور اس کے سوا کوئی شے نہیں نہ معلوم نہ مجھوں جب خدا نے تخلیق
کی ابتداء کی تو محمد اور ان کے ساتھ ہم اہلبیت کو بنایا اپنے نور عظمت سے ہماری تخلیق فرمائی۔
ہمیں اپنی جناب میں بزر سائے بنا کر قائم کر دیا جب کہ نہ آسمان تھا نہ زمین نہ مکان تھا نہ یہیں
ونہار اور نہ شمس و قمر۔ ہمارا نور ہمارے رب کے نور سے اس طرح جدا ہے جس طرح آفتاب
سے اس کی شعاعیں جدا ہیں۔“

اس حدیث مبارک سے بھی واضح ہو گیا کہ یہ ذات مقدسہ مکان و زمان سے پیشتر غلق
ہوئے اور ان کی حقیقت لازماً مکان اور لاماً کان ہے۔ لہذا ان کی نوع یقیناً نوع بشر سے جدا
ہے۔ جس کی تخلیق زمان و مکان میں ہوئی۔ اس حدیث سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ یہ حضرات
جز نور خدا نہیں ہے۔ بلکہ آثارِ خدا کے اثر اول ہیں جس طرح آفتاب کی شعاعیں جزو
آفتاب نہیں بلکہ آثارِ آفتاب ہیں۔

دلیل نمبر ۳: امام جعفر الصادق نے فرمایا:-

انَّ اللَّهَ خَلَقَنَا مِنْ نُورٍ عَظِيمٍ ثُمَّ صَوَرَ خَلَقَنَا مِنْ طِينٍ مَخْزُونٍ
مَكْنُونَةً مِنْ تَحْتِ الْعَرْشِ قَاسِكَنْ ذَلِكَ النُّورُ فِيهِ فَكَانَ حَنْ
خَلْقًا وَ بَشَرًا نُورًا بَيْنَ لَمْ يَجْعَلْ لَاهِدًا فِي مُثْلِ الذِّي خَلَقَنَا مِنْهُ
نَصِيبٌ. (کافی، ص ۲۲۷، بخار، جلد ۱۲، ص ۲۲۸)

”با تحقیق خداوند عالم نے ہمیں اپنے نور عظمت سے پیدا کیا (یعنی ایسے نور سے جس
کی وجہ سے عظمت خدا کا ظہور ہوتا ہے) پھر جب ہمیں بشری صورت میں بنایا تو ایسی طینت
سے بنایا جو تخت عرش اسی مقصد کے لئے محفوظ مسٹوں تھی۔ اس کے بعد ہمارے نور کو اسی
طینت میں ساکن کر دیا۔ اسی لئے ہم مخلوق خاص اور بشر نورانی ہیں۔ کسی بھی مخلوق کو یہ

اجزائے تخلیق نصیب نہیں ہوئے۔“

اس حدیث میں تمام مخلوقات سے جداگانہ اجزائے تخلیق کا اظہار فرمایا گیا ہے۔ لہذا انکی نوع علیحدہ ہے۔

دلیل نمبر ۵: امام محمد الباقرؑ نے فرمایا:-

اَنَّ اللَّهَ تَفَرَّدَ بِوَحْدَانِيَتِهِ ثُمَّ تَكَلَّمَ بِكَلْمَةِ نَصَارَتِ نُورًا ثُمَّ
خَلَقَ مِنْ ذَلِكَ النُّورَ مُحَمَّدًا أَوْ عَلِيًّا وَعَتَرَتْهُ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ ثُمَّ
تَكَلَّمَ بِكَلْمَةِ فَصَارَتْ رُوحًا وَاسْكَنَهَا فِي ذَلِكَ النُّورِ
وَاسْكَنَهُ فِي أَبْدَانَنَا فَنَحَنْ رُوحُ اللَّهِ وَكَلْمَتُهُ احْتَجَبَ بِنَاعِنَ
خَلْقَهُ.

(بحار الانوار، ص ۲۵۶)

”با تحقیق خداوند عالم اپنی وحدانیت میں منفرد ہے۔ جب خدا نے تخلیق کی ابتداء کی تو تکلم فرمایا یعنی ارادہ فرمایا ایک خاص ارادہ پس وہ نور بن گیا۔ پھر اسی نور سے محمد و علی اور ان کی عترت کو پیدا کیا پھر تکلم فرمایا تو وہ ایک روح بن گیا۔ اسی روح کو اس نور میں ساکن کر دیا اور روح و نور دونوں کو ہمارے ابدان میں ساکن کر دیا۔ لہذا ہم روح اللہ بھی ہیں اور کلمۃ اللہ بھی خدا نے تمام مخلوقات اور اپنی ذات کے درمیان ہم ہی کو اپنا حجاب بنایا یعنی ہم درمیانی مخلوق ہیں۔ ہماری ایک طرف خدا سے اور ایک طرف تمام کائنات سے رابطہ رکھتی ہے۔ جس طرح حجاب یعنی پرده جس کی ایک طرف اندر اور دوسری طرف باہر سے تعلق رکھتی ہے۔“

آنحضرتؐ نے فرمایا مر جبا اس مرد کے لئے جس کو خداوند عالم نے حضرت آدمؑ سے چالیس ہزار سال پہلے پیدا کیا ہے۔ اہن عباس نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا بینا باپ سے پہلے تھا۔ آپ نے فرمایا بے شک پہلے تھا با تحقیق خداوند عالم نے مجھے اور علیؑ کو جناب آدمؑ سے مدت مذکورہ سے پہلے ایک نور سے خلق کیا۔ اس کے دونوں نصف کے۔ ایک نصف سے مجھے اور دوسرے نصف سے علیؑ کو پیدا کیا۔ ہماری تخلیق تمام اشیاء کائنات سے پیشتر فرمائی۔ تمام اشیاء تاریکی میں تھے میرے اور علیؑ سے نور سے منور ہو گئے پھر فرشتوں کو خلق فرمایا۔ پس ہم نے تبعیج کی تو فرشتوں نے ہم سے تبعیج یکھی۔ ہم نے تکبیر کی تو ملائکہ نے ہم سے تکبیر یکھی۔ یہ سب رکھ میری اور علیؑ کی تعلیم سے انہوں نے حاصل کیا۔

(غایہ المرام، ص ۱۲)

اس حدیث مبارک سے معلوم ہوا کہ حضرت محمدؐ اآل محمدؐ کی تخلیق کائنات و مکونات سے مقدم ہے۔ بلکہ سبب وجود کائنات ہے۔ لہذا جس طرح باپ اپنے بیٹے کے لئے سبب وجود ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ حضرات بھی سبب وجود کل موجودات ہیں۔ لہذا یہ حضرت کائنات کے لئے باپ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جیسا کہ احادیث میں ان کی ابوت کا تذکرہ موجود ہے۔ آنحضرت نے فرمایا اے علیؑ میں اور تم یعنی ہم دونوں امت کے باپ ہیں چونکہ کل مخلوقات ان کی امت ہے۔ لہذا کل مخلوقات کے لئے باپ ہیں۔ اسی نسبت سے جناب آدم کے بھی باپ ہیں۔ کیونکہ ان ہستیوں کا وجود نہ ہوتا تو آدم کا وجود نہ ہوتا یہ ہے ان ذوات مقدسہ نورانیہ کی تخلیق جو تمام عالمین سے اپنی توعیت میں جدا گانہ ہے لیکن جب بشری ظہور میں آئے تو بخلاف بشریت جناب آدم ابوالبشر ان کے باپ کہلانے وہ ان کے باپ ہیں۔ بشری لحاظ سے اور بیٹے ہیں نورانی لحاظ سے۔ لہذا ان کی نوع جدا گانہ ہے۔

لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُونَ۔ (پارہ ۲۳ صفت، آیت ۱۶۵-۱۶۳)

”اور ہم میں سے ہر ایک کا ایک مقام یعنی ہے۔ اور یقیناً ہم ہی صفت بستہ عبادت کرنے والے ہیں اور ہم ہی یقیناً تسبیح کرنے والے ہیں۔“

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ یہ آیت آئندہ طاہرین کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ معین مقام سے منزلت و مرتبہ مراد ہے جو انہیں خداوند عالم نے عطا فرمایا ہے کہ مطابق امر خدا مددیر عالم کریں۔

جناب امیر المؤمنینؑ و امام جعفر الصادقؑ نے فرمایا ہم عالم نور ہیں صفت بستہ تسبیح خدا کرتے تھے۔ تمام اہل آسمان نے ہم ہی سے تسبیح سکھی ہے اور جب ہم زمین پر وارد ہوئے تو تمام اہل زمین نے ہم ہی سے تسبیح سکھی۔

اس آیہ وافی ہدایہ سے معلوم ہوا کہ یہ ذوات مقدسہ خلقت ابوالبشر سے پیشتر ہادی و معلم سماوات تھے۔ ان کی حقیقت خلقت بشر سے پیشتر اور جدا گانہ ہے۔ لہذا ان کی نوع علیحدہ ہے۔ کیونکہ متفق الحقائق ایک نوع ہوتے ہیں نہ کہ مختلف الحقائق۔

دلیل نمبر ۶: قال يا ابليس ما منعك ان تسجد لما خلقت بيدي
أَسْتَكْبِرْتَ إِمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالَمِينَ۔ (پارہ ۲۳، سورہ ص، آیت ۷۵)

”خداوند عالم نے فرمایا اے ابليس کس بات نے تجھے اسستی کو سمجھہ کرنے سے روکا جس کو میں نے اپنے دوہاتھوں سے بنایا۔ کیا تو نے تکبر کیا۔ یا تو بلند مرتبہ ہستیوں میں سے ہے۔“ ابوسعید خدری صحابی کا بیان ہے کہ ہم آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک شخص نے آپ کی خدمت میں عرض کی۔ یا رسول اللہ جب ابليس سے خدا نے فرمایا کہ تو نے تکبر کیا یا تو بلند مرتبہ ہستیوں میں سے ہے۔ تو اس وقت بلند مرتبہ ہستیاں کوں تھیں۔ حضرت نے فرمایا میں اور علیؑ اور فاطمۃ و حسن و حسین تھے۔ ہم آدم سے پیشتر خدا کی تسبیح کرتے تھے۔ جب آدم پیدا ہوئے تو خدا نے ملائکہ کو سمجھہ آدم کا حکم اس لئے دیا کہ ہم ان کی صلب میں تھے۔ تمام ملائکہ نے سجدہ کیا۔ مگر ابليس نے نہ کیا۔ پس خدا نے فرمایا کیا تو نے تکبر کیا یا تو بلند مرتبہ ہستیوں میں سے ہے۔ وہ بلند ہستیاں ہم ہیں۔ ہم ہی خدا تک پہنچنے کا دروازہ ہیں۔ جو ہم سے محبت کرے گا خدا اس سے محبت کرے گا جو ہم سے بغض رکھے گا اور ہم سے صرف حلال زادہ ہی محبت کرے گا۔ (تفیر البرہان)

اس آیت سے بھی ثابت ہوا کہ یہ ذوات مقدسہ ہی عالیین ہیں جو ملائکہ سے پیشتر خلق ہوئے ان ہی کی وجہ سے حضرت آتمؐ موجود ملائکہ بنائے گئے۔ ان کی حقیقت جدا گانہ ہے لہذا ان کی نوع جدا گانہ ہے۔ کیونکہ بشریت کے وجود سے سابق الوجود ہیں۔

دلیل نہرے: و توکل علی العزیز الرحیم. الذی یرَاکَ حِیْنَ
تَقُومُ و تَقْلِبُكَ فِی الساجِدِینَ. اَنَّهُ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ.

(پارہ ۱۹، سورہ الشراء، آیت ۲۱۹، ۲۱۸)

”اور تم اے رسول خدائے غالب و رحیم پر بھروسہ کرو جو تمہیں دیکھتا ہے وقت قیام بھی اور سجدہ کرنے والوں میں تمہاری مسلسل منتقلی کو بھی۔ وہ یقیناً سمع و علم ہے۔“

اس آیت کی تفسیر میں امام محمد الباقرؑ نے ارشاد فرمایا کہ سجدہ کرنے والوں میں تقلب کے معنی ان کے اصلاح میں منتقل ہوتا ہے اور وہ اصلاح انبیاء ہیں۔ اور منتقل ہونے والے محمد و علیؑ و فاطمۃ و حسن و حسین اہل بیت ہیں۔ جو ایک نبی سے دوسرے نبی کی صلب میں منتقل ہوتے رہے۔ اور پہلے حضرت آدم کے صلب میں منتقل ہوئے۔

جناب رسالت مآبؑ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا جب کہ جابر بن عبد اللہ انصاری نے دریافت کیا کہ جب آدم جنت میں تھے تو آپ کہاں تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ ہم صلب آدم

میں تھے اور جب وہ زمین پر آئے تو بھی ہم صلب میں تھے۔ اور جب حضرت نوح کشتی میں تھے تو ہم بھی ان کے ساتھ کشتی میں تھے۔ اور جب حضرت ابراہیم نار نمرود میں ڈالے گئے تو ہم بھی ان کے ساتھ ساتھ تھے ہمیں خداوند عالم نے اصلاح طاہرہ اور ارحام مطہرہ میں منتقل کیا۔ یہاں تک کہ عبد المطلب کے صلب میں پہنچ۔ پس خدا نے ہمیں دو حصوں میں منقسم کر دیا۔ مجھے صلب عبد اللہ میں اور علیؑ کو صلب ابو طالب میں۔

اس آیت کی تفسیر سے بھی ثابت ہوا کہ حضرت محمد وآلِ محمد خلقتِ آدم سے پیشتر موجود تھے۔ انبیاءؑ کے اصلاح میں منتقل ہوتے رہے۔ جس طرح کوئی آدمی ایک جگہ سے دوسرا جگہ منتقل ہو جاتا ہے ان کی تخلیق ہماری طرح نہیں ہے۔ بلکہ انکی حقیقت حضرت حضرت آدم کی حقیقت سے بھی جدا گانہ ہے۔ حضرت آدم قطرہ نجس سے نہیں بنے۔ بلکہ گندھی ہوئی مشی سے پیدا کئے گئے۔ اور بشر کہلائے۔

لہذا معلوم ہوا کہ بغیر قطرہ نجس پیدا ہونے والا (آدم) لفظ بشر کا مصدقہ ہے۔ کیونکہ انہیں بشرہ کی وجہ سے بشر کہا گیا۔ بشرہ جلد یعنی کھال کو کہتے ہیں۔ چونکہ وہ کھال والے تھے۔ اس لئے بشر یعنی صاحب بشرہ کہلائے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ بھی بغیر قطرہ نجس پیدا ہوئے اور بشر کہلائے نیز جبرائیل بھی جب شکل بشر میں بی بی مریم کے پاس آئے تو ان کو بھی بشرہ کی وجہ سے بشر سوی کہا گیا۔ لہذا ثابت ہوا کہ بغیر قطرہ نجس پیدا ہونے والے کو صاحب بشرہ ہونے کی وجہ سے بشر کہا گیا ہے۔ جیسے حضرت آدم اور جناب عیسیٰ اور جناب جبرائیل بلکہ دیگر فرشتے بھی جو جناب ابراہیم کی خدمت میں بُشل بشر حاضر ہوتے تھے۔ اگرچہ ان ملائکہ میں بشر کی طرح اکل و شرب کا مادہ نہ تھا۔ مگر جناب آدم اور جناب عیسیٰ میں یہ مادہ تھا۔ وہ اکل شرب کرتے تھے دونوں صورتوں میں بغیر قطرہ نجس پیدا ہونے والے بشر کہلائے۔ لہذا بشریت کیلئے قطرہ نجس سے پیدا ہونا ضروری نہیں ہے۔

اس موضوع پر آئندہ گفتگو ہو گی جب کہ قائلین وحدت نوع کے شبہات روکے جائیں گے بہر حال آئیہ مذکورہ سے ان ذواتی عالیہ کی نوع جدا گانہ ثابت ہے۔ کیونکہ حقیقت جدا گانہ ہے۔

دلیل نمبر ۸: قل ان کان للرحمٰن ولد فانا اول العابدین.

(پارہ ۲۵، سورہ زخرف، آیت ۸)

”کہہ دو اگر رحمٰن کا کوئی بیٹا ہوتا تو میں تو عبادت گذاروں میں اول ہوں۔ مجھے اس سے انکار نہ ہوتا۔“

اس آیت سے آنحضرتؐ کی اولیت تخلیق ثابت ہوتی ہے۔ یعنی آپ سب سے پہلے عبادت گذار ہیں۔ جب کہ عالم انوار میں تھے۔ اور خدا کے سوا کوئی شے نہ تھی۔ اگر خدا کا بیٹا ہوتا تو آپ ولد خدا کا انکار نہ فرماتے۔ جیسا کہ امیر المؤمنینؑ کا ارشاد ہے کہ اس آیت سے اولیت کے ساتھ انکار ولد مراد ہے۔

تفسیر آیہ مذکورہ میں مفسرین نے مندرجہ ذیل تاویلات تحریر کئے ہیں۔

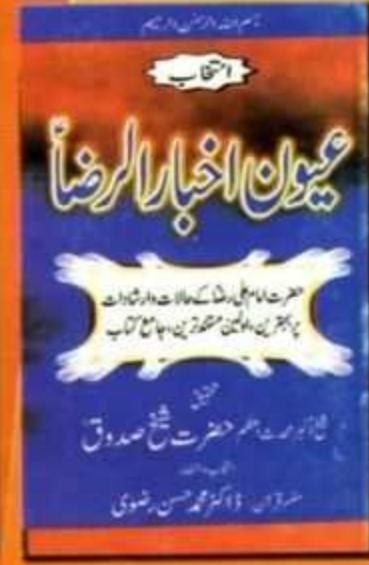
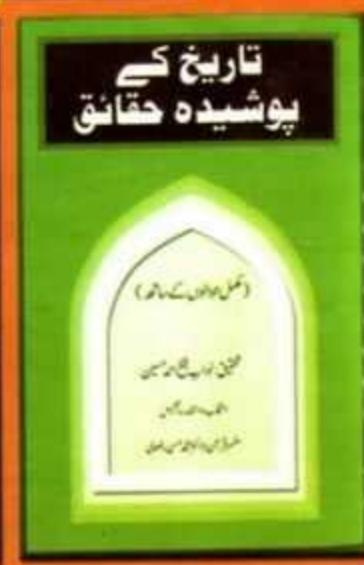
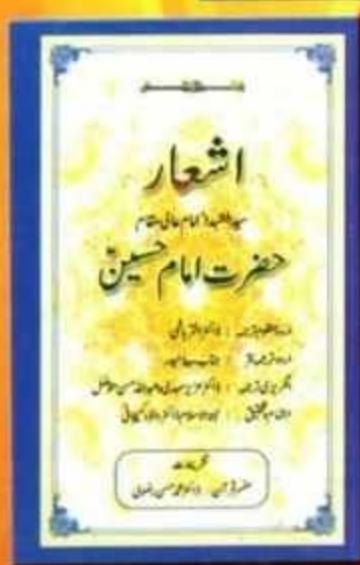
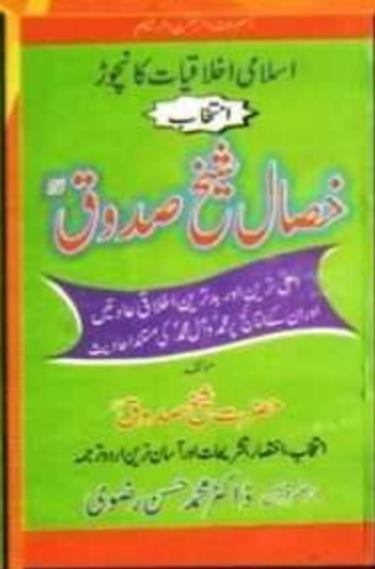
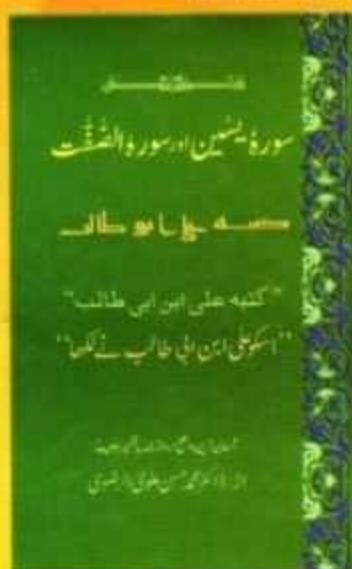
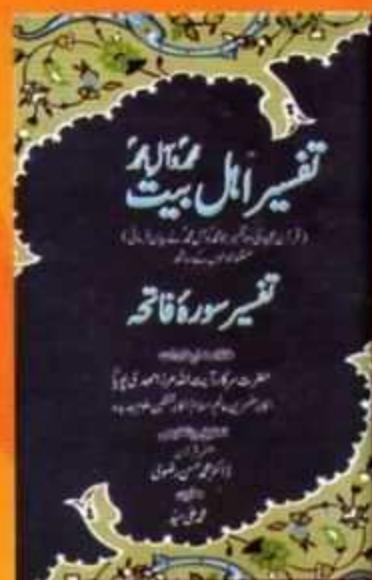
اول: جن لوگوں نے خدا کے لئے اولاد تجویز کی تھی ان کی رد کی گئی ہے۔ باس طریق کہ اگر خدا کا کوئی بیٹا ہوتا تو میں نے جب کہ سب سے پہلے عبادت کی ہے۔ اور عبادت صرف معبود واحد ہی ہو سکتی ہے۔ تو صاحب ولد کی عبادت کا میں سب سے پہلے منکر ہوتا۔ لہذا ثابت ہوا کہ اس کی کوئی اولاد نہیں ہے کیونکہ میں اس کا اول عبادت گذار ہوں۔

دوم: اس آیت میں لفظ 'ان'، بمعنی ماء نافیہ ہے۔ یعنی نہیں اللہ کے لئے کوئی ولد میں تو اس کا اول عبادت گذار ہوں۔

سوم: اگر اس کا کوئی ولد ہوتا تو میں سب سے پہلے اسکی عبادت کا انکار کرتا کیونکہ جس کی اولاد ہو گی وہ یقیناً جسمانی اور حادث ہو گا۔ مستحق عبادت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ ان انعامات پر قادر نہیں ہو سکتا۔



مطبوعات اکیڈمی آف قرآنک اسٹریز اینڈ اسلامک ریسرچ



ملنے کا پتہ احمد بک سیلرزو اسٹیشنز (اسٹاکسٹ و جزل آرڈر پلائز)

718/20 فیڈرل بی ایریا کراچی، پاکستان

فون: 021-36364924